قال اللہ تعالیٰ انّ الدّین عند اللہ الإسلام

عقائد الاسلام

جس میں اسلام کے عقائد کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کیا گیا ہے
اور جدید وقدیم فلاسفہ اور ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے

استاذ العلماء شیخ التفسیر والحدیث
حضرت مولانا حافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ





ادارہ اسلامیات رجسٹرڈ کراچی - لاہور

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَام

عقائدُ الاسلام

حصہ اول ودوم

جس میں اسلام کے عقائد کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کیا گیا ہے
اور جدید وقدیم فلاسفہ اور ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے

مولفہ

استاذ العلماء شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ

ناشر

اِدارہ اسلامیات

کراچی۔ لاہور

پہلی بار : جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ ۔ مئی ۲۰۱۰ء
باہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمٰن
ناشر : ادارۃ اسلامیات کراچی ۔ لاہور
کمپوزنگ : سمیع اللہ ، لانڈھی ، کراچی

ادارۃ اسلامیات موہن روڈ ، چوک اردو بازار کراچی ، فون : ۳۲۷۲۲۴۰۱
ادارۃ اسلامیات ۱۹۰ ، انارکلی ، لاہور ۔ پاکستان فون : ۳۷۵۳۲۵۵
ادارۃ اسلامیات دینا ناتھ منشن مال روڈ ، لاہور فون : ۳۷۳۲۴۴۱۲

پبلشرز بک سیلرز ایکسپورٹرز

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف : ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴
مکتبہ معارف القرآن : احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
دارالاشاعت : ایم اے جناح روڈ کراچی نمبر ۱
بیت القرآن : اردو بازار کراچی نمبر ۱
بیت الکتب : نزد اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی
بیت العلوم : ۲۶ نابھہ روڈ لاہور
ادارہ تالیفات اشرفیہ : بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر
ادارہ تالیفات اشرفیہ : جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد بہاولنگر



فہرستِ مضامین عقائدالاسلام حصہ اول

صفحہ نمبر	مضمون

الحمد للہ عقائد الاسلام حصہ اول کے مضامین کی فہرست ختم ہوئی۔

فہرستِ مضامین تکملہ عقائد الاسلام حصہ اول

الحمد للہ تکملہ کے مضامین کی فہرست ختم ہوئی۔ وللہ الحمد والمنہ۔



فہرستِ مضامین عقائد الاسلام حصہ دوم

ملقب بہ خلاصۃ العقائد

الحمد للہ کہ عقائد الاسلام حصہ دوم کی فہرست مضامین ختم ہوئی۔

وللہ الحمد اولا و آخرا و ظاهرا و باطنا.



پیش لفظ

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ کی تالیف فرمودہ کتاب ''عقائد اسلام'' اردو زبان میں عقائد پر ایک اہم کتاب ہے جس میں اسلام کے عقائد کو نہ صرف عقلی اور نقلی دلائل سے مزین کیا گیا ہے، بلکہ جدید اور قدیم فلاسفہ اور گمراہ لوگوں کے اعتراضات کے جوابات بھی جامع انداز سے دیئے گئے ہیں جس سے تمام شبہات دور ہوجاتے ہیں اسی لئے یہ تالیف مقبول ہوئی اور علماء وطلبہ میں مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

اب ادارہ اسلامیات کراچی نے اس کو کمپوز کرا کر خوبصورت انداز میں شائع کرنے کا ارادہ کیا تو کمپوزنگ کی تصحیح کے لئے بندہ کو کہا گیا۔

اس دوران حضرت والا حضرت مولانا مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہم کے فرمانے پر احقر نے اس میں موجود ان قرآنی آیات واحادیث، عربی عبارات اور فارسی اشعار جن کا ترجمہ کتاب میں موجود نہ تھا ان کا ترجمہ حاشیہ میں کردیا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو سہولت ہو۔

قرآنی آیات کے ترجمہ کے لئے ''آسان ترجمہ'' سے استفادہ کیا گیا جبکہ فارسی کے سلسلے میں مولانا عبدالمالک میدانی صاحب سے مدد لی گئی۔

یہ وضاحت اس لئے کردی کہ کہیں ہماری غلطی کی نسبت حضرت مصنف رحمہ اللہ کی طرف نہ کردی جائے۔

اللہ تعالیٰ اصل کتاب کے ساتھ ہماری اس حقیر کاوش کو بھی قبول فرما کر ذریعۂ نجات بنادے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔

شفیع اللہ

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی کورنگی

۱۴/۵/۱۴۳۱ھ



الحمد لله الذی ھدانا للاسلام واسبغ علینا نعمه ظاہرۃ وباطنة واتم علینا الانعام وجعلنا من امة حبیبه سیدنا ومولانا محمد سید الانام علیه و علی آله و اصحابه الصلوٰۃ والسلام و علینا معھم بتطفلھم بمحض لطفک وعنایتک یاارحم الراحمین یا ذاالجلال والاکرام.

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولاصلینا
فانزلن سکینة علینا ونحن عن فضلک ما استغنینا
ان الالیٰ قد بغوا علینا وبالصیاح عولوا علینا
واذا ارادوا فتنة [1] ابینا [2]

امابعد!

جاننا چاہئے کہ حق جل شانہ منعم علی الاطلاق ہیں اگر وجود ہے تو اسی کا بخشا ہوا ہے اور اگر حیات اور بقا ہے تو اسی کا عطاء کی ہوئی ہے اور اگر صفات فاضلہ ہیں تو اسی کی رحمتِ شاملہ سے حاصل ہیں اور اگر عقل ودانش اور علم وفہم اور سننے دیکھنے اور بولنے کی طاقت ہے تو اسی کی بے چون وچگون علم وقدرت سمع اور بصر کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔

---

(۱) والمراد ھنا بالفتنة فتنة الالحاد والزندقة۔۱۲

(۲) اے اللہ اگر آپ کی توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔
(اے اللہ) ہم پر اطمینان نازل فرما اور ہم آپ کے فضل سے بے نیاز نہیں ہیں۔
بے شک ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا اور ہمارے اوپر شور مچایا اور جب وہ فتنہ کا ارادہ کریں تو ہم اس کو قبول نہیں کرتے۔

ممکن کے پاس تو وجود بھی اپنا نہیں صفات اور کمالات کا تو ذکر کیا سب کچھ اسی کا عطیہ ہے۔ بندہ کے پاس سوائے عدم کے کچھ بھی نہیں اور حق تو یہ ہے کہ بندہ اپنے عدم کا بھی مالک نہیں۔ وجود کی طرح اس کا عدم بھی حق تعالٰی کا ارادہ اور مشیت کے تابع ہے غرض یہ کہ بندہ میں جو بھی صفت اور کمال ہے وہ سب کچھ خداوند ذوالجلال کے جود ونوال سے ہی حاصل ہے اس کے انعامات اور احسانات کی کوئی حد اور نہایت نہیں اور بلاشبہ حق تعالٰی شانہٗ ہی منعم حقیقی علی الاطلاق ہے۔

گر برتن من زبان شود ہر موئے یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد[۱]

اور عقل بداہۃً منعم اور محسن کے شکر کے واجب ہونے کا حکم دیتی ہے اور منعم کی تعظیم وتکریم کو فرض اور لازم گردانتی ہے عقل بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور تمام حواس اور اعضاء اور جوارح بمنزلہ لشکر کے ہیں۔

عقل یہ کہتی ہے کہ جب ہر منعم اور محسن کا شکر اور اس کی تعظیم وتکریم لازم ہے تو اس منعم حقیقی کا شکر سب سے بڑھ کر لازم اور فرض ہوگا کہ جس نے عقل اور دانش جیسی بے مثال نعمت عطا فرمائی جس سے دین اور دنیا کی مشکلات حل ہوتی ہیں عقل سب کچھ سمجھتی ہے مگر عقل اپنی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے لیکن عقل اتنا ضرور جانتی ہے کہ ایک ذات پاک ایسی ضرور ہے کہ جس کے ہاتھ میں میرے وجود اور میرے ادراک کی باگ ہے جس وقت اور جتنی مقدار وہ چاہتا ہے اتنا ہی ادراک مجھ کو ہو جاتا ہے جب چاہتا ہے تو میرے ادراک کی پرواز آسمانوں تک پہنچا تا ہے اور جب چاہتا ہے تو بندہ کو ایسا بے بال و پر بنا دیتا ہے کہ پاس کی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی سمجھنا تو در کنار، پس یہی ذات جس کے ہاتھ میں میرے وجود اور ادراک کی باگ ہے وہی میرا خدا اور وہی میرا منعم حقیقی ہے۔

وآں کہ در اندیشہ ناید آں خداست[۲]

عقل بے چین اور بے تاب تھی کہ کس طرح اپنے منعم حقیقی اور منعم علی الاطلاق کا شکر

---

(۱) اگر میرے جسم کا ہر بال زبان ہو جائے تو اللہ تعالٰی کے ایک شکر کا ہزارواں حصہ بھی ادا نہ کرسکوں۔
(۲) وہ جو خیال میں نہیں آسکتا وہی خدا ہے۔

ادا کروں منعم حقیقی نے یہ احسان فرمایا کہ عقل کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شریعت دے کر بھیجا کہ جو عقل کو منعم حقیقی کے شکر اور تعظیم قلبی اور بدنی، اعتقادی اور عملی سے آگاہ اور باخبر کریں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق اس کا شکر اور تعظیم بجالائے گا اس کو رضا اور خوشنودی کا پروانہ ملے گا ورنہ نہیں؟

بادشاہ اور حکومت کی طرف سے رضا اور خوشنودی کا پروانہ جب ملتا ہے کہ جب حکومت کے مقرر کردہ قوانین کے ماتحت شکر گزاری اور اطاعت شعاری عمل میں آئے۔ قوانین حکومت کو نظر انداز کر کے اپنی رائے سے کوئی کام کرنا اور اس کو حکومت کی اطاعت سمجھنا غلطی اور نادانی ہے ؎

کفر است دریں مذہب خود بینی وخود رائی(۱)

اور اپنی خود رائی کی توجیہ اور تاویل غلطی کو جرم بنادیتی ہے۔ اگر کوئی نادان حکومت کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری کا مدعی ہو اور اپنی خود تراشیدہ خلاف قانون باتوں اور کاموں کی عجیب وغریب تاویلیں کرتا ہو تو حکومت کا وکیل یہ کہے گا کہ یہ شخص حکومت کے قوانین اور آئین سے آزاد ہو کر اپنی رائے پر چلنا چاہتا ہے اور اپنی چرب لسانی سے قانون حکومت کو اپنے مزعومات اور خیالات فاسدہ پر ڈھالنا چاہتا ہے اور حکومت کا قانون ان تاویلات اور توجیہات سے بالا اور برتر ہے۔

اسی طرح علماء اسلام شریعت الٰہیہ کے وکیل ہیں۔ قانون خداوندی کا صحیح صحیح مطلب بتادیتے ہیں اور یہ واضح کردیتے ہیں کہ منشاء خداوندی یہ ہے کہ جو شخص کتاب وسنت کو خود تراشیدہ تاویلات فاسدہ اور توجیہات مہملہ سے اپنی خواہش اور خیال کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے تو ایسی توجیہ اور تاویل کو جو شریعت کے قواعد کلیہ کے خلاف ہو اصطلاح شریعت میں الحاد اور زندقہ کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ منعم حقیقی کا شکر اور اس کی تعظیم وہی معتبر ہے جو شریعت کے مطابق ہو اور جو تعظیم اور عبادت شریعت کے برخلاف ادا کی جائے وہ قابل اعتماد اور لائق اعتبار نہیں۔

---

(۱) اس راستہ میں عجب اور خود رائی کفر ہے۔

قانونِ حکومت کا مفہوم اور مطلب وہی معتبر ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً وزراء حکومت ارکانِ دولت اور حکامِ عدالت سمجھتے اور اس کے مطابق فیصلے کرتے آئے ہوں اسی طر شریعت کے اصول وفروع کا وہی مفہوم معتبر ہوگا کہ جو عہد صحابہ سے لے کر اب تک امہ کے علماء اور صلحاء سمجھتے آئے ہوں اور اسلامی عدالتوں سے اس کے مطابق فیصلے ہوتے رہ ہوں اس کے خلاف کسی نئے معنی کا اعتبار نہ ہوگا اور اگر امت کے صحابہ وتابعین اور کل عا ربانیین کا سمجھا ہوا مطلب غلط ہوسکتا ہے تو ان آزاد منشوں اور روشن خیالوں کا سمجھا ہ مطلب کیوں غلط نہیں ہوسکتا، جو عربی زبان بھی اچھی طرح نہیں جانتے۔ اے مسلما اسلام وہی ایک اسلام ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر اترا ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام ''او صحیح حقیقت اس کی وہ ہے کہ جو صحابہ کرام نے سمجھی اور اس کے سوا سب غلط ہے اور بھینگا ہے وہ شخص جس کو ایک اسلام کے دو اسلام اور ایک قرآن کے دو قرآن نظر آتے ہیں۔

پس عقل کا حکم یہ ہے کہ منعم حقیقی کی تعظیم قانون شریعت کے مطابق بجالاؤ او شریعت کے دو جزو ہیں ایک اعتقادی اور ایک عملی اعتقاد۔ دین اصل ہے اور عمل اس کی فرع ہے بغیر اعتقاد کے عذاب آخرت سے نجات متصور نہیں اور جس شخص میں اعتقاد موجود ہو مگر عمل مفقود ہو اس کے لئے نجات کی امید ہے اس کا معاملہ حق تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے خواہ معاف کرے اور خواہ گناہوں کے موافق عذاب دے۔ دوزخ کا دائمی عذاب۔ اعتقاد اور ضروریات دین کے منکر کے لئے مخصوص ہے اور عمل نہ کرنے والا اگرچہ عذاب میں داخل کیا جائے گا لیکن اعتقاد صحیح کے موجود ہونے کی بناء پر دوزخ کا دائمی عذاب اس کے حق میں مفقود ہے۔

ان العقائد کلها اس لاسلام الفتی
ان ضاع امر واحد من بینهن فقد غوی[1]

عقائد اسلام کی بنیاد میں ایک عقیدہ بھی خراب اور فاسد ہوگیا تو اسلام کی تمام عمارت خراب ہوگئی۔

---

(۱) تمام عقائد جوان کے اسلام کی بنیاد ہیں، ان میں سے ایک بھی ضائع ہوگیا تو گمراہ ہوگیا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج تاثریا می رود دیوار کج[1]

اعتقادات چونکہ دین کے اصول اور ضروریات اسلام سے ہیں اس لئے مختصر طور پر ہم فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کو بیان کرتے ہیں اور عملیات چونکہ فروع ہیں اور ان کی تفصیل بھی طویل اور دراز ہے اس لئے ان کی تفصیل کو کتب فقہ کے حوالہ کرتے ہیں اور فقط اعتقادیات کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس تحریر کے لکھتے وقت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ کے وہ تین مکتوب جو عقائد اسلامیہ کے تحقیق میں قلم معارف رقم سے صادر ہوئے ہیں خاص طور پر اس ناچیز کے پیش نظر رہے ہیں اور اس فقیر وحقیر کی یہ تحریر سراپا تقصیر اگرچہ امام ربانی کے مکتوب سے کئی گونہ زیادہ ہے لیکن اس تحریر کا تمام سنگِ بنیاد امام ربانی مجدد الف ثانی کے ارشادات ہیں اور باقی عمارت کی تکمیل دیگر حضرات متکلمین کے کلام معرفت التیام سے کی ہے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وعلینا معہم یاارحم الراحمین۔

حق جل شانہ ان بزرگوں کے ارواح طیبہ پر اپنی رحمت بے غایت اور عنایت بے نہایت کی بارشیں برسائے اور اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے کہ دین اسلام کو ہم تک ٹھیک ٹھیک پہنچایا اور صحابہ وتابعین نے کتاب وسنت کا جو مطلب سمجھا تھا اس سے ہم کو آگاہ اور باخبر کیا۔ آمین ثم آمین۔

اب میں بصد ہزار عجز وزاری بارگاہ خداوندی میں دعا مانگتا ہوں کہ اے اللہ تو اپنی رحمت اور عنایت سے اس ناچیز کو اور اس کے والدین اور اولاد اور اہل وعیال کو اور اس کے بھائی اور بہنوں اور خویش اور اقارب اور احباب کو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے طریقہ پر استقامت نصیب فرما اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرما اور اسی پر قبر سے اٹھا اور اسی پر حشر فرما۔ آمین اور دنیا اور آخرت کی ذلت اور رسوائی اور ندامت اور شرمساری سے بچا۔ آمین اور میری یہ تحریر مسلمانوں کے لئے موجب ہدایت اور اس ناچیز کے لئے ذخیرہ آخرت اور حفاظتِ ایمان کا ذریعہ بنا۔ آمین یارب العالمین۔

---

(۱) اگر پہلی اینٹ ہی مستری نے ٹیڑھی رکھ دی تو وہ (دیوار) ثریا تک ٹیڑھی جائے گی۔

فاطر السموت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین. اللهم یارب بجاه نبیک المصطفی ورسولک المرتضی طهر قلوبنا من کل وصف یباعدنا عن مشاهدتک ومحبتک وامتنا علی السنة والجماعة والشوق الی لقاء ک یا ذاالجلال والا کرام. آمین. آمین. آمین. یارب العالمین و یا ارحم الراحمین.



عقائد متعلقہ ذات وصفات باری تعالیٰ شانہ

عقیدۂ اول

اللہ تعالیٰ اپنی قدیم ذات اور صفات کے ساتھ خود بخود موجود اور موصوف ہے اور اس کے سوا تمام اشیاء اسی کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں اور اسی کے پیدا کرنے سے عدم سے وجود میں آئی ہیں، خدا تعالیٰ کو خدا اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اس کی ہستی خود اسی سے ہے اور اس کی ذات وصفات کے سوا تمام عالم اور اس کی تمام اشیاء حادث اور نو پیدا ہیں عدم سے وجود میں آئی ہیں۔

۱۔ اسی لئے جہان کی کوئی شے ایک حال پر قائم نہیں تغیر اور تبدل کی آماجگاہ اور فنا اور زوال کی جولانگاہ بنی ہوئی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ عالم خود بخود موجود نہیں ہوا۔ بلکہ اس کا وجود اور ہستی کسی اور ذات کا عطیہ ہے۔ پس وہ ذات بابرکات جو تمام اشیاء کے وجود اور ہستی کی مالک ہے اسی کو ہم اللہ اور خدا اور مالک الملک کہتے ہیں اور اصل مالک اور مالک حقیقی بھی وہی ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں تمام کائنات کا وجود ہو۔ خوب سمجھ لو کہ حقیقی مالک وہی ہے جو وجود کا مالک ہے اور جو وجود کا مالک نہیں وہ حقیقی مالک نہیں۔

۲۔ نیز عالم کی جس چیز پر بھی نظر ڈالو گے احتیاج اور ذلت اور پستی عاجزی اور لاچارگی

کے آثار نظر آئیں گے معلوم ہوا کہ یہ عالم اور عالم کی کوئی چیز خود بخود نہیں، اگر کوئی چیز خود بخود ہوتی تو خدا ہوتی اور کسی کی محتاج اور دست نگر نہ ہوتی ۔

سراپا عاجزی ہونے نے بندہ کردیا ہم کو وگرنہ ہم خدا ہوتے جو دل بے آرزو ہوتا

۳۔ علامہ احمد بن مسکویہ اپنی کتاب ''الفوز الاصغر'' میں فرماتے ہیں۔آسمان سے لے کر زمین تک کوئی شے تم کو ایسی نظر نہ آئے گی جو حرکت سے خالی ہو، اور حرکت کی چھ قسمیں ہیں:

۱۔حرکت کون ۲۔حرکت فساد ۳۔حرکت نمو
۴۔حرکت نقصان ۵۔حرکت استحار ۶۔حرکت نقل

اور یہ امر بھی مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کوئی حرکت ایک حال اور ایک منوال پر نہیں۔ معلوم ہوا کہ کسی چیز کی حرکت ذاتی نہیں یعنی اس کی ذات سے نہیں بلکہ کسی محرک سے ہے کہ جو ان کی ذات کے علاوہ ہے پس وہی محرک حقیقی جس کے ہاتھ میں یہ تمام عالم کی حرکتیں ہیں وہی خدا ہے جو ان پتلیوں کے ذریعہ اپنی قدرت کا تماشہ دکھلا رہا ہے۔

منکرین خدا کا رد

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء آفرینش عالم سے اس وقت تک دنیا کے ہر حصہ اور خطہ میں تقریباً سب کے سب خدا تعالیٰ کے قائل رہے اور دنیا کے تمام مذاہب اور ملل اور ادیان سب اس پر متفق ہیں کہ خدائے برحق موجود ہے اسی نے اپنی قدرت اور ارادہ سے اس عالم کو پیدا کیا ہے۔

مادہ پرستوں کا گروہ جن کا دوسرا نام منکرین مذہب ہے وہ نہایت بے باکی کے ساتھ خدا کے وجود کا منکر ہے اور یہ کہتا ہے کہ خدا کا کوئی واقعی کوئی وجود نہیں۔خدا محض ایک موہوم اور فرضی شئے ہے جس کو انسانی دماغ نے قوانین طبعیہ سے مرعوب ہو کر اختراع کرلیا اور تمام اعمال و افعال اور تمام اقوال و احوال بلکہ کائنات میں اس کو مدبر اور متصرف سمجھ کر اپنے وجود کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دی اور بے وجہ اپنی امید و بیم کو اس کے ساتھ وابستہ کرلیا اور اس کو اپنا معبود سمجھ لیا۔ مادہ پرست کہتے ہیں کہ اہلِ مذاہب کو ایک مافوق

الفطرت ہستی ماننے کی کوئی ضرورت بھی نہیں، یہ لوگ عالم کے تغیرات اور حوادث سے گھبرا کر اور ڈر کر ایک فرضی خدا کے قائل ہو گئے۔ حوادث اور تغیرات کے لئے خدا کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں مادہ بھی قدیم ہے اور اس کی حرکت بھی قدیم ہے۔ مادہ سے مراد وہ نہایت چھوٹے چھوٹے اجزاء اور ذرات ہیں جن کو علمی اصطلاح میں اجزاء دیمقراطیسہ کہتے ہیں اور انہی ذرات کو اثیر (یعنی ایتھر سے) بھی تعبیر کرتے ہیں رفتہ رفتہ ان اجزاء میں اختلاط اور ترکیب پیدا ہوئی اس سے یہ تمام عالم پیدا ہو گیا۔

تحقیقات جدیدہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی تمام سماوی اور ارضی چیزوں کی اصل دو چیزیں ہیں مادہ اور اس کی حرکت اور دونوں قدیم اور متلازم ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے جس طرح معلول اپنی علت سے بے اختیار بن جاتا ہے اسی طرح یہ تمام آسمان اور زمین اور کواکب اور سیارات اور اشجار اور نباتات مادہ اور اس کی حرکت سے خود بخود بن گئے۔ لہٰذا ہم کو خدا ماننے کی ضرورت نہیں اور نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ اپنی گردن میں مذہبی طوق وسلاسل پھانسیں اور گراں بار بنیں، ہمیں خدا کی بالکل ضرورت نہیں بلکہ مادہ اور اس کی قوانین فطریہ اس عالم کی ہستی اور بقاء کے کفیل اور ذمہ دار ہیں۔

یہ ہے منکرین خدا کی دلیل جس کو آپ نے سن لیا جس نے میں سوائے فرضی، خیالی، تخمینی اور بے ربط مقدمات کے کچھ بھی نہیں۔ سب متکبرانہ اور مغرورانہ دعوے ہیں جن پر کوئی دلیل نہیں۔

ہم خدا پرست یہ کہتے ہیں کہ مادہ پرستوں نے اپنے زعم اور خیال میں ان کائنات سماوی اور ارضی کا ایک خاص سبب اپنے دماغ سے اختراع کر کے پیش کر دیا جس پر جزء لایتجزیٰ کے برابر بھی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں لیکن جس سبب کی ہم کو تلاش تھی اس میں ہم کو کامیابی نہیں ہوئی۔ ہمیں تلاش اس کی ہے کہ یہ قصر کائنات جو عجیب وغریب تناسب اور ترتیب پر مشتمل ہے اور جس کا ہر ہر جز گنجینہ اسرار وحکم ہے اور ماہرین علم افلاک اور علم طبقات الارض اور ماہرین علم حیوانات اور علم نباتات ان کے دقائق اور اسرار کے ادراک سے قاصر اور درماندہ ہیں۔ یہ قصر کائنات کسی طرح وجود میں آیا اور اس کے وجود کا سبب کیا ہے، ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ کائنات کا یہ منظم اور مرتب نظام خود اپنے اندر سے یہ بول رہا ہے

کہ میرا بنانے والا اور میرا چلانے والا نہایت ہی علم وحکمت اور نہایت ہی قوت اور قدر
والا ہے اور موصوف بہمہ صفات ہے۔

مادہ پرستوں کا گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ تمام عالم مادہ اور اس کے غیر مرئی ذرات
اتفاقی اور اضطراری حرکتوں کا نتیجہ ہے اور مادہ پرست اس کے قائل ہیں کہ مادہ بالکل اند
اور بہرا اور گونگا اور بے حس اور بے شعور ہے۔ نہ دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے اور نہ بولتا ہے ا
کوئی کام اس کا قصد اور اختیار سے نہیں اور نہ اس کو کسی تناسب اور ترتیب کا علم ہے اور نہ ا
میں اس کی قدرت کو دخل ہے اور نہ یہ مادہ کسی قاعدہ سے واقف ہے عالم کی یہ تمام عجیب
غریب کائنات محض بخت و اتفاق سے معرضِ وجود میں آگئی۔ پس مادہ پرستوں نے ا
مرتب اور متناسب نظام کائنات کا سبب مادہ کو قرار دیا گویا کہ ایک اندھے اور بہرے اور ۔
شعور اور بے حس مادہ کو اپنا خدا مان لیا اور سرِ تسلیم اس کے سامنے خم کر دیا بلکہ اس کے قدموا
پر ڈال دیا اگر چہ نام اس کا خدا نہیں رکھا۔ خدا پرست یہ کہتے ہیں کہ اس قصر کائنات کو مادہ او
اس کی اتفاقی اور اضطراری حرکات کا نتیجہ قرار دینا ایسا ہی ہے۔

خوش قلم کتاب کی مثال:

جیسے کسی نہایت خوش قلم کتاب کے نقوش کو یہ دیکھ کر یہ کہنا کہ یہ کتاب کسی ماہر خوش
نویس کی لکھی ہوئی نہیں بلکہ یہ تمام کتابی نقوش (جو عجیب و غریب علوم و معارف پر مشتمل
ہیں) مادۂ سیاہی اور اس کی اتفاقی حرکت کا نتیجہ ہیں۔

قصر شاہی کی مثال:

یا کسی قصر شاہی کو دیکھ کر جس میں طرح طرح کے کمرے اور بالا خانے اور قسم قسم
کے فرش اور قالین بچھے ہوئے ہوں اور حوضیں اور فوارے اس میں جاری ہوں کوئی یہ کہنے
لگے کہ یہ محل ماہر انجینئروں اور کاری گروں کی کاری گری نہیں اور نہ یہ محل کسی ذی شان معمار
کا بنایا ہوا ہے بلکہ اتفاق سے ایسی ہوا چلی کہ مادہ ترابی اور مادہ مائی میں یعنی پانی کے ذرات
بسیطہ میں حرکت پیدا ہوئی جس سے یہ کمرہ اور یہ جنگلے اور یہ برآمدے اور یہ راستے اور یہ

حوضیں اور یہ نہریں خود بخود بن گئے اور یہ قالین اور یہ کرسیں خود بخود اڑ کر یہاں سج گئے۔ کیا جس شخص کے دماغ میں کچھ بھی عقل ہے وہ اس بکواس کو سننے کے بعد اس کو دیوانہ نہ سمجھے گا؟

گھڑی کی مثال:

جب ہم کسی گھڑی کو دیکھتے ہیں جس سے وقت معلوم ہوتا ہے تو اس کے عجیب و غریب انضباط اور استحکام اور کل پُرزوں کی حرکت کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ اس کا بنانے والا قواعد ہندسیہ کا بڑا ہی ماہر ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس گھڑی کا بنانے والا ایک ایسا شخص ہے کہ جو اندھا اور بہرا اور ناسمجھ اور بے خبر اور علم ہندسہ اور کل سازی کے اصول سے بالکل ناواقف ہے (یعنی مادہ) تو کوئی ادنیٰ عقل والا اس کی تصدیق کے لئے تیار نہ ہوگا۔

یا مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ یہ گھڑی کسی کاریگر کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ یہ تمام پرزے مادہ اور اس کی حرکت سے خود بخود اس خاص ہیئت پر بن گئے اور پھر اس کے بعد جب ان پُرزوں میں دوبارہ حرکت ہوئی تو یہ خود بخود مرکب ہو گئے اور اپنے اپنے موقعہ پر لگ کر گھڑی خود بخود تیار ہو گئی اور خود بخود چلنے لگی تو سامعین اس محقق سائنس دان کی اس تقریر دل پذیر کو سن کر قہقہہ لگائیں گے۔

کون عاقل اس کو قبول کر سکتا ہے کہ عالم کے یہ عجیب و غریب تنوعات اور تطورات ایک بے جان اور بے حس اور بے شعور مادہ کی ازلی حرکات کے ثمرات اور نتائج ہیں۔ آپ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ تنوعات اور تطورات تمام کے تمام آپ کے نزدیک حادث ہیں۔ (جیسا کہ علم طبقات الارض اور علم طبقات الافلاک کے ماہرین نے اس کی تصریح کی ہے) اس لئے کہ پہلے نہ تھے اور بعد میں پیدا ہوئے اور یہی حقیقت حدوث کی ہے۔ پس اگر ان تنوعات حادثہ کی علت مادہ قدیمہ اور اس کی حرکت ازلیہ ہے تو پھر یہ تمام تطورات اور تنوعات بھی قدیم ہونے چاہئیں اس لئے کہ جب علت قدیم ہے تو معلول بھی قدیم ہونا چاہئے۔ ہاں اگر یہ صورت ہوتی کہ مادہ اپنے ارادہ اور اختیار سے ان تنوعات کا موجد ہوتا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ واجب الوجود اور قدیم کے ارادہ سے جو چیز پیدا ہوگی وہ اس کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہوگی اس لئے وہ حادث ہوگی اور موجد حادث نہ ہوگا، لیکن آپ مادہ میں کسی

قسم کے حیات اور شعور اور ارادہ کے قائل نہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ ابھی تک مادہ میں خاص استعداد پیدا نہ ہوئی تھی اس لئے یہ انواع واقسام اب تک ظہور اور وجود میں نہ آئے تو ہم یہ سوال کریں گے کہ اس استعداد کی علت بھی تو وہی مادہ قدیمہ اور اس کی حرکت ازلیہ ہے لہٰذا یہ استعداد قدیم ہونی چاہئے اس لئے کہ اس کی علت قدیم ہے پھر کیا وجہ ہے کہ صدہا اور ہزار ہا سال گزر گئے مگر اس خاص نوع کے پیدا ہونے کی استعداد اور صلاحیت مادہ کے ذرات میں نہ پیدا ہوئی۔

غرض یہ کہ ان فرضی اور تخمینی باتوں سے عقلِ سلیم اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ یہ بے شعور اور بے جان مادہ ہر وقت عالم کے بیشمار عجیب وغریب انواع واقسام کو اس محیر العقول انضباط اور استحکام کے ساتھ پیدا کرتا رہتا ہے اور غیر متناہی زمانہ تک اسی طرح غیر متناہی سلسلہ چلا جائے گا۔

مکان کی مثال:

ایک مکان کو دیکھ کر بے تامل اس بات کا یقین آجاتا ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی ضرور ہے تو کیا اتنا بڑا مکان جس کا فرش زمین ہو اور چھت اس کی آسمان ہو اس کو دیکھ کر یہ یقین نہ آئے گا کہ اس کا بنانے والا نہایت قدیر وعلیم اور خبیر وحکیم ہے۔

قدرت کا نظام ہے بتاتا تو صانع و منتظم ہے سب کا

عارف جامی فرماتے ہیں۔

خانہ بے صنع خانہ ساز کہ دید نقش بیدست خامہ نقاش زن کہ شنید

رہا یہ سوال کہ یہ بنانے والا کیا ہے اور کہاں ہے جب تک ہم اس کو نہ دیکھ لیں کیسے مانیں سو یہ سوال احمقانہ اور جاہلانہ ہے۔ ماننے کے لئے دیکھنا شرط نہیں عقل اور روح کے وجود کے آپ بھی قائل ہیں۔ مگر آپ نے بلکہ کسی نے بھی آج تک عقل اور روح کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ نہ دیکھنا انکار کی دلیل نہیں بن سکتا۔ عقل پردہ کے پیچھے سے حکم دیتی ہے اور لوگ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ جب تک ہم عقل کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لیں گے اس وقت تک عقل کا کوئی حکم نہیں مانیں

گے۔ نیز سائنس دان یہ بتلائیں کہ انہوں نے مادہ اور اس کے اجزاء اور اس کی حرکت کا کب مشاہدہ کیا ہے۔ نہ پہلے کیا ہے اور آئندہ کر سکیں گے۔ دعویٰ تو یہ تھا کہ ہم جب تک کسی چیز کا مشاہدہ نہ کر لیں اس وقت تک اس چیز کو نہیں مانتے۔ آپ کا وہ قاعدہ کہاں گیا کہ جس کی بنا پر آپ خدا کا انکار کر رہے تھے مادہ پرستوں نے اس قسم کے قواعد عالم آخرت کی چیزوں کے نہ ماننے کے لئے بنا رکھے ہیں اور دلیل ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ عارف رومی قدس اللہ سرہ السامی فرماتے ہیں ۔

دست پنہاں و قلم بیں خط گزار — اسپ در جولان و ناپیدا سوار(۱)
پس یقین در عقل ہر دانندہ است — ایں کہ باجنبدہ جنبانندہ است(۲)
گر تو آں رامی نہ بینی در نظر — فہم کن اما باظہار اثر(۳)
تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں — لیک از جنبیدن تن جان بداں(۴)

جو لوگ محسوسات اور مشاہدات کے گرفتار ہیں اور نظر و فکر کے عادی نہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز بغیر کسی چیز کے پیدا نہیں ہو سکتی جس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے اور ایک حیوان دوسرے حیوان سے پیدا ہوتا ہے اسی طرح یہ عالم بھی مادہ سے پیدا ہوا ہے عدم محض سے وجود میں نہیں آیا۔

یہ خیال بالکل غلط ہے ان لوگوں نے خدا کی قدرت کو بندہ کی قدرت پر قیاس کیا کہ جس طرح بڑھئی اور کمہار بغیر تختہ اور مٹی کے تخت اور کوزہ نہیں بنا سکتا اسی طرح معاذ اللہ خدا

---

(۱) بعض وقت ہاتھ پوشیدہ ہوتا ہے اور قلم خط لکھنے والا معلوم ہوتا ہے گھوڑا میدان میں تیز دوڑتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور گرد و غبار سے سوار نہیں دکھائی دیتا۔

(۲) ہر عاقل یہ بات بخوبی سمجھتا ہے کہ ہر متحرک کے لئے کوئی محرک ہوتا ہے (یعنی کوئی چیز اگر حرکت کرتی ہے تو اس کو حرکت میں لانے والا بھی کوئی ہوتا ہے)

(۳) اگر تو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتا ہے ظاہری آنکھوں سے تو آثار قدرت الٰہیہ سے موثر حقیقی کی معرفت حاصل کر۔

(۴) جسم کی حرکت روح کے سبب سے ہے لیکن تم روح کو نہیں دیکھتے اور جب کسی جسم میں حرکت کے آثار دیکھو تو اس کی روح کے وجود پر تم یقین کر لو۔ (معارف مثنوی صفحہ ۳۹۰)

بھی بغیر مادہ کے عالم کو نہیں بنا سکتا۔ حالانکہ یہ لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عالم کی اشیاء متغیرہ یعنی صورتیں اور خطوط اور نقش و نگار اور تمام اعراض اور کیفیات کسی چیز (مادہ) سے پیدا نہیں ہوئیں بلکہ محض عدم سے وجود میں آئی ہیں پس جبکہ اعراض اور کیفیات بندہ کی قدرت سے بدون مادہ کیسے عدم سے وجود میں آسکتے ہیں تو جواہر اور اجسام خدائے واجب الوجود کی قدرت قدیمہ اور ازلیہ سے بدون مادہ کے محض عدم سے کیوں وجود میں نہیں آسکتے۔

معلوم ہوا کہ یہ خیال کہ موجود موجود ہی سے پیدا ہوسکتا ہے خیال باطل ہے اس لئے کہ تکوین اور ایجاد اور ابداع (یہ سب ہم معنی الفاظ ہیں) اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے اور ابداع کے معنی ایجاد الشی لا من شئی کے ہیں یعنی کسی چیز کو بغیر کسی چیز (مادہ) کے پیدا کرنے کے ہیں۔ موجود سے موجود کو نکالنے کا نام ابداع نہیں۔ علی ہذا ایجاد کے معنی وجود عطا کرنے کے ہیں اور وجود معدوم ہی کو عطا کیا جاتا ہے موجود کو وجود عطا کرنا تحصیل حاصل ہے اور دو موجود کو ملا کر کوئی چیز بنانا اس کا نام ترکیب ہے لغت اور عرف میں اس کو ایجاد نہیں کہتے۔

اس مسئلہ کی پوری تفصیل علم الکلام مصنفہ ناچیز میں ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اطمینان ہوجائے گا۔

حضرت مولانا شاہ سید محمد انور کشمیری قدس اللہ سرہ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں ؎

مجموعہ کون بود در کتم عدم — از حرف کن آذروبایں دیر قدم
فعلی است کہ بے مادہ قدرت او کرد — کز ضرب وجودے بعدم نیست قدم[1]

یہ تمام عالم پہلے پردہ عدم میں تھا محض حرف کن سے اس بت خانہ دنیا میں اس نے قدم رکھا ہے۔ یہ خداوند قدوس کا ایک فعل ہے جو بغیر مادہ کے اس کے دست قدرت سے ظاہر ہوا ہے اس لئے کہ وجود کو عدم میں ضرب دینے سے حاصل ضرب قدم نہیں نکل سکتا بلکہ حادث ہی نکلے گا یا اس طرح کہئے کہ جب ممکن کے عدم ذاتی کو واجب الوجود کے وجود قدیم

---

(۱) تمام عالم معدوم تھا اللہ تعالیٰ کا لفظ "کن" یہ قدیم عالم وجود میں لایا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت نے بغیر مادہ اس کو وجود بخشا، کیونکہ یہ بناوٹ اور وجود کے اعتبار سے قدیم نہیں ہے۔

میں ضرب دیں یعنی اول کا ثانی سے تعلق اور ربط پیدا کریں تو حاصل ضرب یا نتیجہ تعلق سوائے حدوث زمانی کے اور کچھ نہیں نکلے گا۔

حکایت ۱:

ایک مرتبہ دھریہ (منکرینِ خدا) کا ایک گروہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی خدمت میں قتل کے ارادہ سے حاضر ہوا۔ امام اعظم نے فرمایا تم ایسے شخص کے بارہ میں کیا کہتے ہو کہ جو یہ کہے میں نے دریا میں سامان سے بھری ہوئی ایک کشتی دیکھی ہے جو اس کنارے سے خود بخود سامان لے جاتی ہے اور دوسرے کنارہ پر لے جا کر اتار دیتی ہے اور دریا کی موجوں کو چیرتی ہوئی سیدھی نکل جاتی ہے اور کوئی ملاح اس کے ساتھ نہیں۔ خود بخود سامان اس میں لد جاتا ہے اور خود بخود اتر جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا یہ بات تو ایسی خلاف عقل ہے کہ کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ امام اعظم نے فرمایا افسوس تمہاری عقلوں پر، جب ایک کشتی بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی تو سارے عالم کی کشتی بغیر ملاح کے کیسے چل سکتی ہے۔ تمام لوگ یہ استدلال سن کر دنگ رہ گئے اور سب کے سب تائب ہو کر آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گئے ؎

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے　　انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

حکایت ۲:

امام مالکؒ سے کسی نے وجود صانع کی دلیل پوچھی تو یہ فرمایا کہ آدمی کا چہرہ دیکھو کتنا چھوٹا ہوتا ہے اور ہر آدمی کے چہرہ میں آنکھ اور ناک اور کان اور زبان اور رخسار اور ہونٹ وغیرہ وغیرہ سب چیزیں موجود ہیں مگر باوجود اس کے کسی ایک کی بھی صورت اور شکل دوسرے سے نہیں ملتی اور کسی کی آواز دوسرے کی آواز سے نہیں ملتی اور کسی کی چال وڈھال دوسرے سے نہیں ملتی غرضیکہ صورتوں اور شکلوں کا الگ الگ ہونا اور آوازوں اور لہجوں کا اور اعضاء اور جوارح کا مختلف ہونا یہ خدا کی کاری گری ہے جس نے ہر ایک کو ایک خاص ہیئت اور صورت عنایت فرمائی کہ جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔ کسی بے شعور مادہ اور ایتھر کی کاری گری نہیں۔

حکایت ۳:

امام شافعیؒ سے کسی دھریہ نے وجود صانع کی دلیل پوچھی تو فرمایا کہ توت کے پتوں کو دیکھو کہ سب کا رنگ اور مزہ اور بو اور طبیعت اور خاصیت ایک ہے مگر جب اس پتے کو ابریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو ریشم نکلتا ہے اور جب اس کو شہد کی مکھی کھاتی ہے تو شہد نکلتا ہے اور جب اس کو بکری کھاتی ہے تو مینگنی بن کر نکلتا ہے اور جب اس کو تاتاری ہرن کھاتا ہے تو مشک بن کر نکلتا ہے حالانکہ شئے ایک ہی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اختلاف اور تنوع کسی علیم و قدیر کی کاری گری ہے مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں۔ ورنہ مادہ سب کا ایک ہی ہے۔

عقیدۂ دوم

حق جل شانہ ایک ہے کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اس لئے کہ شرکت عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ نیز شریک کی ضرورت جب ہوتی ہے کہ جب وہ کافی اور مستقل نہ ہو اور یہ نقص ہے جو وجوب وجود اور الوہیت کے منافی ہے اور جب وہ خود کافی اور مستقل ہوگا تو شریک کا وجود عبث اور بے کار ہوگا اور جو فضول اور بے کار ہوگا وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ پس شریک ثابت کرنے سے دو شریکوں میں سے کسی ایک شریک کا ناقص اور عیب دار ہونا لازم آتا ہے جو الوہیت اور وجوب وجود کے منافی ہے۔ غرض یہ کہ شرکت کا ثابت کرنا شرکت کی نفی کو مستلزم ہے پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا شریک محال ہے اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ خدا کے لئے نہ کوئی بیٹا ہوسکتا ہے اور نہ بیٹی اس لئے کہ اولاد باپ کی ہم جنس اور ہم نوع ہوتی ہے زید اگرچہ باپ سے مغایر ہے مگر انسانیت میں اس کا شریک ہے اسی طرح اگر کوئی خدا کا بیٹا ہو تو وہ بھی خدائی میں خدا تعالیٰ کا شریک ہوگا اور خدا کی طرح وہ بھی ایک خدا ہوگا۔ اسی لئے ارشاد ہے: سبحانہ ان یکون لہ ولد۔

عقیدۂ سوم

حق تعالیٰ شانہ قدیم اور ازلی ہے یعنی اس کے وجود کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہاء،

وہ قدیم مطلق ہے۔ھوالاول والآخر۔ اس کے سوا کسی شئے کے لئے قدم اور ازلیت ثابت نہیں۔ امام غزالیؒ نے ان لوگوں کی تکفیر کی ہے جو ہیولی (مادہ) اور صورت اور عقول اور آسمانوں کے قدیم ہونے کے قائل ہوئے ہیں۔ حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی شے قدیم نہیں ہوسکتی اس لئے کہ عالم کی کوئی شے نقصان اور عیب سے خالی نہیں مادہ تو بالکل ہی اندھا اور بہرا ہے اور روح اگر کچھ جانتی ہے تو برائے نام اس کا علم اور ادراک ناقص اور ناتمام ہے اور ناقص اور ناتمام شے قدیم نہیں ہوسکتی نیز اگر روح قدیم بالذات ہوتی تو روح پر جو مصائب اور آلام اور ہموم وغموم کا ہجوم ہے وہ ہرگز ہرگز نہ ہوتا اس لئے کہ ادنی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ قدیم بالذات کو آلام اور مصائب سے کیا واسطہ۔ معلوم ہوا کہ عالم اور عالم کے درمیان کی کوئی چیز قدیم نہیں بلکہ سب مخلوق اور حادث ہیں خداوند ذوالجلال نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔

عقیدۂ چہارم

حیات اور علم اور قدرت اور ارادہ اور سمع اور بصر اور کلام اور تکوین حق تعالیٰ شانہ کی صفات کاملہ ہیں یعنی وہ زندہ اور دانا اور قدرت والا اور اختیار والا ہے جو کچھ کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے اور وہ علیم وخبیر ہے عالم کا کوئی ذرہ اس کے علم سے غائب اور پوشیدہ نہیں اور ہر چیز کی آواز اور ہر کسی کی پکار کو سنتا ہے خواہ زمین میں ہو یا آسمان میں حتی کہ ساتویں زمین پر چیونٹی کے پاؤں کی آواز بھی سنتا ہے اور تمام عالم کی آوازوں کو بیک وقت سنتا ہے ایک آواز دوسری آواز سے اس کی سماعت میں مزاحم نہیں ہوتی اور بیک وقت تمام عالم کی چیزوں کو دیکھتا ہے کوئی پردہ اور کوئی تاریکی اس کی دید میں حائل نہیں، اور وہ متکلم ہے گونگا نہیں اور وہ مکون ہے یعنی ایجاد اور تکوین[1] کی صفت اس کو حاصل ہے جس کو چاہتا ہے جلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو مارتا ہے عزت دینا اور ذلت دینا سب اسی کے ہاتھ میں

---

(۱) قدرت اور تکوین میں فرق یہ ہے کہ قدرت کی وجہ سے فقط امکان وجود کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے مگر بالفعل وجود حاصل نہیں ہوتا اور تکوین سے بالفعل وجود حاصل ہوتا ہے۔۱۲

ہے۔حق تعالیٰ کے لئے یہ صفات کاملہ ثابت ہیں، اس لئے کہ عالم کی عجیب وغریب صنعت سراپا حکمت اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ صنعت کسی مردہ اور جاہل اور غیر مختار کی نہیں ایسی عجیب وغریب صنعت کا صانع تو زندہ اور عالم اور قادر اور حکیم ہی ہوسکتا ہے۔

نیز یہ صفات کمال (حیات علم قدرت ارادہ سماعت بصارت کلام تکوین) خدا کی مخلوقات میں موجود ہیں اور تمام عقلاء کے نزدیک یہ صفات کمال ہیں پس اگر خالق میں یہ کمال نہ ہوتا تو مخلوق میں کہاں سے آتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان صفات کاملہ کا نمونہ انسان میں اسی لئے پیدا کیا کہ ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی صفات کا نشان پاسکیں اور سمجھیں کہ ہماری یہ صفاتِ کمال خدا کی صفاتِ کمال کا ایک ادنیٰ سا پرتو ہیں، ورنہ فی الواقع انسان کی صفات اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ کسی طرح بھی مشابہ نہیں ہوسکتیں محض اسمی مشارکت اور لفظی مناسبت ہے جو بحث سے خارج ہے۔

فائدہ:

جاننا چاہئے کہ صفات کی دو قسمیں ہیں، ایک صفاتِ ذاتیہ اور دوسری صفاتِ فعلیہ، صفاتِ ذاتیہ ان صفات کو کہتے ہیں کہ ذات ان کی ضد کے ساتھ موصوف نہ ہوسکے جیسے علم وقدرت اللہ تعالیٰ علم اور قدرت کے ساتھ موصوف ہوسکتا ہے اور اس کی ضد جہل اور عجز کے ساتھ موصوف نہیں ہوسکتا یعنی معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو مردہ جاہل عاجز، مجبور، بہرا، اندھا، گونگا نہیں کہہ سکتے کیونکہ موت اور جہالت اور عاجزی وغیرہ وغیرہ عیب اور نقصان ہیں جن سے خدا تعالیٰ کی ذات کا پاک ہونا ضروری ہے اور صفاتِ فعلیہ ان صفات کو کہتے ہیں کہ ذات ان کی ضد کے ساتھ بھی موصوف ہوسکے مگر ان کا تعلق غیر کے ساتھ ہو۔ جیسے مارنا اور جلانا، عزت دینا اور ذلت دینا، رزق دینا اور نہ دینا ایسی صفات کو صفاتِ فعلیہ کہتے ہیں، جہاں ذات دونوں ضدین کے ساتھ موصوف ہوسکے یہ صفات فعلیہ صفت تکوین میں داخل ہیں گویا کہ صفت تکوین ان سب کا اجمالی ہے اور یہ سب اس کی تفصیل ہیں۔ اگر حق تعالیٰ کو صفت تکوین حاصل نہ ہوتی تو یہ تمام عالم اور اس کی عجیب وغریب صنعتیں ظہور میں نہ آتیں۔

قال تعالیٰ: اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئاً اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْن.(۱)

یعنی وہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے کلمہ کن سے پیدا کرتا ہے کسی سامان اور اسباب کا محتاج نہیں۔ کن سے پیدا کرنے کا نام تکوین ہے۔

عقیدۂ پنجم

حق جل شانہ تمام کلیات اور جزئیات کا عالم ہے آسمانوں اور زمینوں کا کوئی ذرہ اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں اس لئے کہ جب وہ تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا ہے تو ان اشیاء کا عالم بھی ضرور ہوگا یہ ناممکن ہے کہ خالق اور صانع کو اپنی مخلوق اور مصنوع کا علم نہ ہو۔

اَلاَ یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْر.(۲)

بعض بدبخت (یعنی فلاسفہ یونان) ایسے بھی ہیں جو حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے اور اپنی بے عقلی سے اس کو کمال سمجھتے ہیں۔

صفتِ علم:

علم حق جل شانہ کی ایک صفت قدیم اور انکشاف بسیط ہے جو تمام اشیاء کے احوال مختلفہ اور متضادہ کو بیک آن محیط ہے آن واحد میں زید کو موجود اور معدوم زندہ اور مردہ بیمار اور تندرست عزیز اور ذلیل وغیرہ وغیرہ تمام کلی اور جزئی احوال کے ساتھ اپنی اپنی اوقات مخصوصہ میں علی وجہ الاحاطہ جانتا ہے۔ ازل سے ابد تک ایک ہی انکشاف بسیط ہے جس میں ذرہ برابر تغیر کی آمیزش کا امکان نہیں۔ تکثر اور تعدد تعلقات اور متعلقات کے اعتبار سے ہے۔

---

(۱) اس کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرلے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ "ہوجا" بس وہ ہوجاتی ہے۔ (یٰسین ۸۲)

(۲) بھلا جس نے پیدا کیا وہی نہ جانے؟ جب کہ وہ بہت باریک دیکھنے والا اور مکمل خبر رکھنے والا ہے۔ (ملک ۱۴)

جبکہ ایک شخص ایک ہی وقت میں کلمہ کو مختلف قسموں اور احوال متغائرہ اور اعتبارات متضادہ کے ساتھ جان سکتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں کلمہ کو اسم بھی اور فعل بھی اور حرف بھی ثلاثی بھی اور رباعی بھی معرب بھی اور مبنی بھی اور منصرف بھی اور غیر منصرف بھی وغیرہ وغیرہ جان سکتا ہے اور الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد کے آئینہ میں۔ کلمہ کے تمام متضاد اور مختلف اقسام کو ایک ہی وقت میں مفصل طور پر دیکھ سکتا ہے۔

تو کیا وہ علیم وخبیر انکشاف بسیط اور علم محیط کے آئینہ میں تمام کائنات کو مختلف اور متضاد احوال کے ساتھ بیک وقت مفصل طور پر نہیں دیکھ سکتا۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔

تقدم اور تاخر جو کچھ بھی ہے وہ معلومات میں ہے اس کی صفتِ علم بے چون وچگوں ہے اس میں تقدم وتاخر کے احکام جاری نہیں ہوتے وہ ایک انکشافِ بسیط ہے جو تمام مخلوقات سے متعلق ہے اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے۔

بندہ سے اگر یہ سوال کیا جائے کہ تو اپنی صفت علم کے تعلق کی کیفیت بیان کر کہ تیری صفتِ علم کس طرح معلومات کے ساتھ متعلق ہوتی ہے تو کبھی بھی اس کے بیان پر قادر نہ ہوگا۔ پس جب بندہ کی صفتِ علم کا تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے تو خداوند ذوالجلال کی صفتِ علم کا تعلق اگر مجہول الکیفیت ہو تو کیا استبعاد ہے۔

عقیدۂ ششم

حق جل شانہ قادر مختار ہے۔ ایجاب یعنی اضطرار کی آمیزش سے منزہ اور مبرا ہے۔

امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ فلاسفہ یونان نے اپنی سفاہت اور بے خردی سے ایجاب اور اضطرار کو کمال سمجھ کر حق تعالیٰ سے اختیار کی نفی کی ہے اور ان بے وقوفوں نے واجب الوجود کو معطل اور بیکار سمجھا ہے اور حق تعالیٰ سے سوائے ایک مصنوع (یعنی عقل اول) کے صدور کے قائل نہیں اور تمام حوادث کو عقل فعال کی طرف منسوب کرتے ہیں جن کا وجود سوائے ان کے وہم کے کہیں ثابت نہیں اور ان کے گمان میں ان کو حق تعالیٰ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پس ان نادانوں کو چاہئے تھا کہ اضطراب اور اضطرار کے وقت عقل فعال سے التجا کرتے اور اسی سے اپنی حاجتیں مانگتے حق تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرتے کیونکہ اول تو

حوادث عالم کا تعلق حق تعالیٰ سے نہیں دوم یہ کہ حق تعالیٰ ان کے گمان میں فاعل مختار نہیں بلکہ فاعل بالایجاب والاضطرار ہے۔ بلیات کے دفع کرنے کا اس کو اختیار نہیں پس اس کی طرف رجوع کرنے سے کیا فائدہ۔

اس فرقہ ضالہ (فلاسفہ) کی دو چیزیں طرۂ امتیاز ہیں ایک احکام منزلہ اور اخبار مرسلہ کی تکذیب اور استہزاء اور عداوت دوسرے اپنے مطالب اور واہیات مقاصد کے ثابت کرنے میں جو تلبیس اور تلمیع اور خبط اس گروہ کو لاحق ہوا ہے وہ کسی اور گروہ کو لاحق نہیں ہوا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی دعوت جب افلاطون کو پہنچی جو ان بدبختوں کا رئیس تھا تو جواب میں یہ کہا:

نحن قوم مهتدون لا حاجة بنا الى من يهدينا.

ہم ہدایت یافتہ اور تعلیم یافتہ قوم ہیں ہمیں کسی ہادی اور معلم کی حاجت نہیں۔

اس بیوقوف کو چاہئے تھا کہ اس شخص کو جا کر دیکھتا کہ جو مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بینا اور تندرست کرتا ہے جو ان کی طور حکمت سے کہیں بالا اور برتر ہے افلاطون کو چاہئے تھا کہ خود حاضر ہو کر عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کا مشاہدہ کرتا اور پھر جواب دیتا۔ بے تحقیق اور بے دیکھے ایسا جواب دینا کبر و نخوت کی دلیل ہے ؎

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل ان ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است[1]

عقیدۂ ہفتم

جس طرح تمام ممکنات کیا جواہر اور کیا اعراض اور کیا اجسام اور کیا عقول اور کیا آسمان اور زمین اور کیا افلاک اور کواکب اور کیا عناصر اسی قادر مختار کی ایجاد سے عدم کی پوشیدگی سے وجود میں آئی ہیں اسی طرح ان تمام ممکنات کی خواص اور آثار اور ان صفات اور کیفیات بھی اسی قادر مختار کی ایجاد سے ہیں۔ اگر کوئی بسیط ہے تو اسی کی ایجاد سے ہے اور اگر

(۱) جب اکثر فلسفہ حماقت پر مبنی ہے تو تمام فلسفہ حماقت ہے کیونکہ اکثر کا حکم کل پر لگتا ہے۔

مرکب ہے تو وہ بھی اسی کی ایجاد سے ہے اگر کوئی عنصر گرم ہے تو اسی کی ایجاد سے گرم ہے اور اگر کوئی عنصر بارد ہے تو اسی کی ایجاد سے بارد ہے جس طرح آگ اور پانی کا وجود اسی کا عطیہ ہے اسی طرح آگ کی حرارت اور پانی کی برودت بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے کوئی شے خود بخود گرم اور سرد نہیں۔ غرض یہ کہ ہر ممکن کی ذات اور صفات اور اس کے تمام خواص اور کیفیات اسی کی ایجاد سے موجود ہوئے ہیں حق جل شانہ جس طرح ممکنات کے وجود کا مالک ہے کہ جب چاہے ان کے وجود کو سلب کر لے اسی طرح وہ ممکنات کی خاصیتوں اور کیفیتوں کا بھی مالک ہے جب چاہے جس ممکن کی خاصیت کو سلب کر لے مثلاً اپنے کسی برگزیدہ بندہ کے لئے آگ کی حرارت سلب کر کے اس کو برد وسلام بنا دے اس لئے کہ جس طرح آگ کا وجود اس کی ایجاد سے ہے اسی طرح آگ کی حرارت بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے وجود کی طرح اس کی صفت اور خاصیت کو بھی سلب کر لینے کا اس کو اختیار ہے۔

ہر چیز کی خاصیت اور اس کی خاص استعداد سب کچھ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فقط آگ کو پیدا کر دیا اور جلانے کی خاصیت آگ میں خود بخود آ گئی بلکہ وہ بھی اس کے پیدا کرنے سے آئی۔ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فقط انسان کو پیدا کر دیا اور ادراک اور شعور اس میں خود بخود آ گیا۔ بلکہ انسان کی طرح انسان کا ادراک اور شعور بھی اللہ کا ہی کا پیدا کیا ہوا ہے وجود کی طرح انسان کا شعور اور ادراک بھی اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے جتنا وہ چاہتا ہے فقط اتنا ہی اس کو ادراک ہوتا ہے نہ کم اور نہ زائد اسی طرح آگ کی حرارت بھی اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے اللہ تعالیٰ کا اگر ارادہ ہوگا تو آگ جلائے گی ورنہ نہیں جس طرح تمام ممکنات اور ان کی تمام صفات اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی محتاج ہیں اسی طرح اپنے بقا میں بھی اسی کی محتاج ہیں ذات ہو یا صفت حقیقت ہو یا خاصیت ان سب کا وجود اور بقاء اسی کی مشیت اور ارادہ کے تابع ہے جب تک چاہے گا اس وقت تک وہ ذات یا وہ صفت اور خاصیت باقی رہے گی اور جب چاہے گا تو اس ذات یا اس صفت اور خاصیت کو سلب کر لے گا اسی نے اسباب اور مسببات کو پیدا کیا اور اسی نے اسباب میں سببیت پیدا کی سبب خود بخود سبب نہیں بن گیا۔

جس طرح عقلمند جماد محض سے کوئی فعل صادر ہوتا دیکھ کر اس کے فاعل اور محرک کا سراغ لگا لیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل جماد کے مناسب نہیں بلکہ اس کے سوا کسی اور فاعل کا فعل ہے جس کی ایجاد اور تاثیر سے یہ فعل اس جماد سے ظاہر ہو رہا ہے اور یہ جماد اس فاعل حقیقی کا روپوش ہے اسی طرح اہل فہم اور اہل دانش اسباب و وسائل کے آثار کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ یہ فعل اور اثر ان اسباب و وسائل کا نہیں بلکہ کسی اور فاعل حقیقی کا فعل ہے اور یہ اسباب و وسائل اس فاعل حقیقی کے فعل کے روپوش ہیں اور اس کے وجود پنہانی کی دلیل ہیں یہ نادان اپنی کمال نادانی اور بے وقوفی کے باعث اس جماد کو فاعلِ حقیقی سمجھتا ہے اور اصل فاعل حقیقی کا کافر اور منکر بنتا ہے۔

عقیدۂ ہشتم

حق تعالیٰ شانہ خالق خیر بھی ہیں اور خالقِ شر بھی، وہ خیر و شر دونوں ہی کا پیدا کرنے والا ہے لیکن خیر سے راضی اور شر سے راضی نہیں نور اور ظلمت، طہارت اور نجاست، ملائکہ (فرشتے) اور شیاطین نیک اور بد سب اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں مگر نیکوں سے راضی ہے اور بدوں سے ناراض۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ بڑا دقیق فرق ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اہل سنت والجماعت کو ہدایت فرمائی۔ باقی دوسرے فرقے اس فرق کی طرف ہدایت نہ پانے کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔

عقیدۂ نہم

حق تعالیٰ شانہ جس طرح بندوں کی ذوات کا خالق ہے اسی طرح ان کے اخلاق اور عادات اور صفات اور افعال کا بھی خالق ہے۔ وہ افعال خواہ خیر ہوں یا شر سب اسی کی تقدیر اور علم اور ارادہ اور مشیت سے ہیں۔ لیکن خیر سے وہ راضی ہے اور شر سے راضی نہیں لیکن یاد رکھنا چاہئے اور خود یاد رکھنا چاہئے کہ فقط شر کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا خلاف ادب ہے۔ حق تعالیٰ کو خالق شر کہنا ہرگز مناسب نہیں ہے، بلکہ خالق خیر و شر کہنا مناسب ہے۔ حق تعالیٰ کو خالق کل شئی کہنا چاہئے اور خالق القاذورات اور خالق الخنازیر (نجاستوں

اور خنزیروں کو پیدا کرنے والا) ہرگز ہرگز نہ کہنا چاہئے۔ حق تعالیٰ کی پاک جناب میں ایسا لفظ کہنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح بندے حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں اسی طرح بندوں کے افعال بھی حق تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ البتہ بندے کے بعض افعال اختیاری ہیں جو خداداد ارادہ اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں اور بعض افعال اضطراری ہیں جن میں بندے کے ارادہ اور اختیار اور خواہش اور رغبت کو دخل نہیں ہوتا جیسے رعشہ والے کا ہاتھ خود بخود حرکت کرتا ہے اس حرکت میں متحرک کے تصور اور شوق اور رغبت اور خواہش کو کوئی دخل نہیں اس لئے اس حرکت کو فعل اضطراری کہیں گے اور جو فعل تصور اور طبعی شوق و رغبت یا طبعی نفرت اور کراہت کے بعد صادر ہو اس کو فعل اختیاری کہتے ہیں جیسے محبت میں مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھانا اور غصہ کی حالت میں کسی کے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھانا، یہ اختیاری فعل ہے۔

جس طرح بندہ خدا کی دی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور خدا کے دیئے ہوئے کانوں سے سنتا ہے اسی طرح خدا کی دی ہوئی قدرت اور اختیار سے کچھ کام کرتا ہے یہ تمام افعال اگرچہ خدا تعالیٰ کے مخلوق ہیں اور اسی کی قدرت اور ارادہ سے سرزد ہوتے ہیں لیکن چونکہ یہ افعال اختیاری ہیں اس لئے بندہ اپنے اختیار سے جو نیک کام کرے گا اس پر اجر اور ثواب پائے گا، اور جو برا کام کرے گا اس پر اس کو سزا ملے گی۔ معتزلہ اور قدریہ خود بندہ کو اپنے افعال کا خالق اور موجد اور فاعل مستقل بتاتے ہیں۔ اور جبریہ کہتے ہیں کہ بندہ میں نہ قدرت ہے اور نہ قصد اور اختیار ہے بندہ کی حرکات اور سکنات شجر اور حجر کی حرکات و سکنات کی طرح ہیں ان کا گمان یہ ہے کہ بندوں کو خیر پر ثواب تو ملے گا مگر برے افعال پر کوئی مواخذہ اور عذاب نہ ہوگا اور کافر اور عاصی سب معذور ہیں ان سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں قدریہ اور معتزلہ کی بات تو اس لئے غلط ہے کہ بندہ میں خالق بننے کی صلاحیت ہی نہیں ممکن اور حادث کا خالق اور فاعل مستقل بننا ناممکن اور محال ہے نیز خدائے وحدہ لاشریک لہ کی ذات اس سے منزہ ہے کہ اس کی خالقیت میں کوئی اس کا شریک ہو اور وہ اکیلا پیدا کرنے سے عاجز ہو۔ کما قال تعالیٰ:

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ.[1]

انسان کی مجبوری کا تو یہ عالم ہے کہ میم کا تلفظ حلق سے اور عین کا تلفظ شفتین سے نہیں کرسکتا تو پھر اس عجز ظاہر کے ساتھ اپنے افعال کے خالق ہونے کا کیسے مدعی بن گیا اور جبریہ کی بات اس لئے غلط ہے کہ بداہت عقل اور بداہت حس کے خلاف ہے اس لئے کہ تمام عقلاء اس بات پر متفق ہیں کہ افعال کی دو قسمیں ہیں، اختیاری اور غیر اختیاری اور اس پر بھی متفق ہیں کہ جو اپنے اختیار سے اچھا کام کرے گا اس کو انعام ملے گا اور جو اپنے اختیار سے برا کام کرے گا اس کو سزا ملے گی۔ فرقہ جبریہ اس تقسیم کا منکر ہے اس کے نزدیک تمام افعال اضطراری ہیں کوئی فعل اختیاری نہیں۔

حکومت کے وفاداروں اور جان بازوں اور سرفروشوں کو انعام ملے گا اور حکومت کے باغیوں کو پھانسی یا حبس دوام کی سزا ملے گی اور چوروں اور بدکارلوگوں کو چند روزہ جیل خانہ بھگتنا پڑے گا اگر افعال اختیاریہ پر دنیا میں کوئی جزاء وسزا مرتب نہ ہوا کرے تو کارخانہ عالم درہم و برہم ہوجائے۔ پس اگر دنیا کی مجازی حکومت کی اطاعت اور معصیت پر جزاء وسزا کا ترتب عین حکمت اور عین معدلت ہے تو احکم الحاکمین کی اطاعت اور معصیت پر جزاء اور سزاء کے ترتب میں کیوں اشکال ہے۔ اگر کوئی چور چوری کر کے پکڑا جائے اور کہنے لگے کہ میں مجبور محض ہوں مجھ کو کیوں سزا دیتے ہیں تو اس عذر لنگ کا جواب یہ ملے گا کہ تم جھوٹ بولتے ہو کہ میں مجبور محض تھا اگر مجبور ہوتے تو گھر سے باہر ہی نہ نکلتے۔ اندھیری رات میں نکل کر کسی کے مکان کا قفل توڑنا یا دروازہ اکھاڑنا یا نقب لگانا کیا یہ کسی مجبور اور عاجز کا کام ہے۔ بندہ اگر مجازی حکومت کے احکام کا مکلف ہوسکتا ہے تو حاکم حقیقی کے احکام شریعت کا

---

(۱) یا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک مانے ہوئے ہیں جنہوں نے کوئی چیز اسی طرح پیدا کی ہو جیسے اللہ پیدا کرتا ہے اور اس وجہ سے ان کو دونوں کی تخلیق ایک جیسی معلوم ہو رہی ہو؟ (اگر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہے تو اس سے) کہہ دو کہ: صرف اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ تنہا ہی ایسا ہے کہ اس کا اقتدار سب سے حاوی ہے۔ (رعد ۱۶)

مکلّف کیوں نہیں ہوسکتا۔ اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں راہیں تو غلط ہیں یعنی اختیار مستقل اور جبر محض کا دعویٰ عقل اور نقل کے خلاف ہے۔ صراط مستقیم وہ راستہ ہے کہ جو اس افراط اور تفریط کے درمیان ہے وہ یہ کہ بندہ نہ تو مجبور محض ہے اور نہ فاعل مستقل ہے بلکہ جبر اور قدر کے بین بین ہے اور عقلاً بھی یہی حق ہے اس لئے کہ جبریہ کا قول کہ بندہ مجبور محض ہے اور قصد اور اختیار سے عاری ہے بداہت اور مشاہدہ کے خلاف ہے کون نہیں جانتا کہ انسان میں اختیار اور ارادہ کی صفت موجود ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ میری حرکات وسکنات پتھر کی حرکات وسکنات کی مانند نہیں۔ پتھر کی حرکت بلا اختیار ہے اور میری آمد ورفت اختیار سے ہے جب یہ ثابت ہوگیا کہ بندہ میں ارادہ اور اختیار ہے تو اب اس میں دو احتمال ہیں کہ بندہ کا ارادہ اور اختیار بالکل مستقل ہے اور اس درجہ مستقل ہے کہ انسان کے کفر اور ایمان میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کا کوئی دخل نہیں یہ مذہب قدریہ کا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ بندہ میں ارادہ اور اختیار تو ہے مگر وہ اختیار مستقل نہیں بلکہ اللہ کے ارادہ اور اس کے اختیار اور اس کی مشیت کے ماتحت ہے یہ مذہب اہل سنت کا ہے اور عقلاً ونقلاً یہی حق ہے اس لئے کہ بندہ میں ایسے اختیار مستقل کا ہونا محال ہے کہ جو خدا تعالیٰ کے ماتحت نہ ہو۔ جب بندہ کا وجود اور اس کے تمام اخلاق اور صفات ہی مستقل نہیں بلکہ سب اللہ کی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہیں تو بندہ کی صفت قدرت واختیار کہاں سے مستقل ہوسکتی ہے۔ قال تعالیٰ:

وَمَا تَشَآؤُنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ.

یعنی تم کسی چیز کا ارادہ اور خواہش نہیں کرسکتے جب تک اللہ رب العالمین کی مشیت نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ بندہ میں مشیت اور ارادہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے ماتحت ہے، اسی وجہ سے اہل سنت کہتے ہیں کہ انسان جبر اور اختیار کے درمیان میں ہے۔ من وجہ مختار ہے، اس لئے کہ افعال کو اختیار اور ارادہ سے کرتا ہے۔ مجبور محض نہیں مگر اس اختیار میں مختار نہیں۔ جس طرح انسان اپنے اختیار سے سنتا اور دیکھتا ہے مگر سمع اور بصر اس کی اختیاری نہیں اسی طرح انسان اپنے افعال میں مختار ہے مگر اس اختیار میں مختار نہیں بلکہ مجبور ہے بندہ اس خداداد اختیار سے جو فعل کرتا ہے اس کو اصطلاح شریعت میں کسب کہتے ہیں۔

افعال کا خالق اور موجد حق تعالیٰ ہے اور بندہ اپنے افعال کا کاسب اور فاعل اور عامل ہے اور جزاء وسزاء کے مرتب ہونے کے لئے یہی کسب کافی ہے اور ضعیف کے لئے اختیار ضعیف ہی مناسب ہے اختیار مستقل اور کامل تو خالق کے مناسب ہے مخلوق کے مناسب نہیں۔ قدریہ اور اہل سنت میں بس یہی فرق ہے کہ قدریہ بندہ کے لئے اختیار مستقل ثابت کرتے ہیں اور ہم اہل سنت غیر مستقل اختیار ثابت کرتے ہیں اور جبر محض اور اختیار مستقل کے درمیان امر متوسط اور امر معتدل یہی اختیار غیر مستقل ہے جس کو اصطلاح شریعت میں کسب اور عمل کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے ہر جگہ خلق کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور کسب اور عمل کو بندہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَ مَاتَعْمَلُوْنَ (۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خلق کو اپنی طرف اور عمل کو بندوں کی طرف منسوب فرمایا اس میں شک نہیں کہ بندہ کا ہر فعل اللہ کے علم اور ارادہ سے صادر ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بندہ کو بھی کچھ اختیار اور قدرت کی صفت عطا کی ہے جس سے بندہ اپنے ارادہ اور اختیار سے فعل کر سکے جس طرح دنیا میں بندہ کے اختیاری افعال پر جزاء وسزاء کا ملنا حق ہے اسی طرح آخرت میں جزاء وسزا کا ملنا بھی حق ہے۔

عقیدۂ دہم

قضاء وقدر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے اور ایمان بالقدر کے معنی یہ ہیں کہ اس بات کا یقین اور اعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے ہی خیر اور شر کو اور ایمان اور کفر کو اور ہدایت اور ضلالت کو اور طاعت اور معصیت کو مقدر فرما دیا ہے اور اس کو لکھ دیا ہے۔ اب عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اس کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کو پہلے ہی سے علی وجہ الکمال والتمام اس کا علم تھا۔ تقدیر کے معنی لغت میں اندازہ کرنے کے ہیں جو کام ارادہ اور اختیار سے کیا جاتا ہے اس کو سمجھ لیتے ہیں

(۱) اللہ نے تم کو اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو پیدا کیا۔

اور اس کا ایک اندازہ کر لیتے ہیں مثلاً اگر مکان بنانے کا ارادہ ہوتا ہے تو پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتے ہیں تا کہ مکان کی عمارت اس نقشہ کے مطابق بنائی جائے۔

اسی طرح سمجھو کہ حق جل شانہ نے جب اس کارخانہ دنیا کے بنانے کا ارادہ فرمایا تو بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس عالم کا نقشہ بنالیا اور ابتدا سے انتہا تک ہر چیز کا اندازہ لگالیا پس اس اندازۂ خداوندی اور نقشہ پنہانی کا نام تقدیر ہے اور لغت میں بھی تقدیر کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اندازہ کرلیا کہ فلاں وقت فلاں مکان میں فلاں شیء اس طرح ہوگی اور فلاں شخص پیدا ہونے کے بعد فلاں وقت میں ایمان لائے گا اور فلاں شخص پیدا ہونے کے بعد فلاں وقت کفر کرے گا وغیرہ وغیرہ۔ کما قال تعالیٰ:

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا.(۱)

بس اللہ تعالیٰ کا پیدائش عالم سے پہلے اپنے علم ازلی میں کائنات کا اندازہ بنانے کا نام تقدیر ہے اور پھر حق تعالیٰ کا اس کارخانہ عالم کو اپنے نقشہ اور اندازہ کے مطابق بنانے اور پیدا کرنے کا نام قضاء ہے اور لغت میں قضاء کے معنی پیدا کرنے کے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ.(۲)

پس اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قضاء وقدر حق ہے اور کوئی ذرہ اس کی تقدیر سے باہر نہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کی قضاء وقدر کو کوئی ٹال سکے یا اس کو آگے یا پیچھے کر سکے وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوسکتی۔ البتہ بندوں سے ان کے افعال پر باز پرس ہوگی اور طاعت اور معصیت پر جزاء اور سزاء ملے گی۔ بہر حال اللہ کی قضاء وقدر حق ہے اس میں غلطی اور خطا کا کوئی امکان نہیں۔ تعمیر مکان سے پہلے بندہ اپنے علم اور ارادہ کے مطابق نقشہ بناتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی پیدائش عالم سے پہلے اپنے علم ازلی میں اس عالم کا نقشہ بنایا لیکن خدا کے اور

---

(۱) البتہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ (طلاق ۳)
(۲) چنانچہ اس نے ان کے سات آسمان بنادیئے۔ (حم سجدہ ۱۲)

بندہ کے علم میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ بندہ بسا اوقات کسی مانع کے وجہ سے اپنے علم اور اندازہ اور اپنے نقشہ کے مطابق مکان بنانے پر قادر نہیں ہوتا اس لئے بندہ کا علم اور اندازہ بسا اوقات غلط ہو جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ جس کام کا ارادہ فرمائیں اسے کوئی روک نہیں سکتا اس لئے کہ اللہ کا علم اور اس کی تقدیر غلط نہیں ہوسکتی ہمیشہ واقع کے مطابق ہوگی اور اس کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا۔ نیز بندہ کا علم نہایت ناقص ہے بہت سی چیزوں کا علم بندہ کو نقشہ بنانے کے بعد ہوتا ہے اس لئے بندہ کے علم اور اس کے نقشہ میں فرق ہو جاتا ہے اور باری تعالیٰ کا علم چونکہ محیط ہے اس لئے اس کے علم اور نقشہ میں فرق نہیں ہوسکتا۔

پس اللہ کی تقدیر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اپنے افعال اور اعمال کے عذر میں تقدیر کو پیش کرنا درست نہیں مثلاً کوئی شخص چوری کرے یا زنا کرے اور عذر یہ کرے کہ میری تقدیر میں یوں ہی لکھا ہوا تھا تو یہ عذر اس کا صحیح نہیں اور مواخذہ سے بچانے کے لئے کافی نہیں۔ بے شک اللہ نے ہر چیز کو مقدر کیا ہے مگر تجھے تقدیر کا کوئی علم نہیں۔ جس وقت تو نے چوری کا یا زنا کا ارتکاب کیا تو خواہش نفسانی کے بنا پر کیا تجھ کو اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ تیری تقدیر میں کیا لکھا ہوا ہے۔ یہ سب بہانہ ہے تجھے تقدیر کا کوئی علم نہیں یہ کام تو نے مجبور ہو کر نہیں کیا بلکہ بصد رضاء و رغبت اور بصد مشقت و محنت اپنی پوری قدرت اور استطاعت خرچ کر کے کیا لہٰذا کسی کا یہ کہنا کہ بندہ تو مجبور ہے تقدیر کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا بالکل دھوکہ اور فریب ہے، بندہ اللہ کے علم اور اس کی تقدیر سے مجبور نہیں ہو جاتا بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتا ہے اگرچہ وہ ارادہ اور اختیار بھی خدا ہی کی طرف سے بندہ کو ملا ہے لہٰذا بندہ اس فعل میں مختار ہے مجبور نہیں۔ رہا یہ امر کہ بندہ سے خلاف تقدیر کسی فعل کا سرزد ہونا محال اور ناممکن کیوں ہے سو اس کی یہ وجہ نہیں کہ بندہ مجبور ہے اور قدرت اور اختیار سے عاری ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا علم اور اس کی خبر اور اس کی تقدیر میں غلطی کا امکان نہیں اس لئے اس کے خلاف ہونا محال اور ناممکن ہے تقدیر تو اللہ کی ایک حکایت اور خبر ہے اور علم معلوم کے تابع ہوتا ہے اور حکایت اور خبر محکی عنہ اور واقع کے مطابق ہوتی ہے۔ معلوم، علم کے تابع نہیں ہوتا اور واقعہ خبر اور حکایت کے تابع نہیں ہوتا علم مجبوری کا سبب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو جس طرح ہمارے افعال و اعمال کا علم ہے اسی طرح حق

تعالیٰ کو اپنے افعال کا بھی علم ہے مگر خدا تعالیٰ اس علم کی وجہ سے کسی فعل میں مجبور نہیں اس طرح سمجھو کہ بندہ اللہ کے علم اور تقدیر سے مجبور نہیں ہو جاتا اللہ کا علم اپنی جگہ پر ہے اور بندہ اپنی جگہ پر ہے۔ دنیا میں بندہ کو کوئی مجبور نہیں سمجھتا بندہ اگر مجبور ہوتا تو حکومت مجرموں کے لئے جیل خانہ نہ بناتی۔ خدا تعالیٰ نے بندہ کو قدرت اور اختیار دیا ہے جس سے وہ اپنی دین اور دنیا کے کام کرتا ہے لیکن بندہ اپنے اس اختیار میں مستقل نہیں جیسے بندہ اپنے وجود میں مستقل نہیں اسی طرح بندہ اپنے اختیار میں مستقل نہیں جس طرح خدا کے عطا کردہ وجود سے موجود کہلاتا ہے اور اس کی عطا کردہ آنکھ اور کان سے بینا اور شنوا کہلاتا ہے اسی طرح خدا داد قدرت اور اختیار سے بندہ قادر اور مختار کہلاتا ہے پس جس طرح بندہ کی سمع اور بصر اختیاری نہیں لیکن اس کا دیکھنا اور سننا اختیاری ہے اسی طرح بندہ کا اختیار اختیاری نہیں لیکن بندہ کا فعل اختیاری ہے اس لئے اہل حق یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنی صفت اختیار میں مختار نہیں مگر اپنے افعال واعمال میں مختار ہے۔

حق تعالیٰ کو بندہ کے افعال اور اس کے حرکات وسکنات کا خالق ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حرکات بندہ کی قدرت اور اختیار سے خارج ہو جائیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قدرت اور مقدور دونوں ہی کو پیدا کیا اور اختیار اور ذی اختیار دونوں کو بنایا، قدرت بند کی ایک صفت ہے اور خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے اور بندہ اور بندہ کی صفتِ قدرت سب خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہے اور بندہ جو خدا کی دی ہوئی صفت قدرت سے کوئی حرکت کرتا ہے تو وہ حرکت تمام عقلاء کے نزدیک اختیاری ہے لرزۂ اضطراری نہیں غرض یہ کہ بندہ کی ذات اور اس کی کسی صفت اور کسی فعل کے ساتھ خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادہ اور مشیت کے متعلق ہو جانے سے بندہ مجبور نہیں ہو جاتا۔

آخر خدا تعالیٰ کی قدرت اور مشیت بندہ کے صفت وجود سے بھی متعلق ہے مگر اس تعلق کی وجہ سے بندہ معدوم نہیں ہو گیا اسی طرح اللہ کی قدرت اور مشیت بندہ کی قدرت اور اختیار کے ساتھ متعلق ہو جانے سے بندہ مجبور نہیں ہو جائے گا۔ بندہ بہر حال بندہ ہے اور خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے اور مخلوق کی ذات اور صفات کا خالق کے دائرہ قدرت ومشیت سے باہر نکلنا عقلاً محال اور ناممکن ہے جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بندہ فاعل مستقل ہے اور خود

اپنے افعال کا خالق ہے اور معاذ اللہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کو بندہ کے افعال سے تعلق نہیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایک مخلوق اپنے افعال و اعمال میں اپنے خالق کے دائرہ قدرت و مشیت سے باہر نکل سکتی ہے تمام امت بالاتفاق یہ کہتی ہے:

ماشاء اللہ کان و مالم یشآء لم یکن.

کہ جو اللہ نے چاہا وہ تو ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہیں ہوا۔

معتزلہ بندہ کے افعال کو خدا کی مشیت سے مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ملحد اور بے دین لوگ احکام شریعت کو قضاء و قدر کے معارض سمجھتے ہیں اور شریعت کے احکام سے سبکدوش ہونے کے لئے قضاء و قدر سے استدلال کرتے ہیں اور طرح طرح کے شکوک مسلمانوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں اس لئے چند حروف طالبانِ حق کی تشفی کے لئے لکھتے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ حق جل شانہ نے یہ کارخانہ ایک طرح پر نہیں پیدا فرمایا قسم قسم کی چیزیں پیدا فرمائیں۔ صورت اور شکل بھی ہر ایک کی علیحدہ بنائی۔ ہر ایک میں استعداد بھی جداگانہ رکھی ایک ہی درخت کو لے لیجئے جس میں ہزاروں قسم کی لکڑی موجود ہے بعض ان میں سے جلانے کے قابل ہے اور بعض تخت بنانے کے قابل ہے اور کوئی چھت میں لگانے کے قابل اور کوئی بیت الخلا کے قدمچوں میں لگانے کے قابل ہے۔ ایک ہی کان سے لوہے کے نکلے ہوئے دو ٹکڑے ہوتے ہیں۔ ایک سے آئینہ شاہی بناتے ہیں اور ایک سے چوپایوں کا نعل بناتے ہیں۔ یہ استعدادوں کا تفاوت اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔ تمام عالم کے عقلاء اس پر متفق ہیں کہ کائنات کی استعدادیں اور صفتیں اور کیفیتیں برابر اور یکساں نہیں اور اگر سب یکساں ہوتیں تو یہ رنگ برنگ کا کارخانہ تو نہ چلتا کوئی اور عالم ہوتا ۔

ہر یکے را بہرکارے ساختند میل او را در دلش انداختند (۱)

اب رہا یہ امر کہ یہ استعدادوں میں اختلاف اور تفاوت کیوں ہے تو یہ عقدہ آج تک تو کسی سے حل نہیں ہوا اور نہ حل ہوگا ۔

---

(۱) ہر ایک کو (اللہ نے) کسی کام کے واسطے پیدا کیا اس کی خواہش کو اس کے دل میں ڈالا۔

کس نہ کشود و نہ کشاید بحکمت ایں معما را[1]

مسلمان یہ کہتا ہے کہ یہ سب اس علیم وحکیم کی حکمتیں ہیں اور دہری (بے دین) یہ کہتا ہے کہ یہ استعدادوں کا تفاوت اندھے اور بہرے مادہ اور اس کی حرکتوں کا اقتضا ہے (یہ محض دعوی ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اور اگر ہے تو لائے اور دکھائے)

پس جس طرح حق تعالیٰ نے شجر اور حجر کو اپنی قدرت اور حکمت سے ایک قسم کا نہیں پیدا کیا بلکہ ہر ایک میں نئی استعداد پیدا کی کسی میں اچھی استعداد پیدا کی اور کسی میں بری استعداد۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں کو یکساں اور برابر نہیں پیدا کیا کہ سب کی استعداد برابر ہوتی۔ کسی کو عاقل اور ذکی بنایا اور کسی کو غبی اور بدعقل بنایا۔ کسی میں قبول حق کی استعداد پیدا کی اور کسی میں قبول شر کی استعداد رکھی۔ کسی کے دل کو آئینہ کی طرح صاف و شفاف بنادیا کہ آفتاب کے عکس کو قبول کر سکے اور کسی کے دل کو کالے توے کی طرح بنادیا اسی طرح کسی کے دل کو اپنے انوار وتجلیات کا شہ نشین بنالیا اور کسی کو اپنے مطبخ (جہنم) کے لئے ایندھن بنالیا۔ کما قال تعالیٰ:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيراً مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ۔ [2]

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است　　　دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد [3]

اور کسی کی مجال نہیں کہ خداوند ذوالجلال سے کوئی یہ سوال کر سکے کہ آپ نے اس چیز کو ایسا اور اس چیز کو ایسا کیوں پیدا کیا۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

شبہ یہ ہے کہ بندوں کے اقوال اور افعال کا دار و مدار استعدادوں پر ہے اور وہ سب ازلی ہیں اور آدمیوں کی طاقت سے باہر ہیں، لہٰذا کافروں پر الزام کیا اور کیا وہ فی الحقیقت مجبور اور بے اختیار ہیں۔

---

(۱) کسی نے بھی اس معمہ کی حکمت کو حل نہ کیا اور نہ حل کر سکے گا۔

(۲) اور ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ جہنم کے لئے پیدا کئے۔ (اعراف ۱۷۹)

(۳) عشق کے کارخانہ میں کفر لازمی ہے، کیونکہ اگر ابولہب نہ ہو تو دوزخ کس کو جلائے گی۔

ازالہ:

حق تعالیٰ شانہ نے مخلوقات کو دو قسم پر پیدا کیا ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے علم اور ارادہ کی صفت ہی نہیں رکھی جیسے درخت اور پتھر، اس نوع سے نہ کوئی خطاب ہے اور نہ اس پر کسی قسم کا عتاب ہے اور نہ مواخذہ ہے اور نہ ثواب اور عقاب ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں صفتیں (علم اور ارادہ) امانت رکھی ہیں جیسے جنات اور انسان ان کو اللہ تعالیٰ نے علم بھی دیا فہم بھی قدرت اور اختیار بھی دیا۔ اعضاء اور جوارح بھی دیئے جان بوجھ کر اپنے اختیار سے افعال کرتے ہیں اور ان افعال کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ یہ افعال ہم نے اپنے ہاتھوں اور پیروں سے کئے ہیں اور میں نے یہ کہا اور میں نے یہ کیا اور اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ افعال ہمارے ارادہ اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں اور دنیا میں جو کچھ ان افعال پر جزاء و سزا مرتب ہوتی ہے اس کو قبول کرتے ہیں لیکن جب اخروی جزاء و سزا کا ذکر آتا ہے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم مجبور ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں علم اور ارادہ اور اختیار کی جو صفت پیدا کی ہے وہ اسی لئے پیدا کی ہے کہ وہ احکام خداوندی کے مکلّف اور مخاطب بن سکیں اور اطاعت اور معصیت پر جزاء اور سزا مرتب ہو سکے اور جس طرح شاہانِ دنیا محض قابلیت پر کوئی انعام یا سزا نہیں دیتے اسی طرح حق تعالیٰ محض استعداد پر جزاء و سزا نہیں دیتے جب تک عمل خیر و شر ظہور میں نہ آجائے۔

محض شجاعت اور بہادری پر انعام نہیں ملتا جب تک کسی میدان میں بہادری نہ دکھلائے۔ اسی طرح محض استعداد پر ثواب اور عقاب نہیں ملتا جب تک کوئی طاعت اور معصیت ظہور میں نہ آئے۔

عقیدۂ یازدہم

حق تعالیٰ شانہ متکلم ہے یعنی ازل سے ابد تک اس کو صفت کلام حاصل ہے کبھی تکلم سے خالی نہیں رہا۔ ایک ہی وقت میں تمام مخلوق کی آوازوں اور دعاؤں کو سنتا ہے اور سب کا

جواب دیتا ہے اور ایک جانب دوسری جانب سے اس کو مشغول اور غافل نہیں کرتی جس طرح چاہتا ہے کلام کرتا ہے۔ توریت اور انجیل اور زبور اور فرقان اور تمام کتابیں اور صحیفے جو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے وہ سب اسی کے کلام کی تفصیل ہیں۔ حق تعالیٰ کا کلام ایک ہے اور بسیط ہے اور یہ تمام کتب منزلہ اور صحف مرسلہ اس کے کلام بسیط کے اوراق ہیں جو نزول میں مختلف الآثار ہیں۔

کلام ایک صفت کمال ہے اور گونگا ہونا عیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے تمام صفات کمال ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ تمام صفات نقص سے پاک اور منزہ ہے اور کلام چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے اس لئے وہ قدیم ہوگی حادث نہ ہوگی۔ کیونکہ قدیم کی صفت بھی قدیم ہوتی ہے۔ بعض اہل بدعت کا یہ قول ہے کہ خدا تعالیٰ اس معنی کر متکلم ہے کہ وہ خالق کلام ہے یعنی دوسرے میں کلام کو پیدا کر دیتا ہے اور یہ سراسر جہالت اور نادانی ہے اور لغت عرب سے بے خبری ہے متحرک لغت میں اس کو کہتے ہیں جو خود حرکت کے ساتھ موصوف ہو، جو دوسرے میں حرکت پیدا کرے اس کو متحرک نہیں کہا جاتا اسی طرح خالق کلام کو متکلم نہیں کہا جاتا۔

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام میں کسی کو کلام نہیں۔ مطلقاً کلام کرنا تمام اہل اسلام کے نزدیک مسلم اور متفق علیہ ہے، البتہ اختلاف اس کی حقیقت اور کیفیت میں ہے کہ اللہ کا کلام کس طرح ہے اور کیونکر ہے۔ حضرات متکلمین کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام حروف اور اصوات سے مرکب نہیں، اللہ کا کلام اس کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس میں نہ حرف ہے اور نہ آواز ہے اور یہ حروف عربیہ اور نقوش کتابیہ اس کے کلام قدیم کی دلالات اور عبارات ہیں جن کے ذریعہ اس کا کلام قدیم پڑھا جاتا ہے اور سنا جاتا ہے اور جن حروف اور کلمات کے ذریعہ ہم کلام خداوندی کی تلاوت اور قرأت کرتے ہیں یہ حروف اس کے کلام قدیم کا لباس ہیں۔ اس کا عین نہیں اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ امر قدیم کسی حادث اور فانی ذات کی حادث اور فانی زبان اور فانی حلقوم کے ساتھ قائم ہو سکے یا کوئی امر قدیم کسی حادث اور فانی میں حلول کر سکے۔ حادث قدیم کا محل نہیں ہو سکتا البتہ ایک حادث چیز قدیم کیلئے آئینہ اور مظہر اور تجلی گاہ بن سکتی ہے آنکھ کی پتلی میں آسمان دکھلائی دے سکتا ہے مگر آنکھ کی پتلی آسمان کا محل اور ظرف نہیں ہو سکتی اس لئے تمام حضرات متکلمین اور

تمام اولیا و عارفین اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کا کلام جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس میں نہ حرف ہے اور نہ آواز ہے اور حضرات محدثین یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے کلام میں حروف بھی ہیں اور صوت بھی ہے مگر اللہ کے کلام کے حروف اور الفاظ اور اس کی صورت و آواز ہمارے الفاظ اور صوت کی طرح نہیں جس طرح ذات خداوندی بے چون و چگون ہے اسی طرح اس کا کلام بھی بے چون و چگون ہے۔ لیس کمثلہ شیء۔

حضرات متکلمین کہتے ہیں کہ جس طرح اللہ کی ذات بے چون و چگون ہے اسی طرح اس کی صفت کلام بھی بے چون و چگون ہے اس کو اس کے عالم امکان کے ساتھ کوئی مناسبت اور مشابہت نہیں اور گرفتاراں چونی و چندی کو اس بے چون حقیقت ازلیہ تک رسائی ممکن نہیں اس لئے خداوند کریم نے اپنی عنایت بے غایت سے زبان عربی کے لباس میں اپنی اس وصف ذاتی اور کمال ذاتی کو نازل فرما کر اس کو اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان واسطہ بنایا تاکہ اس کے ذریعہ سے بندے خدا سے اپنا رابطہ قائم کرسکیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اس بے چون حقیقت ازلیہ کو عرب کے حروف اور کلمات مستعملہ کے لباس اور صورت میں ظاہر فرمایا اور یہی وجہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ باوجود ان حروف مستعملہ سے مرکب ہونے کے حدِ اعجاز کو پہنچی ہوئی ہیں ان جیسے ایک جملہ کی ترکیب غیر خدا سے ممکن نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ نظم عربی جو اس کی خاص صفت کلام کا آئینہ اور مظہر ہے اس میں خداوند بے چون و چگون کی شان بے چونی و بے چگونی امانت اور ودیعت رکھی ہوئی ہے جہاں کسی کی رسائی ممکن نہیں اس لئے تمام جن و انس اس جیسے ایک جملہ کی ترکیب سے عاجز ہو گئے اور چونکہ یہ نظم عربی اس کے شان بے چونی و بے چگونی کی امانت گاہ ہے اس لئے شرعاً اس کا ادب اور احترام واجب ہوا اور بغیر وضو کے اس کو ہاتھ لگانا ناجائز ہوا اور شریعت کی طرف سے تلاوت کے آداب مقرر ہوئے لہٰذا اس نظم عربی کو اس کے بے چون و چگوں کلام کی ایک صوت اور لباس جانو اور یہ سمجھو کہ اس کا بے چون و چگون کلام اس پردہ میں مستور ہے اور یہ نظم عربی اس کے کلام قدیم کا عین نہیں بلکہ اس کا ایک لباس ہے جس طرح الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد ہیں لفظ معنی کے لئے لباس ہے اور معنی اس پردہ لفظ میں مستور ہیں مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ الفاظ عین معانی ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ حضرات اہل علم اتحاف شرح احیاء العلوم کی طرف

مراجعت اور اس ناچیز کا رسالہ ''الکلام الموثوق فی تحقیق ان القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' دیکھیں۔

عقیدۂ دوازدہم

قرآن مجید حق تعالیٰ کا کلام ہے اور قدیم اور غیر مخلوق ہے قرآن کریم کو حق تعالیٰ نے خود اپنا کلام کہا ہے اور اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے حتی یسمع کلام اللہ اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے کہ قرآن کلام خداوندی ہے اور صفت خداوندی ہے اور خدا تعالیٰ اپنی تمام صفات میں قدیم ہے۔ قرن اول میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے میں کسی کو خلاف نہ تھا اور عہد صحابہ کے بعد سلف بھی اس کے غیر مخلوق ہونے پر متفق رہے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ.

جب ہم کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے۔

پس جبکہ ہر چیز قول کن سے پیدا ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ کا یہ قول اور یہ کلام مخلوق نہیں ورنہ اس قول کے پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے قول کن کی ضرورت ہوگی اور دوسرے کے لئے تیسرے کی غرض یہ کہ غیر متناہی سلسلہ چلے گا پس ثابت ہوا کہ اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں قرآنا عربیاً غیر ذی عوج میں قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اذ مامن مخلوق الا فیه عوج کوئی مخلوق شی ایسی نہیں جس میں کجی نہ ہو اور قرآن کے متعلق حق تعالیٰ فرماتا ہے غیر ذی عوج اس میں کوئی کجی نہیں۔ ابن عباسؓ نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کے سامنے یارب القرآن کہتے سنا تو یہ فرمایا کہ یہ کلمہ زبان سے مت نکالو۔ ان کل مربوب مخلوق۔ کیونکہ ہر مربوب مخلوق ہوتا ہے اور قرآن غیر مخلوق ہے۔ نیز اگر قرآن مخلوق ہوتا تو اس کا مثل لانا بھی ممکن ہوتا یہ حافظ تورپشتیؒ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید حق تعالیٰ کا کلام ہے جس کو

اللہ تعالیٰ نے حرف اور آواز کا لباس دے کر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے اور بندوں کو اس کے ساتھ امر و نہی کا مخاطب بنایا ہے جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو کام اور زبان کے ذریعہ حرف اور آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اس طرح اپنے پوشیدہ مقاصد اور مطالب کو عرصہ ظہور میں لاتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ شانہ نے اپنے کلام نفسی کو بغیر کام و زبان کے وسیلہ کے محض اپنی قدرت کاملہ سے حروف اور آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں پر بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف اور آواز کے ضمن میں لا کر ظہور کے میدان میں جلوہ گر کیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی کلام نفسی اور کلام لفظی حقیقۃً حق تعالیٰ کا کلام ہیں اور دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق حقیقت کے طور پر ہے۔ جس طرح کہ ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی اور لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ قسم اول (نفسی) تو حقیقت ہے اور دوسری قسم (لفظی) مجاز ہے اس لئے کہ مجاز کی علامت ہی یہ ہے کہ اس کی نفی جائز ہو اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو کلامِ خدا نہ کہنا بلاشبہ کفر ہے۔ مکتوب (۶۷) از دفتر دوم جیسے قرآن کریم میں ہے کافر کہتے ہیں:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ

یہ قرآن بشر کا قول ہے یعنی اللہ کا کلام نہیں۔

نیز اگر قرآن مخلوق ہوتا تو اس کا مثل لانا ممکن ہوتا اور جب اس کا مثل لانا ناممکن ہوا تو معلوم ہوا کہ قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ قال تعالیٰ:

يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَه

اللہ کے کلام کو سنتے ہیں اور پھر اس میں تحریف کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کلام لفظی کی طرح کلام نفسی بھی حقیقۃً کلام ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ.

اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ اللہ ہمارے کہے ہوئے پر کیوں عذاب نہیں دیتا۔

اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِه.

آہستہ بات کہو یا آواز سے

وقال عمر يوم السقيفة زورت في نفسي مقالة

حضرت عمر نے سقیفہ بنی ساعدہ والے دن یہ فرمایا کہ میں نے اپنے دل میں کچھ کلام تیار کیا ہے۔

ان نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام لفظی اور کلام نفسی دونوں پر کلام کا اطلاق حقیقت ہے۔

جاننا چاہئے کہ کلام الٰہی کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے اول یہ کہ کلام اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بسیط ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس کے قدیم ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ کلام سے وہ کلماتِ الٰہیہ مراد لئے جاتے ہیں جن کا حق سبحانہ وتعالیٰ نے تکلم فرمایا قرآن کو اللہ کا کلام اسی معنی پر کہا جاتا ہے۔ یہی قرآن اللہ کا کلام ہے جو نبی کریم ﷺ پر اتارا گیا اور جس کو ہم اپنی زبانوں سے پڑھتے ہیں اور کانوں سے سنتے ہیں اور ہمارے سینوں میں محفوظ ہے اور ہمارے مصاحف میں لکھا ہوا ہے یہ قدیم اور غیر مخلوق ہے مگر قرآن کی قرأت اور اس کی سماعت اور اس کی کتابت حادث اور مخلوق ہے اس لئے کہ قرأت اور سماعت اور کتابت یہ بندے کے افعال ہیں اور بندے کے افعال حادث اور مخلوق ہیں۔ امام بخاریؒ اور دیگر علماء محققین کا یہی مسلک ہے۔

امام ذھلیؒ کا مسلک یہ تھا کہ جو شخص یہ کہے کہ لفظی بالقرآن حادث یعنی قرآن کا تلفظ اور اس کی سماعت حادث ہے تو وہ شخص مبتدع ہے جو لوگ لفظی بالقرآن حادث کہنے کو بدعت کہتے تھے ان کو اصطلاح علماء میں فرقہ لفظیہ کہا جاتا ہے۔

یہی مسئلہ امام بخاریؒ اور امام ذھلیؒ کے درمیان میں تکدر اور تنافر کا باعث بنا حقیقت تو وہی ہے کہ جو امام بخاری فرماتے ہیں کہ قرآن کریم قدیم ہے مگر قرآن کی قرأت اور اس کی سماعت حادث اور مخلوق ہے اس لئے کہ قرأت اور سماعت بندہ کا فعل ہیں لیکن امام ذھلیؒ لفظی بالقرآن حادث کہنے کو اس لئے ناپسند فرماتے تھے کہ ان الفاظ سے کسی کو ملفوظ اور مقرو کے حادث اور مخلوق ہونے کا شبہ نہ ہو جائے، اس احتیاط کی بنا پر اس لفظ کے استعمال سے منع فرماتے اور چونکہ اس قسم کی تعبیر عہد صحابہ اور تابعین میں نہ تھی اس لئے اس کو بدعت فرماتے اس قسم کا اطلاق اگر چہ بدعت شرعیہ کی حدود سے باہر ہے لیکن ذھلیؒ جیسے امام عالی مقام کی بارگاہ میں اتنا تغیر بھی بدعت سمجھا گیا۔

امام بخاریؒ کا مقصد یہ تھا کہ صفت خداوندی اور فعل عبد کا فرق واضح ہو جائے اور تعبیر ایسی صاف ہو جائے کہ کوئی قصور فہم کی وجہ سے حادث کو قدیم اور قدیم کو حادث نہ سمجھ جائے
وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ.

عقیدۂ سیزدہم

حق تعالیٰ تمام نقائص اور عیوب اور حدوث اور امکان کے شوائب اور نشانوں سے منزہ اور مبرا ہے نہ جسم اور جسمانی ہے اور نہ مکانی اور زمانی ہے جواہر و اجسام و اعراض کی صفات اور لوازم سے پاک اور منزہ ہے اس کی بارگاہ میں مکان اور زمان اور جہت کی گنجائش نہیں یہ سب اس کی مخلوق ہیں۔

عقیدۂ چہاردہم

حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہوتی ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حلول کرتی ہے اور نہ وہ کسی شئے میں حلول کرتا ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک خدا تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا تھا اور ہندوؤں کے نزدیک خدا تعالیٰ انسان اور حیوان شجر اور حجر میں حلول کرتا ہے۔ سامری کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ بچھڑے میں خدا حلول کر آیا ہے سامریانِ ہند گائے کی پرستش میں اسی سامریٔ مصر کے متبع اور پیرو ہیں اور چھوت کی رسم بھی سامری کے لامساس سے ماخوذ ہے سامری جس کو دیکھتا تھا تو یہ کہتا تھا لامساس، مجھ کو نہ چھونا۔ اسی طرح ہندو بھی ایک مسلمان کو دیکھ کر یہی کہتا ہے لامساس مجھ کو ہاتھ نہ لگانا غرضیکہ ہندوؤں کی گوسالہ پرستی اور چھوت چھات ان دونوں رسموں کی سند سامری سے ملتی ہے۔

امام رازی قدس اللہ سرہ نے سامری کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ وہ فرقہ حلولیہ سے تھا جو خدا تعالیٰ کا حلول کسی جسم میں جائز سمجھتے ہیں اسی طرح ہندوستان کے ہندو بھی اسی کے شاگرد ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اس لئے کہ سامری کے متعلق گائے کا پیشاب پینا کہیں ثابت نہیں۔ گائے بیل حماقت میں ضرب المثل ہے جب کسی کو احمق کہنا ہوتا ہے تو اس کو بیل کہتے

ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھئے کہ اول تو ایک جانور کو اپنا معبود بنایا اور پھر جانوروں میں سے خدا بنانے کے لئے ایسے جانور کا انتخاب کیا کہ جو حماقت میں ضرب المثل ہے۔ اس اعتبار سے (یعنی حماقت کے لحاظ سے) بندے (ہندو) اپنے معبود (گائے بیل) سے بھی بڑھ گئے حالانکہ بندہ کا معبود سے کسی کمال میں بڑھنا عقلاً ناممکن اور محال ہے۔

عقیدۂ پانزدہم

حق تعالیٰ کا کوئی مثل اور برابر نہیں۔ نہ اس کی عورت ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں بے مثل اور بے مانند اور بے چون و چگون ہے۔ ہم فقط اس قدر جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے اور جو کچھ ہمارے فہم اور ادراک اور عقل اور تصور میں آسکتا ہے حق تعالیٰ اس سے منزہ اور بالا اور برتر ہے ؎

ہرچہ اندیشی پذیر اے فناست — وآنکہ در اندیشہ ناید آں خداست [1]

عقیدۂ شانزدہم

حق تعالیٰ پر کوئی شے واجب نہیں۔ وجوب اور لزوم سے حق تعالیٰ کے اختیار کا باطل ہونا لازم آتا ہے وہ کون ہے کہ جو اللہ پر کوئی چیز واجب اور لازم کر سکے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ جو چیز بندہ کے حق میں خیر اور اصلح ہے اللہ تعالیٰ پر اس کی رعایت واجب ہے ورنہ بخل لازم آئے گا۔ یہ معتزلہ کی کم عقلی اور بے ادبی ہے۔ بخل کے معنی حق واجب کے نہ ادا کرنے کے ہیں اور اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں وہ مالک اور مختار ہے اس پر نہ لطف واجب ہے اور نہ قہر جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے ہدایت سے بڑھ کر کوئی خیر اور اصلح نہیں مگر وہ بھی اس پر واجب نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا۔

---

(۱) ہر وہ چیز جس کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ فانی ہے اور وہ ذات جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے وہ خدا ہے۔

مگر کسی حکمت سے سب کو ہدایت نہیں دی معلوم ہوا کہ ہدایت دینا اس کے ذمہ لازم نہیں۔اور اگر اپنی رحمت سے کسی کو ہدایت بھی دیدے تو اس پر ثواب دینا اس کے ذمہ واجب نہیں اگر وہ ثواب دے تو اس کا فضل ہے اور عذاب دے تو اس کا عدل ہے اللہ تعالیٰ فضل میں اور عدل میں مہر میں اور قہر میں ہر حال میں محمود اور مستحق ستائش ہے۔غرض یہ کہ حق تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ ہاں خود اس ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین نے اپنی رحمت واسعہ سے اہلِ ایمان کی عزت افزائی کے لئے یہ فرمادیا ہے کہ اہل ایمان کا مجھ پر حق ہے میں ضرور ان کو جنت میں داخل کروں گا اور ان کو ثواب دوں گا۔

اہل ایمان کے لئے جنت اور ثواب کا لزوم اس کے وعدہ کی بنا پر ہے ہمارے استحقاق کی بنا پر نہیں۔ ہدایت بھی اسی کی رحمت اور عنایت تھی اسی کی توفیق سے ایمان لائے اور اعمال صالحہ اسی کے دیئے ہوئے اعضاء اور جوارح اور اسی کی دی ہوئی قدرت اور طاقت سے بجالائے یہ سب کچھ اسی کی مہربانی سے ہوا اور خود ہی ہدایت دے کر خود ہی جنت کا وعدہ فرمایا۔وَذَالِکَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

عقیدۂ ہفت دہم

حق تعالیٰ مالک اور مختار ہیں اور بندے اس کے مملوک اور غلام ہیں پس جو حکم اور تصرف ان میں فرمائے وہ عین خیر اور صلاح اور عین حکمت ہے اور ظلم اور فساد سے پاک اور منزہ ہے۔اگر وہ سب کو بلاقصور دوزخ میں ڈال دے اور ہمیشہ کا عذاب ان کو دے تو کوئی اعتراض کی جگہ نہیں اور نہ کسی غیر کی ملک میں یہ تصرف ہے جو ظلم اور ستم کی صورت پیدا کرے۔ برخلاف ہمارے املاک کے کہ وہ حقیقۃً ہماری املاک نہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان املاک کو ہماری طرف منسوب کردیا ہے ورنہ درحقیقت اسی مالک حقیقی کی املاک ہیں ہم اس کے عبد ماذون ہیں۔ ہمارا تصرف ان املاک میں اسی قدر جائز ہے جس قدر اس مالک حقیقی نے تصرف کی اجازت دی ہے۔لیکن اگر باوجود اس ملک مجازی کے ایک انسان اپنے کسی مملوک حیوان کو بلاوجہ ذبح کرے تو جائز ہے اور ظلم نہیں پس اسی طرح اگر حق تعالیٰ بغیر کسی جرم اور قصور کے کسی کو عذاب دیں تو وہ ظلم نہ ہوگا اس لئے کہ ظلم کے معنی

دوسرے کی ملک میں بغیر اجازت تصرف کرنے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی شی اللہ تعالیٰ کی ملک سے خارج ہو ہی نہیں سکتی اور اِنَّ اللّٰہَ لَایَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل صورۃً بھی ظلم اور ستم نہیں ہوسکتا یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کا حقیقۃً ظلم ہونا تو عقلاً محال اور ناممکن ہے لیکن ظاہر اور صورت کے اعتبار سے بھی اس کا کوئی فعل اور کوئی تصرف ظلم نہیں ہوسکتا۔

ہاں اللہ تعالیٰ نے جو ثواب اور عقاب کا وعدہ فرمایا ہے وہ قطعاً اور یقیناً پورا ہوگا۔ ہرگز اس میں تخلف نہیں ہوگا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد. وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا.

لیکن یہ یادرہے کہ فرمانبرداروں سے جو ثواب کا وعدہ ہے اللہ تعالیٰ اس وعدہ کو اپنے اختیار سے پورا فرمائے گا۔ یعنی اہل ایمان کو اپنی قدرت اور اختیار اور رحمت اور مہربانی سے جنت میں داخل فرمائے گا۔ مجبور ہوکر جنت میں داخل نہیں فرمائے گا۔ قدرت اور اختیار کے ساتھ وعدہ کو پورا کرنا کمال ہے مجبور ہوکر وعدہ کا ایفاء کرنا کمال نہیں ایک بادشاہ اپنے وعدہ کو اپنے اختیار سے پورا کرتا ہے وعدہ کر کے مجبور نہیں ہوجاتا کہ اس کے خلاف نہ کرسکے پس کیا احکم الحاکمین اہل ایمان اور اہل کفر سے ثواب اور عقاب کا وعدہ کرنے کے بعد مجبور ہوگیا کہ اب اس کے خلاف کرنا اس کی قدرت سے بھی خارج ہوگیا۔

استغفر اللہ ان اللہ علی کل شیء قدیر.

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ دوستوں کو جہنم اور دشمنوں کو جنت میں بھیج دیں۔ لیکن ہرگز ہرگز ایسا کریں گے نہیں کیونکہ وعدہ فرمالیا ہے۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد ۔

ماپروریم دشمن یامی کشیم دوست جرأت کسے کہ جرح کند در قضائے ما[1]

حق جل شانہ قیامت کے دن جب عیسیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں کی بابت دریافت فرمائیں گے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خدا بنایا تھا تو عیسیٰ علیہ السلام جواب عرض کریں گے اور اخیر میں یہ عرض کریں گے:

---

(۱) چاہے ہم دشمن پالیں یا دوست کو ماریں، کس کو جرأت ہے کہ ہمارے فیصلہ میں جرح کرے۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم.

اے اللہ! اگر آپ ان لوگوں کو عذاب دیں تو بلا وجہ اور بلاقصور سزا بھی دے سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے مالک اور خدا ہیں۔ مالک کو اختیار ہے کہ اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اور اگر بالفرض آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ کا یہ معاف کرنا مجبوری کی بنا پر نہ ہوگا بلکہ قدرت اور اختیار سے ہوگا اس لئے کہ آپ عزیز مقتدر ہیں، زبردست اور غالب ہیں مجرم آپ کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا۔ آپ اگر چاہیں تو سزا دیں اور اگر چاہیں تو معاف کردیں اور چونکہ آپ حکیم مطلق ہیں آپ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اس لئے اگر آپ ان مجرموں کو معاف کردیں گے تو آپ کا ان مجرموں کو معاف کردینا بھی عین حکمت اور صواب ہوگا۔ بہرحال اگر آپ سزاء کا فیصلہ فرمائیں تو وہ فیصلہ عادلانہ ہوگا اور اگر معافی کا فیصلہ فرمائیں تو وہ قادرانہ اور حکیمانہ فیصلہ ہوگا۔ اس مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فانک انت العزیز الحکیم فرمایا جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ بڑے سے بڑے مجرم کی مغفرت اور معافی اللہ کی قدرت میں بھی داخل ہے اور عین حکمت اور صواب بھی ہے۔ لَايُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يَسْئَلُوْن۔

کرا زہرہ آنکہ از بیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو
زباں تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو (۱)

مراتب صفات اور صفات متشابہات

خدا تعالیٰ کی صفات جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ کہ جن کے معنی واضح اور ظاہر ہیں۔ جیسے علم اور قدرت اور ارادہ اور کلام وغیرہ ایسی صفات کو صفات محکمات اور واضحات کہتے ہیں اس بارہ میں اہل حق کا اتفاق ہے کہ ان صفات کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنا ضروری اور لازم ہے اور اس قسم کی صفات میں کسی قسم کی تاویل

(۱) کس کے بس میں ہے کہ وہ آپ کے خوف سے زبان کھول دے سوائے تسلیم کے، آپ کے اقرار سے اپنی زبان کو تازہ کرتا ہے اور آپ کے کام کے بارے میں وجہ نہ پوچھے۔

جائز نہیں۔ دوسری قسم وہ ہے کہ جس کے معنی میں خفا اور ابہام ہے۔ محض مدلول لفظی اور معنی لغوی سے کوئی علم قطعی اور یقینی حاصل نہیں ہوتا۔ رائے اور قیاس کی وہاں مجال نہیں کشف اور الہام کی وہاں رسائی نہیں۔ جیسے وجہ (منہ) اور ید (ہاتھ) اور نفس اور عین (آنکھ) اور ساق اور قدم اور اصابع یعنی (انگلیاں) اور عرش پر مستوی ہونا۔ اس قسم کی صفات کو صفات متشابہات کہتے ہیں۔ اس قسم کی صفات کے بارہ میں تین گروہ ہوگئے ایک قدریہ اور معتزلہ کا دوسرا مجسمہ اور مشبہہ کا تیسرا اہل سنت والجماعت کا۔

فرقۂ مشبہہ

فرقہ مشبہہ جس کو فرقہ مجسمہ بھی کہتے ہیں اس نے ان آیات اور احادیث کو ظاہری معنی پر محمول کرنے میں اس درجہ مبالغہ کیا کہ تشبیہ اور تمثیل کی حد تک پہنچ گیا اور اس کا قائل ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء اور جوارح ہیں اس کے لئے منہ اور ہاتھ اور قدم وغیرہ ہیں اور جس طرح ایک بادشاہ تخت شاہی پر بیٹھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے۔ گویا کہ اس فریق نے لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَىۡءٌ[1] اور لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ[2] وَلِلّٰهِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰى[3] اس قسم کی آیات تنزیہہ سے آنکھیں ہی بند کرلیں اور حماقت سے یا جہالت سے یا غفلت سے حق تعالیٰ شانہ کو مجسم سمجھ بیٹھا۔

فرقۂ معتزلہ

فرقہ معتزلہ نے فرقہ مشبہہ کے برعکس نصوص کے ظاہری معنی کی نفی کرنے اور حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنے میں اتنا غلو کیا کہ حد تعطیل تک پہنچ گیا اور ظاہری معنی کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا منکر ہوگیا اور بلا کسی حجت اور دلیل کے ان نصوص کی تاویل پر تل گیا مثلاً قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں حق تعالیٰ کے لئے لفظ ید آیا۔ کبھی قوت

---

(۱) اس کی مثل کوئی نہیں۔ (شوریٰ ۱۱) (۲) اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ (اخلاص ۴)
(۳) اعلیٰ درجہ کی صفات صرف اللہ کی ہیں۔ (نحل ۶۰)

اور قدرت کے ساتھ اس کی تاویل کی اور کبھی نعمت کے ساتھ اس کی تاویل کی، کہ ید سے قدرت یا نعمت مراد ہے حالانکہ قرآن کریم خود اس تاویل مہمل کے فاسد ہونے کا حکم کرتا ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں ید کا تثنیہ یدین بمعنی دو ہاتھ بھی آیا ہے چنانچہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے:

مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ.

ترجمہ: اے شیطان تجھ کو کس چیز نے اس ذات کو سجدہ کرنے سے منع کیا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔

یہاں ید سے قدرت کے معنی لینا صحیح نہیں اس لئے کہ آیت میں صیغہ تثنیہ کا ہے یعنی دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کی قدرت ایک ہے خدا کے لئے دو قدرت کہنا غلط ہے۔ دوم یہ کہ اس کلام سے حضرت آدم کی فضیلت ظاہر کرنا ہے کہ جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا اس کو کیوں نہیں سجدہ کرتا۔ پس اگر آیت میں ید سے قدرت کے معنی مراد ہوں تو حضرت آدم کی فضیلت ظاہر نہ ہوگی اس لئے کہ شیطان بھی اللہ کی قدرت سے پیدا ہوا ہے، بلکہ تمام جنات اور تمام حیوانات اور جمادات کو اس نے اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے پھر حضرت آدم کی کیا خصوصیت ہے۔ سب کے سب اللہ ہی کی قدرت سے پیدا ہوئے ہیں اور علی ہذا ید کی تاویل نعمت کے ساتھ کرنا یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ اللہ کی نعمت ایک یا دو نہیں بلکہ شمار سے باہر ہیں نیز یہ کہنا تو جائز ہے کہ اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں مگر یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ کے ہاتھ بے شمار ہیں الغرض فرقہ مشبہہ کی طرح یہ فرقہ معتزلہ بھی گمراہ ہوا۔

اہل سنت والجماعت

یہ اہل حق کا گروہ ہے یہ کہتا ہے کہ گذشتہ دونوں فریق غلطی اور گمراہی پر ہیں۔ فرقہ مشبہہ گویا کہ در پردہ آیات تنزیہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کا منکر ہے اور فرقہ معتزلہ گویا کہ در پردہ آیات متشابہات کا منکر ہے اور ظاہر ہے کہ آیات تنزیہ کا انکار بھی گمراہی ہے اور آیات متشابہات کا انکار بھی گمراہی ہے۔ اہل حق کا گروہ یہ کہتا ہے حق یہ ہے کہ ان صفات کو حق

تعالیٰ کے لئے ثابت تسلیم کریں اور اپنی رائے اور قیاس سے اور اپنے کشف اور الہام سے ان کی حقیقت معلوم کرنے کی سعی نہ کریں اور جس طرح یہ صفات متشابہات کتاب وسنت صحیحہ سے ثابت ہوئی ہیں ان کو بے چون و چرا تسلیم کریں اور معتزلہ کی طرح درپے تاویل نہ ہوں تاکہ قدریہ اور معتزلہ کی طرح ان صفات متشابہات کا انکار لازم نہ آئے جو جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں اور مشبہہ اور مجسمہ کی طرح یہ نہ کہے کہ معاذ اللہ یہ اللہ کے اعضا اور اجزاء ہیں اور اس طرح نہ کہے کہ اللہ عرش پر بیٹھا ہے تاکہ مشبہہ کی طرح آیات تنزیہ اور تقدیس کا انکار لازم نہ آئے حق تعالیٰ کی جو صفات قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں ان پر ایمان لائے اور ان کی حقیقت اللہ کے سپرد کرے اور تنزیہ اور تقدیس کے لئے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ زبان سے کہے اور دل سے اعتقاد رکھے کہ جس طرح باتفاق عقلاء حق تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے اور اس کا سننا اور دیکھنا ہمارے سننے اور دیکھنے کے مشابہ نہیں پس اسی طرح اس کا ہاتھ اور قدم ہمارے ہاتھ اور قدم کے مشابہ نہیں۔ اہل حق کے گروہ نے نہ تو معتزلہ کی طرح ظاہر کی نفی میں اتنا غلو کیا کہ حد تعطیل تک پہنچ جائے اور نہ مشبہہ کی طرح ظاہر پر اس درجہ جمود کیا کہ تشبیہ اور تمثیل میں جا پڑتے بلکہ دم[1] تعطیل اور تشبیہ اور تمثیل کے فرث[2] کے درمیان سے ایک لبن[3] خالص نکال لیا اور خود بھی پیا اور شاربین[4] کرام کو بھی پلایا۔ تمام سلف صالحین اور ائمہ اربعہ کا یہی عقیدہ ہے۔ چنانچہ فقہ اکبر میں امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:

فما ذكر الله فى القرآن من ذكر الوجه واليد والنفس والعين فهو له صفات ولايقال ان يده قدرته و نعمته لان فيه ابطال الصفة وهو قول اهل القدر والاعتزال ولكن يده صفته بلاكيف. انتهى

یعنی قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ نے وجہ اور ید اور نفس اور عین کا ذکر کیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اور نہ یہ کہنا چاہئے کہ ید سے اللہ کی قدرت یا نعمت مراد ہے اس لئے کہ اس طور سے اللہ کی صفات کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور یہ قول معتزلہ کا ہے بلکہ یہ کہنا

---

(۱) خون۔ (۲) گندگی۔ (۳) دودھ۔ (۴) پینے والے۔

چاہئے کہ ید اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو کم اور کیف سے پاک اور منزہ ہے اور حقیقت اس کی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور یہی امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور آئمہ حدیث سے منقول ہے ایک انسان ضعیف البیان اور قاصر اللسان کے لئے یہ نہایت دشوار ہے کہ وہ خداوند ذوالجلال کی ذات وصفات اور اس کے کمالات کو ٹھیک ٹھیک بیان کر سکے صرف اتنا کرسکتا ہے کہ ممکنات میں ہم جن صفات کو سب سے اعلیٰ اور بہتر سمجھتے ہیں۔ان کو خدا تعالیٰ کے لئے ثابت کریں اور جب دو لفظ متقابل المعنی ہمارے سامنے ہوں تو ان دونوں میں سے واجب تعالیٰ کے لئے اس لفظ کو استعمال کریں جو سب سے بہتر اور برتر ہو مثلاً موجود اور معدوم قادر اور عاجز، عالم اور جاہل جیسے متقابل المعنی الفاظ میں سے بہتر لفظ یعنی موجود اور قادر اور عالم کا لفظ استعمال کریں اور یہ عقیدہ رکھیں کہ ہماری قدرت میں اس سے زیادہ تعریف اور توصیف ممکن نہیں۔اس کی ذات اقدس،عقول اور اوہام کے تصور سے بالا اور برتر ہے اور جن چیزوں کا ہم تصور کر سکتے ہیں وہ ذات اقدس ان میں سے کسی کے مشابہ نہیں۔لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اور چونکہ ہم آداب خداوندی سے واقف نہیں اس لئے ہم کو خدا کی شان میں وہی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جو شارع علیہ السلام نے ہم کو بتلائے ہیں۔

عقیدۂ ہشت دہم

حق تعالیٰ کے اسماء یعنی اس کے نام توقیفی ہیں یعنی صاحب شریعت سے سننے پر موقوف ہیں حادث تو اپنی ہی صفات کے سمجھنے سے قاصر ہے قدیم کے اسماء اور صفات کو بغیر بتلائے کیسے جان سکتا ہے۔شرع میں حق تعالیٰ کی ذات پر جس قسم کا اطلاق آیا ہے اس اسم کا اطلاق جائز ہے اور جس اسم کا اطلاق نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے۔اگرچہ اس اسم میں معنی کمال پائے جانے کی وجہ سے عقلاً اس کا اطلاق درست ہو مثلاً اللہ تعالیٰ کو شافی کہہ سکتے ہیں مگر طبیب نہیں کہیں گے۔کیونکہ جواد اور شافی اور عالم کا اطلاق شرع میں آیا ہے سخی اور طبیب اور عاقل کا نہیں آیا۔جاننا چاہئے کہ یہ کلام ان اسماء میں ہے جو صفات اور افعال سے لئے گئے ہوں ورنہ اسماء اعلام اور اسماء ذات میں کلام نہیں ہر زبان میں ذات الٰہی کے

لئے کوئی لفظ موضوع ہے مگر جو نام کفار کی زبان میں مخصوص ہیں اللہ تعالیٰ کو ان ناموں سے پکارنا نہ چاہئے کہ اس میں کفر کا اندیشہ ہے مگر ان کی بے تعظیمی بھی نہ چاہئے۔

عقیدۂ نوزدہم

اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی صفات نہ اس کی عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات ہیں بلکہ لازم ذات ہیں اس لئے کہ صفت موصوف کا عین نہیں ہوتی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرا معبود اور میرا خالق اور میرا رازق اللہ کی صفت علم یا صفت قدرت ہے اور میں اللہ کی اس صفت کی پرستش کرتا ہوں تو یہ باطل ہے ہاں اگر یہ کہے کہ میرا معبود علیم اور قدیر ہے جس کی صفت علم اور قدرت ہے تو یہ صحیح اور درست ہے۔

اور اسی طرح اگر کوئی دعا میں یہ کہے "یا حیات یا علم یا تکوین یا ترزیق" تو جائز نہیں معلوم ہوا کہ اللہ کی صفات اس کا عین نہیں لیکن غیر بھی نہیں کہ اس سے جدا اور علیحدہ ہوسکیں کیونکہ غیریت کے معنی یہ ہیں کہ ایک غیر کے فنا اور عدم کی صورت میں دوسرے غیر کا وجود اور بقاء جائز ہو اور یہ معنی حق تعالیٰ میں درست نہیں اس لئے کہ خدا تعالیٰ اور اس کی صفات جدا جدا چیزیں نہیں۔ معلوم ہوا کہ صفاتِ خداوندی، خدا تعالیٰ کا غیر نہیں، بلکہ اس کی ذات کیلئے ایسی لازم ہیں کہ ان صفات کا ذات سے جدا ہونا ناممکن اور محال ہے جیسے چار کے لئے زوجیت اور پانچ کے لئے فردیت لازم ہے مگر اس کا عین نہیں چار کا مفہوم علیحدہ ہے اور زوجیت کا مفہوم علیحدہ ہے۔ مگر زوجیت چار کی نفس ماہیت کے لئے ایسی لازم ہے کہ نہ ذہن میں اس سے جدا ہوسکتی ہے اور نہ خارج میں اسی طرح علم علیم کا عین تو نہیں مگر اس سے جدا اور علیحدہ بھی نہیں ہوسکتا۔ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے علم اور قوت اور عزت کو اپنی طرف مضاف کیا ہے:

انزله بِعِلْمِه. وَلَايُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَاشَآءَ. اِنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ الله. ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْن. وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا. ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْم. ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَام.

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت اور عزت اور جلال اس کا عین ذات نہیں اس

لئے کہ کوئی شئے اپنی طرف مضاف نہیں ہوتی اور جس طرح صفت اور موصوف میں تقریر کی گئی ہے اسی طرح بعض علماء کا یہ قول ہے کہ اسم نہ عین مسمی ہے اور نہ غیر مسمی اس لئے کہ اگر اسم عین مسمی ہو تو مسمی کی طرح اسم کا معبود ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ اعبد اللہ میں اللہ کی عبادت کا حکم ہے اسم کی عبادت کا حکم نہیں اور اگر اسم غیر مسمی ہو تو اللہ تعالیٰ معبود نہ رہے گا۔

اور حق یہ ہے کہ کتاب وسنت میں اسم کا اطلاق مختلف طور پر آیا ہے کبھی اسم بول کر لفظ مراد لیا گیا ہے اور کبھی ذات شئے جیسے ''زید ضارب'' زید مارنے والا ہے اور ہندہ طالق اور ہندہ پر طلاق ہے ایسی جگہ اسم سے مسمی مراد ہے اور اسم مسمی کا عین ہے اور جہاں اسم بول کر لفظ مراد لیا گیا ہے وہاں اسم مسمی کا غیر ہے۔

حکماء اور معتزلہ کے نزدیک اللہ کی صفات عین ذات ہیں اور متکلمین کے نزدیک لازم ذات ہیں۔

عقیدۂ بستم

جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں۔ اگر مخلوق نہ بھی پیدا ہوتی تو اس میں پیدا کرنے کی قدرت تو ضرور ہے اسی وجہ سے خالق اس کا نام قدیم ہے۔ اس کا خالق ہونا مخلوق کے پیدا ہونے پر موقوف نہیں بلکہ مخلوق کا پیدا ہونا اس کے خالق ہونے پر موقوف ہے اگر اس میں پیدا کرنے کی صفت نہ ہوتی تو یہ مخلوق کیسے پیدا ہوتی۔

عقیدۂ بست ویکم

نیز یہ بھی جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترتیب نہیں یعنی یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی فلاں صفت پہلے ہے اور فلاں صفت بعد میں۔ اس کی تمام صفات قدیم اور ازلی ہیں۔ یہ کہنا درست نہیں کہ اس کا علم اس کی قدرت سے پہلے ہے یا اس کی قدرت اس کے علم کے بعد ہے یا اس کی حیات اس کے علم سے پہلے ہے۔ وہ ہمیشہ سے حی اور علیم اور قدیر ہے۔

عقائد متعلقہ نبوت ورسالت

عقیدۂ اول

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کے پاک اور برگزیدہ بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے تا کہ خلق کو حق تعالیٰ کی طرف بلائیں اور گمراہی سے سیدھے راستہ پر لائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو دار السلام کی طرف دعوت دیں جو اس کی رضا کا مقام ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کرے اس کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور جو شخص اس کی دعوت کے قبول کرنے سے انکار یا اعراض کرے اس کو دوزخ کی وعید سنائیں۔ وہ شخص بڑا ہی بد بخت ہے جس نے رب کریم کی دعوت کو قبول نہ کیا اور اس کی ہدایت کے دستر خوان پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ ان بزرگوں نے حق تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ پہنچایا اور بتلایا ہے وہ سب سچ اور حق ہے۔ اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا مبعوث ہونا اہل جہان کے لئے حق جل شانہ کی رحمت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ ہے۔ اگر ان بزرگواروں کا واسطہ اور ذریعہ نہ ہوتا تو ہم گمراہوں کو اس واجب جل مجدہ کی ذات وصفات کی معرفت کی طرف کون ہدایت فرماتا اور ہمارے مولیٰ جل شانہ کی مرضیات اور نامرضیات سے کون آگاہ کرتا۔

ہماری ناقص اور بیمار عقلیں بغیر انبیاء کرام کی شمع ہدایت اور نور نبوت کے معزول اور بیکار ہیں۔ حق جل شانہ کی مرضیات اور نامرضیات کے ادراک سے قاصر ہیں۔ ہمارے فہم اور ادراک بغیر انبیاء کرام کے رہنمائی کے مخذول اور خوار ہیں آنکھ کی روشنی جب ہی کام دیتی ہے کہ جب باہر سے آفتاب اور ماہتاب کی بھی روشنی اس کی رہنمائی کرے اسی طرح عقل کی روشنی بغیر آفتاب نبوت کی روشنی کے بیکار ہے۔

عقل (بشرطیکہ سلیم ہو یعنی تندرست ہو بیمار نہ ہو بینا ہو اندھی نہ ہو۔ صحیح سالم ہو لولی اور لنگڑی نہ ہو حجت ہے لیکن حجیت میں ناقص اور ناتمام ہے مرتبہ بلوغ تک نہیں پہنچی۔ حجت بالغہ انبیاء کرام کی بعثت سراپا ہدایت ہے جس پر آخرت کے دائمی عذاب اور ثواب کا دارومدار ہے اور جس سے بندوں پر حجت تمام ہوئی اور کسی کے لئے عذر کا کوئی موقعہ نہیں رہا۔ نیز لوگوں کی عقلیں مختلف اور متفاوت ہیں ایک کے ادراکات دوسرے کے ادراکات سے نہیں ملتے۔ بڑے بڑے عقلاء ایک بات میں مختلف الرائے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا تاکہ سب ایک طریق پر متفق ہو جائیں اگر انبیاء مبعوث نہ ہوتے تو اختلاف آراء کی وجہ سے عجیب کش مکش پیش آتی کوئی کسی طریقہ سے عبادت کرتا اور کوئی کسی طریقہ سے کرتا اور ہر ایک اپنے طریق کو اچھا اور بہتر بتاتا، نیک و بد میں امتیاز باقی نہ رہتا، ہر کافر اپنے کفر کو ایمان اور ہدایت بتاتا اور ہر بدکار اور ظالم اپنی بدکاری اور ستم رانی کو عدل اور انصاف بتاتا جیسے آج کل کے شہوت پرست اور نفس کے بندے اپنی نفسانی شہوات کو جذبات فطرت بتلاتے ہیں اور رشوت خوار رشوت کو اپنا حق الخدمت بتلاتے ہیں۔

اس لئے حق تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا تاکہ دینی اور دنیوی امور میں لوگوں کو خدا کے احکام اور ہدایات سے آگاہ کریں حق تعالیٰ شانہ جب بندوں کا خالق اور منعم ہے تو عقلاً بندوں پر اس کا شکر واجب ہے مگر چونکہ بندے کیفیت ادائے شکر سے واقف نہ تھے اس لئے پیغمبروں کے ذریعہ اس کیفیت سے مطلع فرمایا۔ حق تعالیٰ کی لاکھوں اور کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں حضرات انبیاء کرام پر جن کے ذریعہ حق اور باطل نیک اور بد کا فرق معلوم ہوا۔ اور عقل کے مقتضیات اور نفس کے شہوات کا فرق واضح ہوا۔

حضرات انبیاء کرام متواتر طور پر مخلوقات کو خدا کی طرف دعوت دیتے رہے اور اس کے وجود اور اس کی صفات کمال کو دلائل اور براہین سے سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ ان بزرگواروں کا بول بالا ہوا اور لوگوں پر اپنی جہالت منکشف ہوئی اور وجود صانع کے قائل ہوئے اور اشیاء کو حق کی طرف منسوب کرنے لگے۔ مخلوق کو خالق کی معرفت کی دولت حضرات انبیاء کرام کے دستر خوان سے ملی اور حشر و نشر اور جنت اور جہنم اور دائمی ثواب اور عذاب جن کے ادراک سے عقل قاصر ہے ان چیزوں کا علم حضرات انبیاء کی شریعت سے ہوا

جس طرح طور عقل طور حس سے بالا اور برتر ہے کہ جو چیز حس ظاہر سے مدرک نہ ہوسکے عقل اس کا ادراک کرسکتی ہے۔ اس طرح طور نبوت بھی طور عقل سے کہیں بالاتر اور برتر ہے کہ جو چیز عقل سے مدرک نہ ہوسکے وہ نبوت کے ذریعہ ادراک میں آسکتی ہے اور بذریعہ وحی کے معلوم ہوسکتی ہے۔ اولیاء کرام کا الہام انوار نبوت سے مقتبس ہے اور انبیاء کرام کی متابعت کی برکت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے اگر عالم غیب کی چیزوں کے معلوم کرنے کے لئے عقل کافی ہوتی تو فلاسفہ جنہوں نے عقل کو اپنا مقتدیٰ بنایا ہے حق تعالیٰ کی معرفت میں گمراہ نہ ہوتے بلکہ سب سے زیادہ حق تعالیٰ کے پہچاننے والے ہوتے۔ حالانکہ خدا کی ذات وصفات کے بارے میں فلاسفہ تمام لوگوں سے زیادہ جاہل ہیں۔ خدا کو بیکار اور معطل سمجھتے ہیں اور سوائے ایک شے (عقل اول) کے صدور کے قائل نہیں اور وہ بھی اختیار کے ساتھ نہیں بلکہ ایجاب اور اضطرار کے ساتھ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔

امام غزالیؒ "المنقذ من الضلال" میں لکھتے ہیں کہ اہل فلسفہ نے علم طب اور علم نجوم گذشتہ پیغمبروں کے صحیفوں اور کتابوں سے چرایا ہے۔ عقل دواؤں کے خواص اور آثار کے سمجھنے سے قاصر ہے اور علم تہذیب اخلاق کو فلاسفہ نے صوفیہ کرام کی کتابوں سے جو ہر زمانہ میں کسی نہ کسی پیغمبر کی امت رہے ہیں چرایا ہے۔ علم منطق جوان کا مایہ ناز علم ہے اور غلط اور صحیح فکر میں تمیز کرنے کا آلہ ہے اور خطا فی الفکر سے عصمت اور حفاظت کا ذریعہ ہے۔ خدا کی معرفت میں خصوصاً اور دیگر علوم میں عموماً وہ آلہ عاصمہ ان کے کچھ کام نہ آیا اور خبط میں پھنس کر گمراہی کے جنگل میں بھٹکتے رہے جب یہ قانون عاصم انہیں کو خطا سے محفوظ نہ رکھ سکا تو اوروں کو کس طرح خطا سے بچائے گا۔ دوسرے کے لئے عاصم وہی ہوسکتا ہے جو خود بھی معصوم ہو اور معصوم نبی کی ذات اور اس کی وحی ہے اگر ان حضرات کا وجود باوجود نہ ہوتا تو انسانی عقلیں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اشیاء کے حسن اور قبح اور خیر وشر کے ادراک سے عاجز اور قاصر رہتیں۔

فلاسفۂ متقدمین کو لے لیجئے جن کی عقل ودانش کا شہرہ تھا۔ بہت سے ان میں ان میں سے حق جل شانہ کے منکر تھے اور حوادث عالم کو دہر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ نمرود روئے زمین کا بادشاہ گزرا ہے جس کا تمدن مشہور ہے۔ وہ بھی خدا تعالیٰ کا منکر

تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس کا مجادلہ مشہور ہے۔ علی ہذا فرعون جو مصر کا بادشاہ تھا وہ بدبخت یہ کہا کرتا تھا:

مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرِى

میں تمہارے لئے اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا۔

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی طرف دعوت دی اور خدا کے وجود کے دلائل اور براہین بیان کئے تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے یہ کہا:

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهاً غَيْرِىْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ.

اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھ کو قید میں ڈال دوں گا۔

اور اسی بدبخت فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو کہا:

يَاهَامَانُ ابْنِ لِىْ صَرْحاً لَعَلِّىْ اَبْلُغُ الْاَسْبَاب اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا.

اے ہامان! میرے لئے ایک بہت بڑا اونچا مکان بنا تاکہ میں آسمانوں پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کی خبر لوں میرا گمان ہے کہ موسیٰ جھوٹا ہے۔

اور آج کل امریکہ اور برطانیہ کو لے لیجئے جن کے تمدن پر دنیا پروانوں کی طرح گر رہی ہے۔ ان کی عقل کا نمونہ دیکھ لیجئے۔ ایک میں تین اور تین میں ایک ہونے کے قائل ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو باوجود بشری حاجتوں کے خدا مانے ہوئے ہیں اور خدا ماننے کے بعد ان کے مقتول اور مصلوب ہونے کے بھی قائل ہیں معاذ اللہ کیا خدا بھی پھانسی چڑھ سکتا ہے اسی لئے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ انگریز عاقل نہیں کاریگر ہے عقل اور چیز ہے کاری گری اور چیز ہے مسلمان فرمانروا اگر عیش وعشرت میں نہ پڑتے اور صنعت وحرفت کی طرف توجہ مبذول کرتے تو انگریزوں سے کم نہ رہتے جس طرح اطباء بدن انسانی کا علاج کرتے ہیں اسی طرح حضرات انبیاء مخلوق کے روحانی طبیب ہیں اور نفس انسانی کا معالجہ فرماتے ہیں۔ اور جس طرح معالجہ میں بعض بیماروں کو جبر وتشدد کی ضرورت بلکہ زدوکوب کی نوبت آجاتی ہے اور مار کر اس کو دوا پلائی جاتی ہے طبیب مریض کو نہایت مفید دوا دینا چاہتا ہے مگر مریض اس دوا کی منفعت کو نہیں سمجھتا اور اس کے پینے میں

تامّل کرتا ہے اور اپنی بد پرہیزی کی عجیب عجیب تاویلیں کرتا ہے تو اطباء کا طریق یہ ہے کہ وہ مریض کو مرغوب اشیاء سے پرہیز کرنے کے اسباب اور دوا کے فوائد سمجھانے کی طرف توجہ نہیں کرتے اس میں مشقت اور تعب بہت ہے اور فائدہ بہت کم۔ بلکہ سختی اور زبردستی دوا پلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح اطباء روحانی، یعنی انبیاء کرام، روحانی مریضوں کو افعال شنیعہ سے پرہیز کا حکم دیتے ہیں تاکہ نفس کو صحت کلی حاصل ہو جائے۔ مگر کج فہم اور بد بخت دنیاوی لذتوں اور نفسانی شہوتوں سے پرہیز میں گرانی محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے حضرات انبیاء کرام جب ان نفسانی مریضوں کیلئے کوئی دوا اور غذا اور پرہیز تجویز کرتے ہیں تو یہ لوگ اس کے اسباب و علل اور فوائد و منافع پر بحث شروع کر دیتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشوں کے لئے عجیب تاویلیں تراشتے ہیں اور اصل بیماری اور روگ یہ ہے کہ حکم خداوندی کی پابندی ان پر شاق اور گراں ہے۔ آسانی اور آسائش اس میں سمجھتے ہیں کہ حیوانات کی طرح آزاد ہیں حلال و حرام کی تقسیم نہ ہو جس کھیت میں جی چاہا منہ مار دیا اور جس مادہ سے جی چاہا اس سے اپنی حاجت پوری کر لی، آزادی سے انسان، انسان نہیں رہتا بلکہ حیوان بن جاتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام کی اطاعت سے انسان حقیقی انسان بنتا ہے۔ عقلاً یہ تو ناممکن ہے کہ انسان کسی قانون اور ضابطہ کا پابند نہ ہو۔ اس عقیدہ کا انسان کسی حکومت میں زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ پس افسوس ہے ان کم عقلوں پر کہ جو اپنے ووٹ سے بنائے ہوئے ممبروں کے قانون کی پابندی کو تو تہذیب اور تمدن سمجھتے ہیں اور خداوند ذوالجلال کے اتارے ہوئے احکام سے ناک اور منہ چڑھاتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اهد قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ.(۱)

لفظ نبوت اور رسالت کی تعریف اور نبی اور رسول میں فرق

نبوت مصدر ہے نبأ سے مشتق ہے جس کے معنی عظیم الشان خبر کے ہیں اور یہاں اس سے وہ خاص خبر مراد ہے جس کو خدا تعالیٰ اپنی طرف سے کسی اپنے خاص برگزیدہ بندہ پر

(۱) اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نہیں جانتی۔

نازل فرمائے تا کہ بندوں کو اس سے واقف اور باخبر کردے لہٰذا نبوت کے معنی ان چیزوں اورخبروں کے پہنچانے کے ہوں گے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس برگزیدہ شخص کو پہنچی ہیں اور اس برگزیدہ شخص کو کہ جو خدا کی دی ہوئی خبروں کو بندوں تک پہنچائے نبی کہتے ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں کہ نبوت کے معنی ارتفاع اور بلندی کے ہیں چونکہ نبی کو من جانب اللہ ایسے بلند علوم اور معارف عطا ہوتے ہیں کہ جہاں تک بڑے سے بڑے عقلاء کی عقلیں نہ پہنچ سکیں اور اس کو ایسا بلند منصب اور عالی مرتبہ اور مقام عطا فرماتے ہیں کہ جو اوروں کو نہیں عطا کرتے۔ اس لئے اس کو نبی کہتے ہیں۔ اور رسول رسالت سے مشتق ہے۔ رسالت کے معنی خدا تعالیٰ اور ذی عقل مخلوق کے درمیان سفارت کے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان جو سفیر ہو اس کو رسول کہتے ہیں۔ رہا یہ امر کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے۔ سو بعض علماء کے نزدیک تو نبی اور رسول ایک ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ رسول کا مرتبہ نبی سے بڑھ کر ہے اس لئے کہ احادیث میں انبیاء کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زائد آئی ہے اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ آئی ہے معلوم ہوا کہ رسول خاص ہے اور نبی عام ہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے محققین نے نبی اور رسول میں یہ فرق کیا ہے کہ نبی وہ برگزیدہ بندہ ہے کہ جس پر اللہ کی وحی آتی ہو اور وہ ہدایت خلق اور تبلیغ احکام الٰہیہ پر مامور ہو خواہ صاحبِ کتاب ہو یا نہ ہو اور انبیاء کرام میں سے جس کو من جانب اللہ کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو مثلاً اس کو کوئی نئی کتاب یا کوئی نئی شریعت دی گئی ہو یا منکرین اور مکذبین کے مقابلہ کا اس کو حکم دیا گیا ہو یا کسی نئی امت کی طرف اس کو مبعوث کیا گیا ہو تو اس کو رسول کہتے ہیں۔

غرض یہ کہ رسول کے لئے یہ ضروری ہے کہ انبیاء کرام میں سے اس کو خصوصی امتیاز حاصل ہو لیکن رسول کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس پر کوئی نئی کتاب یا نئی شریعت نازل ہوئی ہو اس لئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بالاتفاق رسول تھے لیکن ان پر کوئی کتاب اور شریعت نازل نہیں ہوئی نیز ایک حدیث سے ظاہر ہے کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے اور کتابوں کی تعداد ایک سو چار ہے معلوم ہوا کہ رسول کے لئے جدید شریعت کا ہونا ضروری نہیں۔ حافظ ابن تیمیہ نے نبی اور رسول میں جو فرق بیان کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی وہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے غیب کی خبریں بیان کرتا ہو اور اس پر اللہ کی وحی آتی ہو۔

اور اگر ان اوصاف کے ساتھ وہ کفار نابکار اور نافرمان قوم کی تبلیغ پر بھی مامور ہوتو وہ رسول بھی کہلائے گا۔ تفصیل کیلئے کتاب النبوات صفحہ ۷۲ تا صفحہ ۷۴ ملاحظہ فرمائیں۔

عقیدۂ دوم

نبوت و رسالت محض موہبت خداوندی اور عطیہ الٰہی ہے وہ جس کو چاہتا ہے خلعت نبوت سے سرفراز فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ.[1] اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ.[2]

نبوت کوئی اکتسابی شے نہیں جو مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہو یا کسی خاص قابلیت اور استعداد حاصل ہو جانے سے نبی ہو جاتا ہو، نبوت حق جل شانہ کی خلافت اور نیابت ہے اور خدا اور بندوں کے درمیان سفارت ہے جب تک بادشاہ کسی کو اپنا نائب اور سفیر نہ بنائے اس وقت تک کوئی شخص محض اپنی قابلیت سے سفیر نہیں بن سکتا۔

فلاسفہ اول تو نبوت کے قائل نہیں اور اگر کوئی ان میں سے قائل ہوا ہے تو اس نے نبوت کو اکتسابی سمجھا ہے اور یہ گمان کیا کہ جب نفس انسانی مجاہدہ اور ریاضت کر کے مادی علائق سے تجرد حاصل کرے اور صفاء نفس سے امور غیبیہ اس پر منکشف ہونے لگیں و رعنصریات میں تدبیر اور تصرف کر سکے تو وہ نبی ہو جاتا ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے یہ کفر اور گمراہی ہے۔

عقیدۂ سوم

تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا ضروری ہے ایک نبی پر ایمان نہ لانا تمام انبیاء پر ایمان نہ لانے کے ہم معنی ہے کیونکہ کلمہ تمام انبیاء کا متفق ہے اور اصول دین سب کے ایک ہیں:

---

(۱) اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص فرمالیتا ہے۔ (بقرہ ۱۰۵)

(۲) اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ (حج ۷۵)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِيْن.[1] كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْن.[2]
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْن.[3]

قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود نے فقط اپنے اپنے زمانہ کے رسول کی تکذیب کی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ایک رسول کی تکذیب کو تمام رسولوں کی تکذیب قرار دیا اور یہ فرمایا کہ قوم نوح نے تمام پیغمبروں کی تکذیب کی۔

عقیدۂ چہارم

تمام انبیاء کرام خدا کے پاک اور برگزیدہ بندے صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے معصوم تھے۔ انبیاء کی عصمت[4] اور طہارت اور نزاہت کا اعتقاد جزء ایمان ہے۔ اگر انبیاء کرام معصوم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ مطلقاً اور بے چون و چرا ان کی اطاعت اور متابعت کا حکم نہ دیتا اور نہ ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا اور نہ انبیاء کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا قرار دیتا۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ الله. اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ الله. يَدُاللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِم.

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ تحقیق جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

دست او را حق چو دست خویش خواند　　تا ید اللہ فوق ایدیہم بر اند[5]

---

(۱) نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ (شعراء ۱۰۵)
(۲) قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ (شعراء ۱۲۳)
(۳) قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ (شعراء ۱۴۱)
(۴) قاسم العلوم کی مراجعت کی جائے جس میں عصمت انبیاء کی مسئلہ کی خوب تفصیل کی گئی ہے۔
(۵) جب اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا حتی کہ "يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ" (ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے) کہا۔

معصوم وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا مصطفیٰ اور مرتضیٰ یعنی اخلاق اور عادات اور افعال اور ملکات اور تمام احوال میں من کل الوجوہ خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہو اور اس کا باطن مادہ معصیت سے بالکلیہ پاک ہو یعنی مادہ شیطانی اور نفسانی سے اس کا قلب بالکلیہ پاک اور منزہ ہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء کرام کو مرتضیٰ اور مصطفین الاخیار اور عباد مخلصین فرمایا ہے جس سے مراد من کل الوجوہ ارتضاء اور اصطفا اور اخلاص کامل ہے اور من کل الوجوہ پاک وصاف اور خدا کا پسندیدہ اور بلاشرکت غیر خالص اللہ کا بندہ وہی ہوسکتا ہے کہ جس کا باطن نفس اور شیطان کی بندگی سے بالکلیہ پاک ہو اور اسی مادہ معصیت سے بالکلیہ طہارت اور نزاہت کا نام عصمت ہے۔

انبیاء کرام سے اگر کوئی لغزش بطریق سہو ونسیان صادر ہوتی ہے تو وہ باہر سے آتی ہے۔ اندر سے نہیں ہوتی ہے جیسے آب گرم کی حرارت تو وہ خارجی اثر سے آتی ہے باقی پانی میں مادہ حرارت کا نام ونشان نہیں۔ پانی کی طبیعت میں سوائے برودت کے کچھ نہیں یہی وجہ ہے کہ پانی کتنا ہی گرم ہو۔ اگر آگ پر ڈال دیا جائے تو آگ فوراً بجھ جائے گی اسی طرح انبیاء کرام کا باطن مادہ معصیت سے بالکلیہ پاک ہوتا ہے۔ البتہ خارجی اثر سے کبھی اگر کوئی لغزش ان سے ہوجائے تو وہ محض صورت کے اعتبار سے معصیت ہوتی ہے حقیقت کے اعتبار سے اطاعت ہوتی ہے بلکہ این خطا از صد صواب اولیٰ ترست کا مصداق ہوتی ہے حضرت آدم علیہ السلام کا عصیان، نسیان کی بنا پر تھا۔ شیطان نے جب خدا کی قسم کھائی تو دھوکہ میں آگئے اور یہ سمجھے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھاسکتا۔ خدا کی قسم۔ ایسے عصیان پر تو لاکھوں طاعتیں قربان ہیں۔ **صلی اللہ تعالیٰ علی نبینا و ابینا آدم و بارک و سلم۔**

عقیدۂ پنجم

حق تعالیٰ نے انبیاء کرام کو معجزات اور آیات بینات عطا فرمائے تاکہ وہ معجزات اور خارق عادات امور ان کے نبوت ورسالت کی دلیل بنیں اور لوگ ان نشانات کو دیکھ کر ان کی نبوت کا یقین کریں اور ان پر ایمان لائیں اس لئے کہ جب وقتاً فوقتاً عالم غیب سے ان کی

تائید کے نشان ظاہر ہوں گے اور کسی سبب ظاہری کو اس میں دخل نہ ہوگا تو لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ شخص مامور من اللہ ہے اور تائید غیبی اس کی پشت پر ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کا سرد ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ ہو جانا اور عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے مردوں کا زندہ ہو جانا اور آنحضرت ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہو جانا جس سے تمام لشکر سیراب ہو جائے یہ وہ افعال ہیں کہ جو طاقت بشریہ کی حدود سے خارج ہیں کوئی بڑے سے بڑا جادوگر بھی نہیں دکھلا سکتا۔ معلوم ہوا کہ یہ امور اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کی صداقت اور کرامت ظاہر کرنے کے لئے پیدا فرمائے ہیں من جانب اللہ انبیاء کرام کو جو علوم اور معارف اور افعال و اعمال عطا ہوتے ہیں وہ سب خارق عادت ہوتے ہیں۔
انبیاء کرام کی عقل اور فہم بھی سب سے زیادہ ہوتی ہے ان کا حافظہ بھی سب سے قوی ہوتا ہے اور فصاحت اور بلاغت اور تاثیر سخن میں انبیاء کرام ابناء روزگار سے سابق اور غالب ہوتے ہیں ان کی ظاہری اور باطنی قوتیں سب سے زیادہ قوی ہوتی ہیں ان کے اخلاق نہایت بلند اور ان کی صورتیں نہایت وجیہ اور منور ہوتی ہیں ان کی آواز نہایت خوش اور سریع التاثیر ہوتی ہے غرض یہ کہ صورت اور سیرت ظاہر اور باطن ہر اعتبار سے سب خوب اور پسندیدہ ہوتے ہیں اہل فہم کے لئے تو حضرات انبیاء کا چہرہ مبارک ہی ان کی نبوت کی دلیل ہوتا ہے ؎

دردِل ہر امتی کز حق مزہ است — روئے و آواز پیمبر معجز است(۱)

مرد حقانی کی پیشانی کا نور — کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

اور جو لوگ ظاہر بیں ہوتے ہیں وہ ان کے حسی معجزات کو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں اور جو لوگ کور باطن اور خفاش چشم ہوتے ہیں وہ انوار نبوت کے سامنے آنے سے اندھے ہو جاتے ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمہ آفتاب را چہ گناہ(۲)

---

(۱) جب ہر امتی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزہ ہے تو پیغمبر کا چہرہ اور ان کی آواز معجزہ ہے۔
(۲) اگر چمگادڑ کی آنکھیں دن کو نہیں دیکھتیں تو اس میں آفتاب کے ٹکیہ کا کیا قصور ہے۔

عقیدۂ ششم

انبیاء کرام حق تعالیٰ کے امین ہوتے ہیں۔ احکام خداوندی کے پہنچانے میں ذرہ برابر کمی نہیں کرتے اور نہ کافروں سے ڈر کر تقیہ کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسَالَاتِ اللہِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَداً اِلَّا اللہ.

انبیاء اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو لوگوں تک پورا پورا پہنچاتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے۔ یعنی معاذ اللہ وہ تقیہ نہیں کرتے۔

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآاُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه وَاللہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللہَ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْن.

اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے، اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔

عقیدۂ ہفتم

انبیاء کرام اپنے منصب نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتے اس لئے کہ حق تعالیٰ علیم و خبیر ہے کبھی ایسے شخص کو منصب نبوت پر فائز نہیں فرماتے کہ جو آئندہ چل کر لائق معزولی ہو شاہانِ دنیا موافق اور مخالف مطیع اور عاصی مخلص اور مکار کے سمجھنے میں بسا اوقات غلطی کھا۔تے ہیں اس لئے جس کو مخلص سمجھ کر وزیر بنایا تھا وہ مکار نکلا۔ اس لئے اس کو معزول کرتے ہیں اور دربار سے نکال لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں غلطی ہونا، ناممکن اور محال ہے اللہ کے نزدیک جو مقرب ہے وہ ہمیشہ ہی مقرب رہے گا۔ اس لئے انبیاء کرام کبھی منصب نبوت سے برطرف نہیں کئے جاتے البتہ یہ ممکن ہے کہ نبی اپنے منصب نبوت پر فائز رہے مگر اس سے اس کے منصب کی خدمت نہ لی جائے بلکہ اس نبی سے کوئی دوسری خدمت لی

جائے جیسے عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد منصب نبوت کے ساتھ موصوف ہوں گے مگر خدمت ان سے دوسری لی جائے گی یعنی امت محمدیہ کی نصرت اور اعانت اور دجال سے حفاظت کی خدمت لی جائے گی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد نبی ہوں گے مگر شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے اور کتاب وسنت کی متابعت کریں گے۔ انجیل کی متابعت نہیں کریں گے کیونکہ انجیل منسوخ ہو چکی ہے۔

نہ از لات و عزیٰ بر آوردگرد   کہ توریت و انجیل منسوخ کرد

عقیدۂ ہشتم

خدا تعالیٰ پر ایمان لانا بدون پیغمبروں پر ایمان لائے ہوئے مقبول اور معتبر نہیں۔ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف فرمادیا ہے کہ جو شخص خدا اور اس کے پیغمبروں میں تفریق کرے کہ خدا پر تو ایمان لائے اور اس کی توحید کا قائل ہو مگر رسول کی رسالت کو نہ مانے تو وہ پکا کافر ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا اُوْلٰٓئِکَ هُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَّاَعْتَدْنَا لِلْکَافِرِیْنَ عَذَاباً مُّهِیْنًا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُوْلٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا.

تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان میں فرق رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں، ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے ثواب دیں گے اور اللہ تعالیٰ مغفرت والے ہیں اور رحم والے ہیں۔

رسول کے انکار سے اللہ کا انکار لازم ہے اس لئے کہ جب خدا تعالیٰ نے رسول کی اطاعت اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیا اور پھر اس بدبخت نے اللہ کے حکم کے بعد رسول کی اطاعت نہ کی تو اللہ کے حکم سے انحراف کیا۔

عقیدۂ نہم

پیغمبروں میں سب سے پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ ہیں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ۔اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی پیغمبری سے دین کو مکمل کر دیا اب حضور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔علماء اسی دین کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و تفہیم کرتے رہیں گے۔نبوت ختم ہوگئی اور دین حد کمال کو پہنچ گیا۔اب ضرورت صرف تبلیغ کی رہ گئی جس کے لئے علماء امت کافی ہیں۔

فائدہ:

بہتر یہ ہے کہ انبیاء کی تعداد معین نہ کی جائے۔بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔

قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ آپ خاتم انبیاء اور آخر انبیاء ہیں آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہ ہوگا اور آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے تمام انبیاء سابقین آپ کی آمد کی بشارت دیتے تھے اور اس کا اعلان کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ آخر انبیاء ہیں اور آپ کا خاتم الانبیاء ہونا توریت اور انجیل اور تمام انبیاء سابقین کے صحیفوں میں مذکور تھا۔اہل کتاب از راہِ حسد ان بشارتوں کو چھپاتے تھے پھر جو علماء اہل کتاب دینِ اسلام میں داخل ہوئے انہوں نے متفق الکلمہ ہو کر اس امر کا اقرار اور اعتراف کیا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کو اسی صفت پر پایا جیسا کہ توریت اور انجیل میں دیکھا اور پڑھا تھا اور مہر نبوت آپ کے خاتم النبین ہونے کی حسی دلیل تھی جس کو دیکھ کر علماء یہود اور نصاریٰ آپ کی نبوت اور ختم نبوت کی شہادت دیتے تھے۔عارف جامی فرماتے ہیں ؎

خاتم الانبیاء و رسل است دیگراں ہمچو جزو او چو کل است

وز پے او رسول دیگر نیست   بعد او ہیچ کس پیمبر نیست
چوں در آخر زماں بقولِ رسول   کند از آسماں مسیح نزول
پیرو دین و شرع او باشد   تابع اصل و فرع او باشد
دین ہمیں دین شرع او داند   ہمہ کس را بدین او خواند[1]

عقیدۂ دہم

تمام پیغمبروں کے سردار اور سب سے افضل اور بہتر ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ حق جل شانہ نے تمام پیغمبروں سے اس بات کا عہد لیا کہ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پاؤ تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لانا اور ان کی نصرت اور یاری کرنا جیسا کہ

وَاِذْ اَخَذَاللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنْصُرُنَّہٗ.

کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

اور حدیث میں ہے انا سید ولد آدم میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، اور ایک اور حدیث میں ہے:

آدم و من دونہ تحت لوائی

قیامت کے دن آدم اور ان کے سوا سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

---

(۱) وہ رسولوں اور انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں دوسرے انبیاء جزء کی طرح ہیں اور وہ کل کی طرح ہیں۔
اس کے بعد کوئی رسول نہیں ہے اور اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے۔
رسول اللہ ﷺ کے بقول آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے تو وہ ان کے دین اور ان کی شریعت کے پابند ہوں گے۔ ان کے اصول وفروع کے تابع ہوں گے۔
اسی دین کو وہ شریعت سمجھے گا اور سب لوگوں کو ان کے دین کی طرف بلائیں گے۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمام انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی ہے اول یہ کہ مجھ کو جوامع الکلم عطا کئے گئے یعنی ایسے کلمات جامعہ جن کے الفاظ تو بہت مختصر ہوں مگر بے شمار علوم اور معارف کے جامع ہوں جیسے ''انما الاعمال بالنیات'' اس قسم کی احادیث کی شرح میں علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ایک مہینے کی مسافت تک رہنے والے کافروں کے دل میں بلاسبب ظاہری میرا رعب ڈال دیا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ مال غنیمت میری امت کے لئے حلال کر دیا گیا جو پہلی امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ چوتھے یہ کہ مجھ کو تمام اولین اور آخرین کی شفاعت کا مرتبہ عطا ہوا کہ قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین اور تمام انبیاء و مرسلین مجھ سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور میں شفاعت کے لئے کھڑا ہوں گا اسی مقام شفاعت کا نام مقام محمود ہے۔ پانچویں یہ کہ مجھ سے پہلے ہر نبی ایک خاص قوم کے لئے مبعوث ہوتا تھا اور میں قیامت تک کے لئے تمام عالم کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ چھٹے یہ کہ مجھ پر نبوت ختم ہوگئی اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اذا کان یوم القیامۃ کنت امام النبیین

قیامت کے دن تمام انبیاء کا امام اور پیشوا ہوں گا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ تمام انبیاء کا خطیب ہوں گا اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سب سے پہلے قبر سے اٹھیں گے اور سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

دلیل عقلی

آپ کے افضل الانبیاء ہونے کی دلیل عقلی یہ ہے کہ آپ کی شریعت اور آپ کی کتاب یعنی قرآن کریم تمام شریعتوں اور تمام کتابوں سے افضل اور اکمل ہے اور آپ کے دلائل نبوت اور معجزات اور نشانات جو درجہ تواتر تک پہنچے وہ تمام انبیاء سابقین کے کل معجزات اور دلائل نبوت سے بڑھ کر ہیں۔ نیز ہر نبی کے معجزات ایک یا دو جنس کے ساتھ مخصوص تھے اور حضور پرنور کے معجزات ہر جنس سے ظاہر ہوئے حیوانات اور جمادات اور اشجار اور نباتات اور انسان اور جنات آسمان اور زمین غرض یہ کہ تمام اجزاء عالم میں آپ کا

معجزانہ تصرف ظاہر ہوا نیز جو کمالات تمام انبیاء سابقین کی ذوات مقدسہ میں متفرقاً پائے جاتے تھے وہ تمام حضور ﷺ کی ذات بابرکات میں جمع تھے۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری [1]

نیز جو معجزات انبیاء سابقین کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے وہ گزر گئے اور حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن شریف ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے وہ باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا اور پھر قرآن کریم میں عجیب بات یہ ہے کہ قرآن کریم آپ کی دعوت نبوت بھی ہے اور آپ کی نبوت کی دلیل اور حجت بھی ہے اور حضور ﷺ کی شریعت اور ہدایت کا منبع اور سرچشمہ بھی ہے اور بعینہٖ وہی قرآن ہے جس کو جبریل امین اللہ رب العالمین کی طرف سے خاتم النبیین کے پاس لے کر نازل ہوئے اس میں ایک حرف اور ایک نقطہ اور شوشہ کا فرق نہیں۔

عقیدۂ یازدہم

آنحضرت ﷺ کی بعثت اور نبوت تمام عالم کے لئے عام ہے یعنی حضور پرنور انبیاء سابقین کی طرح کسی خاص قوم کے نبی نہیں بلکہ تمام جہان کے لئے نبی ہیں اور آپ کی نبوت کی دعوت جن وانس سب کو شامل ہے جیسا کہ قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے بدلالت قطعیہ ثابت ہے:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاس

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعا

آپ یہ اعلان کر دیجئے اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں۔

تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْرا

---

(۱) حضرت یوسف کا حسن، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دم اور موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضاء (سفید ہاتھ) آپ رکھتے ہیں وہ تمام خوبیاں جو وہ رکھتے ہیں وہ سب آپ رکھتے ہیں۔

بابرکت ہے وہ ذات جس نے قرآن اپنے بندے (محمد رسول اللہ ﷺ) پر اتارا
تاکہ تمام جہانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔

پس حضور ﷺ پرنور تمام عالم کیلئے نبی ہیں اور قیامت تک آپ ہی کی نبوت کا دور دورہ رہے گا۔ اور دین اسلام کے سوا اور کوئی دین قبول نہ ہوگا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَام. وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْن.

اور حدیث میں ہے کہ جس یہودی اور نصرانی کو میری خبر پہنچے اور وہ مجھ پر ایمان نہ لائے اور اسی حالت میں مرجائے تو وہ دوزخیوں میں سے ہوگا۔ (مسلم)

حضور ﷺ چونکہ جن وانس دونوں کے رسول ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ کو رسول الثقلین کہتے ہیں حضور پُرنور کے حضور میں جنات کا حاضر ہونا اور قرآن شریف کا سننا اور ایمان لانا اور پھر واپس ہوکر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینا قرآن کریم کی سورہ جن میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے:

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰناً عَجَباً يَهْدِي اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِه ......الى اخر السورة.

غرض یہ کہ حضور ﷺ کی نبوت ورسالت کا جن اور انس کو شامل ہونا نص قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ فرشتوں کے بارہ میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت فرشتوں کو شامل ہے یا نہیں۔ قرآن اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے معصوم ہیں وہ مکلّف نہیں البتہ حضور ﷺ کی سیادت فرشتوں کو بھی شامل ہے شب معراج میں جبریل اور میکائل براق کی لگام اور رکاب تھامے ہوئے تھے اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اگر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرشتوں سے افضل نہ ہوتے تو فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم نہ ہوتا اور شیطان نے حضرت آدم کی خیریت اور افضلیت کو تسلیم نہ کیا۔ اور اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْن کے گمان فاسد میں رہا اس لئے بارگاہِ خداوندی سے ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار کرکے نکال دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں۔

دنیا میں سب سے پہلا کفر

دنیا میں سب سے پہلا کفر یہ ہوا کہ نبی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا شیطان خدا تعالیٰ کی توحید اور ربوبیت کا منکر نہ تھا رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِی ' کہہ کر عرض معروض کرتا رہا مگر نبی کے سامنے جھکنے کیلئے تیار نہ ہوا اس لئے ملعون اور مطرود اور مردود ہوا۔ معلوم ہوا کہ جو شخص نبی کے وجود باوجود کو حجت اور واجب الا طاعت نہ سمجھے وہ شیطان کا بھائی ہے۔

عقائد متعلقہ ملائکہ کرام

(۱) فرشتے حق تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں (۲) حق تعالیٰ کی نافرمانی سے پاک ہیں جس چیز کا ان کو حکم ہوتا ہے اس کو بجالاتے ہیں (۳) حق تعالیٰ کی رسالت اور سفارت اور تبلیغ احکام کی دولت سے مشرف ہیں (۴) پیغمبروں پر حق تعالیٰ کی کتابیں اور صحیفے انہی کے ذریعہ نازل ہوتے رہے (۵) نہایت امانت اور حفاظت کے ساتھ پہنچانے والے ہیں اور خطا اور غلطی سے مامون اور محفوظ ہیں فرشتوں نے جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا ہے وہ سب حق اور صدق اور صواب ہے اس میں ذرہ برابر کسی غلطی کا احتمال اور اشتباہ نہیں (۶) کھانے پینے اور پہننے اور زن و مرد اور توالد و تناسل سے پاک ہیں (۷) نورانی ہیں نور سے پیدا کیے گئے ہیں جس شکل میں چاہیں ظاہر ہوں بدن ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتا ہے (۸) فرشتے بہت ہیں ان کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے (۹) ہر وقت اللہ کی عبادت اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں کسی وقت بھی عبادت میں سست نہیں ہوتے (۱۰) خدا تعالیٰ نے جس کام پر ان کو مقرر کر دیا وہی کام کرتے ہیں۔

ملائکہ کی اقسام

آسمان اور زمین بلکہ تمام اجزاء عالم پر فرشتے مقرر ہیں۔ بحکم خداوندی اس کے مدبر اور نگہبان ہیں۔ ان میں بعض حاملان عرش ہیں اور بعض عرش کے گرد صف بستہ کھڑے ہیں اور بعض عرش کے طواف میں مشغول ہیں بعض جنت کے خازن ہیں۔ بعض

دوزخ کے خازن ہیں۔ بعض ملائکہ رحمت ہیں اور بعض ملائکہ عذاب وزحمت ہیں۔ بعض قبض ارواح پر مقرر ہیں اور بعض آدمیوں پر مقرر ہیں۔ بعض فرشتے اعمال کے لکھنے پر مقرر ہیں اور بعض آدمیوں کو شیطان اور موذی چیزوں سے بچانے کے لئے مقرر ہیں بعض قبر میں مردہ سے سوال کرنے پر مقرر ہیں۔ غرض یہ کہ دنیا اور آخرت کے مختلف کاموں پر فرشتے مقرر اور موکل ہیں اور مختلف کام ان کو تقسیم کردیئے گئے ہیں جیسا کہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے بلکہ تمام انبیاء کرام کے صحیفے اور کتابیں فرشتوں کے ذکر سے پُر ہیں اور تمام پیغمبروں کی شریعتیں فرشتوں کے ثبوت میں متفق ہیں۔ ان سب پر ایمان لانا ضروریات دین سے ہے اور فرشتوں کا انکار بلاشبہ کفر ہے۔

ملاحدہ فرشتوں کے وجود کے منکر ہیں۔ جن کے پاس سوائے اس کے کوئی دلیل نہیں کہ ہم ان کو نہیں دیکھتے یا ہمارے نزدیک ان کا وجود ثابت نہیں۔ یہ ان کا کلام غایت درجہ مہمل ہے جس کے رد کی بھی حاجت نہیں اس لئے کہ کسی چیز کا نہ دیکھنا یا نہ معلوم اور نہ ثابت ہونا اہل عقل کے نزدیک اس شی کے انکار کی وجہ نہیں بن سکتا۔ آخر یہ لوگ عقل اور علم کے وجود کے قائل ہیں بتلائیں کہ عقل اور علم کو کہاں اور کس طرح دیکھا ہے۔

تمام فرشتوں میں چار فرشتے اللہ تعالیٰ کے زیادہ مقرب ہیں:

جبرئیل علیہ السلام جو انبیاء پر وحی لے کر آیا کرتے تھے وحی کا لانا ان کے سپرد تھا۔

میکائیل علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کو روزی پہنچانے پر مقرر ہیں۔

اسرافیل علیہ السلام جن کے قیامت کے دن صور پھونکنا سپرد ہے۔

عزرائیل علیہ السلام جو تمام عالم کی روح قبض کرنے پر مقرر ہیں۔

جمہور علماء کے نزدیک جبرئیل امین سب سے افضل ہیں اور بعض احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ چاروں فرشتے فضیلت میں برابر ہیں۔

فائدہ:

فرشتے کی حقیقت میں اختلاف ہے۔ اہل اسلام کے نزدیک فرشتہ جسم نورانی ہے جو نور سے پیدا ہوا اور افعال قویہ پر قدرت رکھتا ہے اور ہر صورت اور شکل میں نمودار ہوسکتا ہے۔ حکماء کے نزدیک فرشتہ جوہر مجرد عن المادہ کا نام ہے۔

عقائد متعلقہ کتب منزلہ

حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر جو کتابیں اور صحیفے نازل کئے وہ سب حق ہیں ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں اور صحیفے انبیاء و مرسلین پر نازل فرمائے ان کی تعداد ایک سو چار ہے۔ ان میں سے چھوٹے چھوٹے پچاس صحیفے حضرت شیث پر اور تیس حضرت ادریس پر اور دس حضرت ابراہیم پر اور دس حضرت آدم پر اترے اور چار بڑی اور مشہور کتابیں توریت، زبور، انجیل، قرآن کریم حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہم وسلم پر نازل ہوئیں۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور گذشتہ تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے لئے ناسخ ہے قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ اعجاز نظم قرآن کریم کا خاصہ ہے اور دیگر صحیفے فقط باعتبار معنی کے معجز تھے اور قرآن کریم نظم اور معنی دونوں اعتبار سے معجز ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم کے سوا جو کتابیں اس وقت یہود اور نصاریٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ ہم پر ان کی تصدیق لازم نہیں ہم فقط اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ جو توریت اور انجیل اور زبور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمائی تھی وہ برحق تھی اور اس زمانہ کے لوگوں پر اس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا فرض تھا اسی طرح ہم ان تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر اتاریں۔ لیکن موجودہ توریت و انجیل بعینہ وہ توریت اور انجیل نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر اتاریں تھی قرآن اور حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ توریت اور انجیل سب محرف ہیں اور اسی پر علماء نقل کا اجماع ہو چکا ہے اس لئے اس میں وہی حصہ ماننے کے قابل ہے جس کی تصدیق ہم کو قرآن اور حدیث سے ہو جائے باقی موجودہ توریت اور انجیل وغیرہ آسمانی کتاب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے کہ موجودہ توریت اور انجیل میں بکثرت ایسے مضامین

موجود ہیں جو حق جل شانہ کی شان تنزیہ اور تقدیس کے خلاف ہیں اور صدہا مضامین ایسے ہیں کہ جو حضرات انبیاء کی عصمت اور نزاہت وطہارت کے خلاف ہیں۔ تعارض اور نسخوں کا اختلاف اس کے علاوہ رہا ہر دس سال کے بعد بائبل کا نسخہ پہلی طبع سے مختلف ہے یہ بھی اس کے محرف ہونے کی واضح دلیل ہے۔

ایک مرتبہ یہود نے حضور پُر نور کی خدمت میں زنا کا مقدمہ پیش کیا آپ نے فرمایا کہ توریت میں رجم یعنی سنگسار کرنے کا حکم مذکور ہے۔ یہود نے انکار کیا۔ آپ نے اتمام حجت کے لئے توریت نکالی اور یہودیوں کو آیت رجم دکھلا دی گئی تا کہ ان کی خیانت اور دیدہ و دانستہ حق پوشی سب پر واضح ہو جائے۔ سو آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ توریت کی فلاں آیت منزل من اللہ ہے اور فلاں آیت محرف اور خود ساختہ ہے آپ کے سوا دوسرے کو یہ بات معلوم نہیں ہو سکتی لہٰذا اور کسی کے لئے موجودہ توریت کی تصدیق روا اور درست نہیں اور نہ اس کو خدا کی طرف سے سمجھنا جائز ہے۔

عقیدۂ دوازدہم

ناسخ اور منسوخ اپنے اپنے وقت پر حق ہیں۔ نسخ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی امر کے متعلق کوئی حکم دیں پھر اس کے بعد دوسرا حکم دیں جس سے پہلا حکم منسوخ ہو جائے اس کے بعد دوسرے حکم پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور پہلے پر عمل کرنا ناجائز۔ ناسخ اور منسوخ پر ایمان لانا ضروری ہے جس طرح انجیل سے توریت منسوخ ہوئی اسی طرح قرآن کریم سے تمام کتابیں منسوخ ہو گئیں حضور پُر نور ﷺ کی وفات کے بعد نسخ مرتفع ہو گیا۔ اس لئے کہ آپ پر نبوت ختم ہو گئی جب آپ کے بعد نبوت نہیں تو نسخ بھی نہیں۔ جاننا چاہئے کہ نسخ احکام میں ہوتا ہے واقعات اور حکایات میں نہیں ہوتا زمان اور مکان حالت اور ضرورت اور مصلحت کے بدلنے سے احکام میں تغیر و تبدل کا عین حکمت اور عین مصلحت ہونا تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے۔ مریض کے حالات بدلنے سے نسخہ میں ردوبدل فن طبابت کا مقتضیٰ ہے۔ نسخ کے منکر صرف یہود ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد جو شریعتیں آئیں ان کی تکذیب کی جائے اس لئے یہود نے توریت کے بعد کی شریعتوں کی تکذیب

کیلئے ایک قاعدہ بنالیا کہ احکام خداوندی میں نسخ ممکن نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا وہ بعد میں منسوخ ہوا حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں منسوخ ہوا۔ بنی اسرائیل کا قبلہ شروع میں مصر تھا پھر بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔

عقائد متعلقہ بامور آخرت

تمام آسمانی کتابیں اور انبیاء کرام کی شریعتیں اس امر پر متفق ہیں کہ آخرت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ انبیاء کرام نے توحید کے بعد امتوں کو روزِ آخرت سے آگاہ کیا اور یہ بتلایا کہ جس طرح اس عالم کی ابتدا ہے اسی طرح اس کی ایک انتہا ہے۔ مرنے کے بعد پھر تمام مخلوق زندہ ہوگی اور دنیا میں کیئے ہوئے کاموں سے باز پرس ہوگی اور اعمال کی جزاء اور سزا ملے گی۔ تمام ادیان سماویہ اس پر متفق ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام میں خدا پر ایمان لانے کے ساتھ ہی یوم آخرت پر ایمان لانے کا بیان فرمایا ہے۔ اور آخرت کے ذکر سے قرآن بھرا پڑا ہے:

وَقَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ.

جو لوگ خدا تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے ساتھ قتال کرو۔

اور آیات اور احادیث متواترہ اور اجماعِ امت سے یہ بھی ثابت ہے کہ مرنے کے بعد اور حشر سے پہلے بھی نیک اور بد کو کچھ سزا ملتی ہے کیونکہ موت کے معنی فناء اور عدم کے نہیں بلکہ روح کا بدن سے جدا ہوجانے کا نام موت ہے اور اصل انسان یہی روح ہے اور جسم بمنزلہ لباس کے ہے اور روح فنا نہیں ہوتی بلکہ بدن سے جدا ہو کر دوسرے عالم میں چلی جاتی ہے جیسا کہ دلائل عقل اور نقل سے ثابت ہے اس لئے مرنے کے بعد سے حشر تک جو زمانہ ہے وہ معطل نہیں گزرتا بلکہ اس میں بھی مردہ کو کچھ سزاء اور جزاء ملتی ہے۔ اہل اسلام کے نزدیک عالم آخرت کے دو طبقے ہیں اول مرنے سے لے کر حشر تک اور دوسرا قیامت سے ابدالآباد تک۔ پہلے طبقہ کو عالم برزخ کہتے ہیں اور دوسرے طبقہ کو عالم حشر کہتے ہیں۔

امور آخرت کے بارہ میں اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ مخبر صادق یعنی نبی اکرم ﷺ نے

جو خبریں دی ہیں وہ سب حق اور سچ ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے اس لئے کہ وہ تمام امور عقلاً ممکن ہیں عقل سلیم کسی امر کو محال نہیں بتلاتی اور جو ان کے محال اور ناممکن ہونے کا دعویٰ کرے وہ دلیل بیان کرے اور برہان قائم کرے۔

اور محض کسی شئے کا عجیب و غریب ہونا یا اس کا غیر محسوس ہونا یا کسی کی سمجھ میں نہ آنا عقلاً یہ دلیل اس کے محال ہونے کی نہیں ہوسکتی۔ عرب کے بت پرست توحید کو سن کر یہ کہتے تھے:

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَا اِلَّا اخْتِلَاقٌ.

ہم نے کبھی کسی مذہب میں یہ نہیں سنا کہ خدا بھی ایک ہوتا ہے یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔

شعیب علیہ السلام جب لوگوں کو اللہ کی عبادت کا حکم دیتے اور خرید و فروخت میں خیانت کرنے سے منع فرماتے تو جواب میں یہ کہتے:

قَالُوْا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرَاكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا.

اے شعیب! ہم لوگ آپ کی بہت سی باتوں کو سمجھتے نہیں اور ہم آپ کو عقل اور قوت کے اعتبار سے کمزور دیکھتے ہیں۔

اسی طرح آج کل کے مغرور اور متکبر جب کوئی دین کی بات سنتے ہیں اور ان کی لولی اور لنگڑی عقل میں نہیں آتی تو نہایت بیباکی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے کبھی ایسا نہیں سنا۔ اور ہم ان آیتوں اور حدیثوں کا مطلب نہیں سمجھتے وغیرہ وغیرہ۔

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا.

سو خوب سمجھ لو کہ ان احمقانہ اور متکبرانہ کلمات سے کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی دلیل نہ بیان کی جائے۔ غرض یہ کہ حضرات انبیاء کرام نے جن امور کی خبر دی ہے وہ سب عقلاً ممکن ہیں اور عقلاء عالم کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جو چیز عقلاً ممکن ہو اور کوئی مخبر صادق اس کی خبر دے تو عقلاً اس کی تصدیق اور تسلیم ضروری ہے۔ پس اسی طرح امور آخرت کے متعلق انبیاء کرام نے جو خبریں دی ہیں ان کی تصدیق کرنا اور ان پر ایمان لانا شرعاً اور عقلاً ہر طرح ضروری اور لازم ہوگا۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ شریعت کی کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں

البتہ فوق العقل اور وراء العقل ہیں یعنی عقل سے بالا اور برتر ہیں اور وہاں تک عقل کی رسائی نہیں اور عقل میں اتنی طاقت نہیں کہ آسمان شریعت تک پرواز کر سکے۔ اور کسی چیز کا عقل سے بالا اور برتر ہونا اور شئے ہے اور خلاف عقل ہونا اور شئی ہے کیونکہ مخالفت مطلب تک پہنچنے کے بعد متصور ہو سکتی ہے۔ جس طرح عقل انسانی عقل حیوانی سے بالا اور برتر ہے اسی طرح عقل پیغمبری عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہے۔ جس طرح گھوڑے اور گدھے انسانی مصنوعات کو دیکھ کر حیران ہوتے ہیں اسی طرح بڑے بڑے عقلاء حضرات انبیاء کرام کی باتوں کو سن کر حیران ہوتے ہیں۔ کسی شخص کا انبیاء کرام کی باتوں کے متعلق یہ کہنا کہ یہ خلاف عقل ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک حیوان انسانی افعال کو سن کر یہ کہے کہ یہ سب باتیں خلاف عقل ہیں۔ حیوان کا ادراک انسان کے افعال تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ یہ حکم لگائے کہ یہ افعال خلاف عقل ہیں۔

عالم برزخ

مرنے کے بعد بعث تک انسان عالم برزخ میں رہتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ.

اور اسی کو عالم قبر بھی کہتے ہیں اس پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے۔

عقیدہ اول

قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر اور نکیر کا سوال حق ہے۔ قبر سے وہ گڑھا مراد نہیں جس میں مردہ کا جسم دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان میں ایک عالم ہے۔ جو من وجہ دنیا کے مشابہ ہے اور من وجہ آخرت کے اس لئے کہ مرنے کے بعد اپنے ذاتی اعمال تو منقطع ہوگئے مگر زندوں کی دعاؤں اور صدقات اور خیرات سے اس کو نفع پہنچتا رہتا ہے اور پس ماندوں کی دعاؤں سے اس کے گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں تاکہ قیامت کے دن جب قبر سے اٹھے تو پاک اور پاکیزہ اٹھے۔ برزخ اس چیز کا نام ہے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اور شریعت میں عالم برزخ اس جہان کو کہتے ہیں کہ جو اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان حائل ہے اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے ایک جہان بسایا ہے جسے عالم برزخ کہتے ہیں جو دنیا سے اتنا زیادہ وسیع ہے جتنی دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے یہاں ایمان اور کفر اور طاعت اور معصیت کا اثر آنکھوں سے نظر آجاتا ہے۔ اصل عذاب اور اصل سزا تو قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد ملے گی اور عالم برزخ کے سانپ اور بچھو وغیرہ وغیرہ بطور ماحضر اور بطور نمونہ کے ہیں۔ عالم برزخ میں پہنچنے کے بعد جو بات سب سے پہلے پیش آتی ہے وہ منکر ونکیر کا سوال ہے یہ اس وقت ہوتا ہے کہ جب خویش و اقارب مردہ کو قبر میں رکھ کر واپس ہوتے ہیں اور روح انسانی

جسم خاکی کی طرف عود کرتی ہے تو دو فرشتے منکر ونکیر بحکم خداوندی قبر میں آ کر اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور اس مرد یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اگر مسلمان ہے تو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور یہ شخص محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول برحق ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ تجھ کو کیسے علم ہوا وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اور اس کی تصدیق کی۔

حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے قول:

يُثَبِّتُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

میں فرشتوں کے جواب میں ثابت رکھنا مراد ہے۔ پھر آسمان کی طرف سے ایک آواز دینے والا کہتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دو پس جنت کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں اور وہاں کی خوشبوئیں اور ٹھنڈی ہوائیں آنے لگتی ہیں اور اگر مردہ کافر یا منافق ہے تو کہتا ہے

ھاہ ھاہ لا ادری

ہائے ہائے مجھ کو کچھ خبر نہیں

تو فرشتے اس کو لوہے کے گرزوں سے مارتے ہیں اور جہنم کے دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (رواہ ابوداؤد)

فائدہ (۱):

قبر میں انبیاء کرام سے سوال نہیں ہوتا۔ اور ایسا ہی شہداء اور مسلمانوں کے بچوں سے بھی سوال نہیں ہوتا۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جو شخص شب جمعہ یا روز جمعہ میں وفات پائے یا جو شخص ہر رات کو سورہ تبارک الذی بیدہ الملک پڑھا کرے یا استسقاء یا اسہال کی بیماری میں مرے اس سے بھی قبر میں سوال نہیں ہوتا۔

فائدہ (۲):

قبر کا ثواب اور عذاب دنیا جیسی جزاء اور سزا نہیں کہ جو ان آنکھوں سے نظر آ سکے وہ

دوسرا عالم ہے، جیسے نبی کریم علیہ السلام کی پاس جبریل امین آتے تھے حضور ﷺ تو ان کو دیکھتے تھے اور آپ کے سوا اور کوئی نہیں دیکھتا تھا اس لئے کہ وہ دوسرا عالم تھا اسی طرح عالم برزخ دوسرا عالم ہے اس عالم کے سانپ کے دیکھنے کے لئے دنیا کی آنکھیں کافی نہیں نیز دکھانا اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز سامنے ہو مگر خدا تعالیٰ نہ دکھلانا چاہیں تو کون دیکھ سکتا ہے۔

عقیدۂ دوم

مردہ مومن کو زندہ مسلمانوں کی دعاؤں اور صدقات اور خیرات سے نفع پہنچتا ہے اگر مسلمان مردہ عذاب میں مبتلا ہے تو پس ماندوں کی دعا اور ان کی خیرات سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے اور اگر عذاب میں مبتلا نہیں تو اس کے درجات میں زیادتی ہوجاتی ہے۔

اور زندوں کی طرف سے مردوں کو صدقات اور خیرات کا ثواب پہنچنے میں اس قدر احادیث آئی ہیں کہ اگر چہ وہ اخبار اخبار آحاد ہیں لیکن ان کی قدر مشترک متواتر ہے اور سلف اور خلف سب اسی کے قائل رہے۔ صرف معتزلہ اس کے منکر ہیں کہ ہر آدمی کا نفع اور ضرر خاص اسی کے عمل سے متعلق ہے۔

فائدہ:

زندہ مسلمانوں کی دعا اور خیرات سے مسلمان مردہ کو نفع پہنچتا ہے مردہ کافر کے لئے دعا اور صدقہ ہرگز نفع نہیں دیتا۔ کیونکہ کافروں کے تمام اعمال حبط ہیں اور نہ کسی کی دعا وغیرہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوسکتی ہے۔

لَایُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَاهُمْ یُنْصَرُوْنَ.(۱)

---

(۱) پس نہ ان کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ (بقرہ ۸۶)

عقائد متعلقہ بہ علامات قیامت

قرآن اور حدیث اور تمام انبیاء کرام کی شریعتوں سے اور تمام صحابہ وتابعین اور علماء سلف اور خلف کے اجماع سے یہ بات درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے کہ ایک دن تمام دنیا کی زندگی صور اسرافیل کے نفخہ اماتت سے تمام ہو جائے گی۔ حضرت اسرافیل کے صور پھونکتے ہی زمین اور آسمان اور ان میں جو کچھ ہے وہ سب فنا ہو جائیں گے اور چالیس سال بعد حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے جس کے سبب تمام مردے جی اٹھیں گے۔ پہلے صور پھونکنے کا نام نفخہ اماتت ہے اور دوسری بار صور پھونکنے کا نفخہ احیاء ہے اور ایک مرتبہ تمام عالم کا فنا ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر کھڑا ہو جانے کا نام قیامت ہے۔ اس دوبارہ زندہ کرنے کا مقصد یہ ہوگا کہ جو لوگ دنیا میں انبیاء کرام کی ہدایتوں پر چلے ان کو جزا اور انعام ملے اور جو لوگ انبیاء کرام کی ہدایتوں سے منحرف رہے ان کو اس اعراض اور انحراف کی سزا دی جائے اور مظلوم کا ظالم سے انتقام لیا جائے۔

عدالت میں اگر کوئی مقدمہ پیش ہوتا ہے تو وہ دو مہینہ اور چار چار مہینہ کی پیشی لگتی ہے۔ قیامت تمام عالم کے مقدمات کی پیشی کی تاریخ ہے۔ خوب سمجھ لو اور تیاری کر لو جو خداوند علیم وقدیر اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے تمام انسانوں اور جانوروں اور سمندر کی مچھلیوں اور زمین کی چیونٹیوں کی وقتِ واحد میں بلا کسی غلطی کے روزی پہنچانے پر قادر ہے۔ وہی علیم وقدیر خدا اسی طرح اپنی پیدا کی ہوئی تمام مخلوق کا وقتِ واحد میں بلا کسی غلطی کے حساب کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس بے شمار مخلوق کا وقتِ واحد میں حساب لینا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ اس بے شمار اور مختلف الاقسام مخلوق کا پیدا کرنا دشوار ہے فقط فرق اتنا ہے کہ خدا کی یہ بے شمار مخلوق نظروں کے سامنے ہے انکار کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور قیامت کا حساب و کتاب نظروں سے پوشیدہ ہے اس لئے ملحد اور بے دین اس کا انکار کرتے ہیں۔ عقل تو ہے نہیں کہ کچھ سمجھیں اور بوجھیں جو دیکھ لیا اس کو مجبوراً مان لیا اور جو نہ دیکھا اس کا انکار کر دیا۔ بے عقل کا یہی طریق ہے کہ جب تک آنکھ سے دیکھ نہیں لیتا اس وقت تک نہیں مانتا۔ قرآن اور حدیث اس آنے والے حادثہ یعنی قیامت کی خبر سے بھرا پڑا ہے اس پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے۔ حق جل شانہ نے قیامت کے قائم ہونے کا وقت کسی کو نہیں بتلایا کہ

قیامت کس تاریخ میں آئے گی البتہ انبیاء کرام کو اس آنے والے واقعہ کی علامتوں سے بذریعہ وحی کے آگاہ فرمایا ہے۔ خاتم الانبیاء سید الاصفیا علیہ ﷺ نے بطور پیشین گوئی قیامت سے پہلے پیش آنے والے بہت سے واقعات اور فتنوں کی خبر دی ہے اور امت کو قیامت کی علامتوں سے خوب آگاہ کر دیا ہے۔ قیامت کی علامات دو قسم کی ہیں ایک صغریٰ اور دوسری کبریٰ۔

۱۔علامتِ صغریٰ:

علاماتِ صغریٰ وہ کہلاتی ہیں کہ جو حضور پُر نور ﷺ کی پیدائش سے لے کر امام مہدی کے ظہور اور پیدائش تک ظہور میں آئیں گے۔

۲۔علاماتِ کبریٰ:

اور علاماتِ کبریٰ وہ کہلاتی ہیں کہ جو امام مہدی کے ظہور کے بعد سے نفخ صور تک ظہور میں آئیں گی۔

قیامت کی علاماتِ صغریٰ کا بیان

قیامت کی علامت صغریٰ میں سب سے پہلی علامت خاتم الانبیا ﷺ کی بعثت اور وفات ہے اسی وجہ سے کتبِ سابقہ میں حضور کا لقب نبی الساعت تھا یعنی قیامت کا نبی۔ جو آخری نبی ہوگا اور قیامت اس کی امت پر قائم ہوگی۔ پھر فتنہ ارتداد کا ظہور اور صحابہ کرام کے ہاتھ اس کا انسداد جس کی خبر

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَايَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ.(۱)

---

(۱) اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کردے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، جو مومنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (مائدہ ۵۴،۵۳)

دی گئی ہے کہ عنقریب فتنہ ارتداد پیش آئے گا اور اس کا انسداد تیغ بے دریغ سے ہوگا۔
چنانچہ حسب پیشین گوئی حضور ﷺ کی وفات کے بعد بہت سے لوگ مرتد ہو گئے کوئی بت پرست بنا اور کوئی مدعی نبوت مسیلمہ کذاب جیسوں کا پیرو ہوا۔ صحابہ کرام نے تمام مرتدین اور مدعیان نبوت کو اور ان کے پیروؤں کو اپنی تیغ بے دریغ سے قتل کیا اور سب کو واصل جہنم کیا۔ پھر بیت المقدس کا فتح ہونا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا۔ پھر مسلمانوں میں باہمی فتنوں کا ہونا جس کا ظہور حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں ہوا اور اس قسم کی بے شمار علامتوں کی خبر دی جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ مثلاً

۱۔ علم کا اٹھ جانا اور جہل کا زیادہ ہونا۔ ۲۔ زنا کاری اور شراب خوری کی کثرت۔
۳۔ لب سڑک زنا کا ہونا اور جانوروں کی طرح اپنی خواہش کو پورا کرنا۔
۴۔ عورتوں کا زیادہ ہونا اور مردوں کا کم ہونا یہاں تک کہ پچاس عورتوں کا خبر گیراں ایک مرد ہوگا۔
۵۔ مزامیر اور معازف یعنی گانے بجانے کے سامان کا اور گانے والی عورتوں کا علانیہ طور پر ہو جانا۔
۶۔ جھوٹ کا عام طور پر پھیل جانا۔ ۷۔ ماں کی نافرمانی اور بیوی کی اطاعت۔
۸۔ دوستوں کو قریب بٹھلانا اور باپ کو دور کرنا۔ یاروں سے رغبت اور باپ سے نفرت۔
۹۔ حکام کا ملک کے محاصل کو اپنی ذاتی دولت سمجھنا۔ ۱۰۔ امانت کو لوٹ کا مال سمجھ کر دبا لینا
۱۱۔ احمقوں اور نالائقوں کا امیر اور حاکم ہونا۔
۱۲۔ رذیلوں اور فاسقوں کا اپنے اپنے قبیلہ کا سردار ہونا۔
۱۳۔ حیا اور شرم کا اٹھ جانا۔ ۱۴۔ ظلم اور ستم کا رواج ہو جانا وغیرہ وغیرہ

ان کے علاوہ اور بھی قیامت کی بہت سی علامتیں ہیں جو احادیث صحیحہ میں آتی ہیں۔ وہ سب حق اور بجا اور درست ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر ظاہر ہو چکی ہیں اور وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ اب ہم قیامت کی ان علاماتِ کبریٰ اور بڑی بڑی نشانیوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو قیامت کے قریبی زمانہ میں ظاہر ہوں گی۔

قیامت کی علاماتِ کبریٰ کا بیان

گذشتہ فصل میں ہم نے قیامت کی علامات صغریٰ کو مجملاً کچھ شمار کر دیا۔ تفصیل کیلئے کتب حدیث کی طرف مراجعت کریں۔ اب ہم قیامت کی ان علامات کبریٰ کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جن کی نسبت آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے کہ وہ نشانیاں قیامت کے قریب ظاہر ہوں گی جیسے امام مہدی کا ظہور اور دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ بن مریم کا آسمان سے نزول اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کا خروج وغیرہ وغیرہ ان کو اشراط ساعت کہتے ہیں:

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا.

ان تمام علامتوں کو حق اور بجا اور درست سمجھنا اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ملحد اور بے دین لوگ جب ان آیات کو سنتے ہیں تو یا تو قطعاً ان آیات کے وقوع ہی کا انکار کر دیتے ہیں یا ان میں ایسی تاویل کر لیتے ہیں کہ جس سے اصل حقیقت مخفی اور پوشیدہ ہو جاتی ہے اور وہ معنی باقی نہیں رہتے جو صحابہ و تابعین سے لے کر اس وقت تک علماء امت نے سمجھے تھے اب اگر کوئی ظاہراً ظہور مہدی اور نزول مسیح وغیرہ پر ایمان بھی لاتا ہے تو وہ ایمان اس جدید اور من گھڑت معنی پر ہوتا ہے جو اس نے از خود تراشے ہیں۔ صحابہ و تابعین کے سمجھے ہوئے معنی پر ایمان نہیں ہوتا خوب سمجھ لو کہ آخرت میں تو وہی معنی معتبر ہوں گے جو صحابہ و تابعین نے سمجھے ہیں۔

۱۔ ظہور مہدی:

قیامت کی علامت کبریٰ میں پہلی علامت امام مہدی کا ظہور ہے۔ مہدی لغت میں ہر ہدایت یافتہ کو کہتے ہیں۔ معنی لغوی کے لحاظ سے ہر اس عالم کو جس کا علم صحیح ہو اس کو مہدی کہا جا سکتا ہے بلکہ ہر سچے اور پکے مسلمان کو مہدی کہا جا سکتا ہے لیکن جس مہدی موعود کا ذکر احادیث میں آیا ہے اور آنحضرت ﷺ نے اخیر زمانہ میں اس کے ظہور کی خبر دی ہے اس سے ایک خاص شخص مراد ہے جو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ہوگا اس کا نام محمد اور اس کے باپ کا نام عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا صورت اور سیرت

میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہوگا مدینہ کے رہنے والے ہوں گے مکہ میں ظہور ہوگا شام اور عراق کے اولیاء اور ابدال ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور رتاج الکعبہ یعنی جو خزانہ خانہ کعبہ میں مدفون ہے وہ نکال کر مسلمانوں پر تقسیم فرمائیں گے۔ اولاً عرب اور پھر تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے۔ دنیا کو عدل اور انصاف سے بھر دیں گے جیسا کہ اس سے پیشتر ظلم وستم سے بھری ہوگی۔ شریعت محمدیہ کے مطابق ان کا عمل درآمد ہوگا۔ امام مہدی کے زمانہ میں دجال نکلے گا۔ اور انہی کے زمانہ بادشاہت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کے شرقی منارہ پر صبح کی نماز میں نازل ہوں گے اور امام مہدی کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے۔ امام مہدی نصاریٰ سے جہاد کریں گے اور قسطنطنیہ کو فتح فرمائیں گے۔

فائدہ جلیلہ:

اہل سنت والجماعت کے عقائد میں سے ہے کہ امام مہدی کا ظہور اخیر زمانہ میں حق اور صدق ہے۔ اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے اس لئے کہ امام مہدی کا ظہور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس کی بعض تفصیلات اخبار آحاد سے ثابت ہوں۔ عہد صحابہ وتابعین سے لے کر اس وقت تک امام مہدی کے ظہور کو مشرق ومغرب میں ہر طبقہ کے مسلمان علماء اور صلحاء عوام اور خواص ہر قرن اور ہر عصر میں نقل کرتے چلے آئے ہیں۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے امام مہدی کے بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں ان تمام احادیث اور آثار صحابہ کو جمع کیا ہے کہ جو امام مہدی کے بارہ میں آئی ہیں۔ اس رسالہ کا نام "العرف الوردی فی اخبار المھدی" ہے چھپ چکا ہے اور علامہ سفارینیؒ نے شرح عقیدہ سفارینیہ صفحہ ۶۷ جلد ۲ میں العرف الوردی کی تمام احادیث کی تلخیص کی ہے اور ان کو خاص ترتیب سے بیان کیا ہے۔ حضرات اہل علم اس کی مراجعت فرمائیں۔ شیخ ابن حجر مکی نے مہدی منتظر کی علامات میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں دوسو تک علامتیں لکھی ہیں۔ بڑے ہی نادان ہیں، وہ لوگ کہ جو باوجود اس کے کہ احادیث میں مہدی موعود کا حال اس درجہ صاف اور واضح ہے پھر بھی گمراہ ہو رہے ہیں اور مدعیان مہدویت کے پیرو ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ آمین

مدعیان مہدویت

بہت سے لوگوں نے مہدی موعود ہونے کے دعوے کئے مگر احادیث میں جو مہدی موعود کی علامتیں آئی ہیں۔ وہ علامتیں کسی میں بھی نہیں پائی گئیں اور نہ کوئی مدعی مہدویت وہ علامتیں اپنے اندر دکھلا سکا نہ بتلا سکا۔ بجائے اس کے کہ وہ مدعی ان علامتوں کو اپنے اندر دکھلاتا۔ اس نے ان علامتوں ہی میں تاویلیں شروع کردیں اور بجائے حقیقی علامتوں کے ان تاویلی علامتوں کو اپنے اوپر چسپاں کر کے بتلایا۔ ایسی تاویلی علامتوں سے اگر مہدی بننا ممکن ہے تو پھر مہدی بننا بہت آسان ہے جس کا جی چاہے مہدی بن جائے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مدعی وہ مہدی موعود تو نہ ہوگا کہ جس کا احادیث نبویہ میں ذکر آیا ہے اس لئے کہ جب احادیث کے مطابق اس میں مہدی موعود کی علامتیں نہ ہوئیں تو حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق تو مہدی موعود نہ ہوا بلکہ اس مدعی کی من گھڑت تاویلی علامتوں والا مہدی ہوا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نہ مہدی کی کوئی علامت اپنے اندر دکھلا سکا اور نہ مسیح کی کوئی علامت بتا سکا۔ تو مثیل مسیح ہونے کا مدعی بنا کہ میں ان کے مماثل اور مشابہ ہوں لیکن مماثلت اور مشابہت بھی ثابت نہ کر سکا سوائے زبانی جمع خرچ کے کچھ بھی نہیں۔ مرزائے قادیان عجیب قسم کا مہدی اور مسیح ہے جن کو (انگریزوں کو) کافر اور دجال بتلاتا ہے ان سے جہاد وقتال کو حرام بتاتا ہے اور ان کی سلطنت کے لئے دعا کو فرض اور لازم بتلاتا ہے۔ اے مسلمانوں کیا مسیح، دجال کے قتل کرنے کے لئے نازل ہوں گے یا اس کی بقاء اور عروج کی دعا کرنے کے لئے نازل ہوں گے۔

۲۔ خروج دجال:

قیامت کی علامات کبریٰ میں سے دوسری علامت خروج دجال ہے جو احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

دجال دجل سے مشتق ہے جس کے معنی لغت میں بڑے جھوٹ اور مکر اور فریب اور حق اور باطل کو خلط ملط کرنے کے ہیں۔ معنی لغوی کے لحاظ سے ہر جھوٹے اور مکار کو دجال

کہہ سکتے ہیں لیکن حدیث شریف میں جس دجال موعود کے خروج کی خبر دی گئی ہے وہ ایک خاص کافر شخص کا نام ہے جو قوم یہود سے ہوگا اور مسیح اس کا لقب ہوگا۔ کانا ہوگا اور ایک آنکھ میں انگور کے دانہ کے برابر ناخونہ ہوگا۔ دونوں آنکھوں کے درمیان ک ف ر لکھا ہوا ہوگا جس کو ہر ایک شخص پڑھ لے گا۔ بال اس کے نہایت پیچیدہ ہوں گے۔ ایک بڑا گدھا اس کی سواری ہوگا۔ سب سے پہلے اس کا ظہور شام اور عراق کے درمیان ہوگا اور نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ پھر اصفہان آئے گا وہاں ستر ہزار یہودی اس کے تابع ہو جائیں گے بعد ازاں وہ دعویٰ خدائی کا کرے گا اور زمین میں فساد پھیلاتا پھرے گا۔ حق تعالیٰ بندوں کے امتحان کے لئے اس کے ہاتھ سے قسم قسم کے کرشمے اور خارق عادت امور ظاہر فرمائیں گے اور خوار ورسوا کریں گے اور عجیب وغریب دلیل سے اس کا عاجز ہونا ظاہر فرمائیں گے وہ یہ کہ اخیر میں ایک شخص کو قتل کر کے زندہ کرے گا اور پھر اس کو قتل کرنا چاہے گا لیکن اس کے قتل پر ہرگز قادر نہ ہوگا تو اس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ یہ شخص دعوائے خدائی میں بالکل جھوٹا ہے اس لئے کہ اول تو اس کا کانا ہونا ہی اس کے خدا نہ ہونے کی نہایت روشن اور بین دلیل تھی۔ دوم یہ کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ک ف ر لکھا ہوا ہوگا۔ سوم یہ کہ قتل کرنا ایسا فعل ہے جو بشر کی قدرت میں داخل ہے۔ ایک ناتواں انسان بھی ایک پہلوان کو تلوار سے قتل کرسکتا ہے جب یہ لعین اس معمولی فعل پر بھی قادر نہیں تو احیاء موتی پر بدرجہ اولیٰ قادر نہ ہوگا اور یہ جو چندروز اس کے ہاتھ احیاء موتی کا ظہور ہوتا رہا وہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل تھا اس کے ہاتھ سے جو کرایا گیا وہ محض استدراج اور ابتلاء اور امتحان تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جب مردہ لایا جاتا تو حضرت علیہ السلام حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور بارگاہِ خداوندی میں دعا مانگتے کہ اے پروردگار تو اپنی قدرت سے اس مردہ کو زندہ فرما۔ حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے مردہ کو زندہ فرما دیتے اس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی کا شبہ بھی نہ ہوتا بلکہ ان کا خدا کا مقبول اور برگزیدہ بندہ ہو جانا ثابت ہو جاتا۔

خروج دجال کب ہوگا

امام مہدی ظاہر ہونے کے بعد نصاریٰ سے جہاد وقتال کریں گے یہاں تک کہ

جب قسطنطنیہ کو فتح فرما کر شام واپس ہوں گے اور شہر دمشق میں مقیم ہوں گے اور مسلمانوں کے انتظام میں مصروف ہوں گے اس وقت دجال کا خروج ہوگا۔ دجال مع اپنے لشکر کے زمین میں فساد مچاتا پھرے گا۔ یمن ہو کر مکہ مکرمہ کا رخ کرے گا مگر مکہ مکرمہ پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا اس لئے دجال مدینہ منورہ کا ارادہ کرے گا۔ مدینہ منورہ کے دروازوں پر بھی فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ اس لئے دجال مدینہ منورہ میں بھی داخل نہ ہو سکے گا۔ بالآخر پھر پھرا کر شام واپس آئے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے نازل ہوں گے اور لعین کو قتل فرمائیں گے جیسا کہ آئندہ علامات کے بیان میں آئے گا۔

۳۔ نزول عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علی نبینا وعلیہ وسلم:

قیامت کی علامات کبریٰ میں سے تیسری علامت قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نازل ہونا اور دجال لعین کو قتل کرنا جو حق اور سچ ہے اور قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اس کی تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا فرض اور ضروری ہے۔

دجال اعور خروج کر چکا ہوگا اور امام مہدی دمشق کی جامع مسجد میں نماز کے لئے کھڑے ہوں گے کہ یکا یک عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر آسمان سے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے نزول فرمائیں گے اور بعد از فراغ نماز بمعیت امام مہدی دجال پر چڑھائی کریں گے۔ حضرت عیسیٰ کے سانس میں یہ تاثیر ہوگی کہ کافر اس کی تاب نہ لا سکے گا۔ اس کے پہنچتے ہی مر جائے گا۔ اور دجال حضرت عیسیٰ کو دیکھتے ہی ایسا پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کا تعاقب کریں گے اور باب لُدّ[1] پر جا کر اس کو اپنے نیزہ سے قتل کریں گے اور اس کا خون مسلمانوں کو دکھلائیں گے بعد ازاں لشکر اسلام دجال کے لشکر کا مقابلہ کرے گا جو یہودی

---

(۱) لُدّ ملک شام میں کسی پہاڑ یا گاؤں کا نام ہے۔۱۲

ہوں گے ان کو خوب قتل کرے گا اور اس طرح زمین دجال اور یہود بے بہبود کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے گی جن کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جس کو ہم نے اپنے زعم میں قتل کر ڈالا تھا وہ اب تک آسمان پر زندہ تھا اور اب آسمان سے ہمارے قتل کے لئے زمین پر اترا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے شر سے بچانے کے لئے کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر ایک معین مدت کے لئے آسمان پر اٹھالیا تھا مگر چونکہ عیسیٰ بن مریم بنی آدم میں سے ہیں اور کوئی انسان آسمان پر فوت نہیں ہوسکتا۔ موت اور دفن کا محل زمین ہے۔

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَ فِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى.(۱)

اس لئے اللہ تعالیٰ رفع السماء کی مدت معینہ ختم ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ کو زمین پر نازل فرمائیں گے تاکہ چندروز زمین پر رہنے کے بعد زمین پر وفات پائیں گے اور زمین ہی میں نبی اکرم ﷺ کے قریب دفن ہوں۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو ساحر اور اور جادوگر بتایا اور ان کے قتل کے درپے ہوئے اور جب دجال لعین ظاہر ہوگا تو اسی خبیث کے پیچھے دوڑیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے اور چونکہ یہود مسلمانوں اور عیسائیوں کے ہاتھ ہمیشہ ذلیل اور خوار رہے اس لئے یہود اس موقعہ کو غنیمت سمجھیں گے اور مسلمانوں سے انتقام لینے کی سوچیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو آسمان سے نازل کرے گا تاکہ یہودیوں کے سردار دجال لعین کو اس مسیح بن مریم کے ہاتھ سے قتل کرائے جس کے متعلق یہود کا یہ زعم تھا کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر ڈالا اور یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یہود بے بہبود نے جس مسیح ہدایت (یعنی مسیح بن مریم جس کی تصدیق واجب تھی اس کی تو تکذیب کی اور جس مسیح ضلالت یعنی مسیح دجال کی تکذیب واجب تھی یہود نے اس کی تصدیق کی اور اس کے پیرو ہوئے معلوم ہوا کہ جو مسیح بن مریم کے قتل کا زعم فاسد رکھتا ہو وہ بھی مجرم ہے اور واجب القتل ہے۔

(۱) اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا، اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے ایک مرتبہ پھر تمہیں نکال لائیں گے۔ (طہ ۵۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد شریعت محمدیہ کا اتباع کریں گے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد شریعت محمدیہ کا اتباع کریں گے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ کی شریعت کا اتباع ان کے رفع الی السماء تک محدود تھا اس کے بعد جب شریعت محمدیہ آئی تو تمام جن اور انس پر قیامت تک اس کی متابعت واجب ہوئی۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کی شریعت تمام شریعتوں کی ناسخ ہے۔ آپ کی شریعت آخری شریعت ہے اور تمام شریعتوں سے اکمل ہے۔ لہٰذا اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کا تمام عمل کتاب وسنت نبوی کے موافق ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد بھی نبی ہوں گے کیونکہ انبیاء کرام اپنی نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوتے لیکن یہ نزول نبی ہونے کی حیثیت سے نہ ہوگا بلکہ حکم عدل اور شریعت محمدیہ کے مجدد اور تابع ہونے کی حیثیت سے ہوگا۔ نزول کے بعد انجیل اور اپنی شریعت پر عامل نہ ہوں گے بلکہ کتاب اور سنت اور شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے اور اسی کے موافق حکم کریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریعت محمدیہ کا علم کیسے ہوگا؟

بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نزول سے قبل ہی آسمان پر شریعت محمدیہ کا علم عطا فرمادے گا یا یہ کہ نزول کے بعد بذریعہ وحی کے آپ کو شریعت محمدیہ کا علم ہوگا یا کتاب وسنت کو دیکھ کر علم ہو جائے گا یا روحانی طور پر آنحضرت ﷺ سے علم حاصل ہو جائے گا۔ تفصیل کے لئے اس ناچیز کا رسالہ ''القول المحکم فی نزول عیسیٰ بن مریم'' دیکھیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی دو شخص ہیں

ظہور مہدی اور نزول عیسیٰ بن مریم کے بارہ میں جو احادیث آئی ہیں ان سے یہ امر روز روشن کی طرف واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی دو شخص علیحدہ علیحدہ ہیں صحابہ اور تابعین کے وقت سے لے کر اس وقت تک کوئی اس کا قائل نہیں ہوا کہ نازل ہونے والا مسیح اور ظاہر ہونے والا مہدی ایک ہی شخص ہوں گے اس لئے کہ:

(۱) حضرت عیسیٰ بن مریم نبی اور رسول ہیں اور امام مہدی امت محمدیہ کے آخری خلیفہ ہوں گے نبی نہ ہوں گے۔

(۲) حضرت مسیح بن مریم حضرت مریم کے بطن سے بغیر باپ نفخہ جبریلی سے نبی اکرم ﷺ سے چھ سو سال پہلے بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے اور امام مہدی قیامت کے قریب مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام آمنہ ہوگا۔

(۳) حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل میں سے ہیں اور امام مہدی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے۔

اور ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

لا مھدی الا عیسیٰ بن مریم.

نہیں ہے کوئی مہدی مگر عیسیٰ بن مریم۔

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی اور عیسیٰ دونوں ایک ہی شخص ہیں۔

جواب:

یہ ہے کہ اول تو یہ حدیث محدثین کے نزدیک ضعیف اور غیر مستند ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری صفحہ ۳۵۸ جلد ۶ میں اس کی تصریح کی ہے۔

دوم یہ کہ یہ حدیث ان بے شمار احادیث صحیحہ اور متواترہ کے خلاف ہے جن سے

حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کا دو شخص ہونا آفتاب کی طرح روشن ہے اور متواتر کے مقابلہ میں ضعیف اور منکر روایت معتبر نہیں۔

سوم یہ کہ اگر اس حدیث کو تھوڑی دیر کے لئے صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ کہا جائے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اس وقت حضرت عیسیٰ بن مریم سے بڑھ کر کوئی شخص ہدایت یافتہ نہ ہوگا اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ نزول کے بعد آپ کی شریعت کے تابع ہوں گے مگر نبی اور رسول ہوں گے اور امام مہدی آپ کی امت کے آخری خلیفہ راشد ہوں گے نبی نہ ہوں گے اور ظاہر ہے کہ غیر نبی کی ہدایت نبی اور رسول کی ہدایت سے اکمل اور افضل نہیں ہوسکتی اس لئے کہ نبی کی ہدایت معصوم عن الخطا ہوتی ہے اور عصمت خاصہ انبیاء کا ہے حدیث میں ہے لافتیٰ الاعلی یعنی کوئی جوان شجاعت میں علی کے برابر نہیں اور یہ معنی نہیں کہ دنیا میں سوائے علی کے کوئی جوان نہیں اسی طرح لامھدی الا عیسیٰ بن مریم کے یہ معنی ہوں گے کہ کوئی مہدی اور کوئی ہدایت یافتہ عصمت اور علو منزلت میں عیسیٰ بن مریم کے برابر نہیں۔

كذا في العرف الوردي للامام السيوطي ص ٨٥ ج ٢ وقال المناوي. اخبار المهدي لايعارضها خبر لا مهدي الا عيسىٰ بن مريم لان المراد به كما قال القرطبي لا مهدي كاملا معصوماً الا عيسىٰ كذا في فيض القدير ص ٢٧٩ ج ٢.

۴۔ خروج یاجوج وماجوج:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کی ہلاکت کے کچھ عرصہ بعد امام مہدی انتقال فرماجائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ بیت المقدس میں ان کا انتقال ہوگا اور وہیں مدفون ہوں گے اس وقت امام مہدی کی عمر پینتالیس یا اڑتالیس یا انچاس سال کی ہوگی۔ امام مہدی کی وفات کے بعد تمام انتظام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوگا اور زمانہ نہایت سکون اور راحت سے گذر رہا ہوگا کہ یکایک وحی نازل ہوگی کہ اے عیسیٰ تم میرے بندوں کو کوہ طور کے پاس لے جاؤ۔ میں اب ایک ایسی

قوم کو نکالنے والا ہوں کہ جس کے ساتھ کسی کو لڑائی کی طاقت نہیں۔ وہ قوم یاجوج و ماجوج کی قوم ہے جو یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ شاہ ذوالقرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک نہایت مستحکم آہنی دیوار قائم کر کے ان کا راستہ بند کر دیا تھا قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور یہ غارت گر قوم ٹڈی دل کی طرح ہر طرف سے نکل پڑے گی اور دنیا میں فساد پھیلائے گی جس کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ اہل ایمان کو لے کر کوہ طور کی طرف چلے جائیں گے اور بارگاہ خداوندی میں یاجوج و ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے اللہ ان کو طاعون کی وباء سے ہلاک کرے گا اور اس بلاء آسمانی سے سب مر جائیں گے بعد ازاں اللہ تعالیٰ لمبی گردن والے پرند بھیجے گا جو بعض کو تو کھا جائیں گے اور بعض کو اٹھا کر سمندر میں ڈال دیں گے اور پھر ایک عظیم بارش ہوگی جس کے سبب ان مرداروں کی عفونت اور بدبو سے نجات ملے گی اور زندگی نہایت راحت اور آرام سے گذرے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۴۵ سال زندہ رہ کر مدینہ منورہ میں انتقال فرمائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک قحطانی شخص کو اپنا خلیفہ مقرر کر جائیں گے جس کا نام جہجاہ ہوگا۔ خوب اچھی طرح عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے گا مگر ساتھ ہی ساتھ شر اور فساد کا پھیلانا بھی شروع کر دے گا۔

۵۔ خروج دخان یعنی دھویں کا ظاہر ہونا:

جہجاہ کے بعد اور چند بادشاہ ہوں گے اور کفر اور الحاد شر اور فساد بڑھنا شروع ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک مکان مغرب میں اور ایک مکان مشرق میں جہاں منکرین تقدیر رہتے ہوں گے وہ دھنس جائے گا اور انہیں دنوں آسمان سے ایک بہت بڑا دھواں ظاہر ہوگا جو آسمان سے لے کر زمین تک تمام چیزوں کو گھیر لے گا جس سے لوگوں کا دم گھٹنے لگے گا وہ دھواں چالیس دن تک رہے گا۔ مسلمانوں کو زکام سا معلوم ہوگا اور کافروں پر بے ہوشی طاری ہو جائے گی۔ کسی کو دو دن میں اور کسی کو تین دن میں ہوش آئے گا۔ قرآن کریم میں اس دخان کا ذکر ہے:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ.

پس آپ اس روز کا انتظار کیجئے کہ آسمان کی طرف سے ایک دھواں نمودار ہوگا۔

اور عبداللہ بن مسعود یہ فرماتے ہیں کہ یہ دخان کی علامت گذر چکی ہے حضور پر نور ﷺ کی بددعا سے اس زمانہ میں ایک سخت قحط پڑا تھا جس سے کفار زمین پر دھواں دیکھتے تھے۔

۶۔ مغرب سے طلوع آفتاب:

قیامت کی علامت کبریٰ میں سے ایک بڑی علامت آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا ہے اور اس آیت شریفہ:

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ.

کیا لوگ ایمان لانے میں اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود تیرا رب آئے یا خدا کی نشانیوں میں سے کوئی بڑی نشانی آئے۔

اس آیت میں بعض آیات ربک سے آفتاب کا جانب مغرب سے طلوع ہونا مراد ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس رات کی صبح کو آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا وہ رات نہایت دراز ہوگی۔ یہاں تک کہ بچے چلا اٹھیں گے اور مسافر تنگ دل ہو جائیں گے کہ کوئی امر عظیم اور حادثہ عظیم ظاہر ہونے والا ہے لہٰذا دعا اور استغفار میں سربسجود مصروف ہو جائیں گے۔ اتنے میں آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا۔ مگر اس میں روشنی نہ ہوگی جیسے گہن کے وقت ہوگا ہے۔ اس قسم کا بے نور ہوگا اور اتنا بلند ہو کر جتنا کہ چاشت کے وقت ہوتا ہے پھر غروب ہو جائے گا اور پھر اپنی قدیم عادت کے مطابق مشرق سے نکلتا رہے گا۔ تمام لوگ اس حالت کا مشاہدہ کرلیں گے۔ اس عظیم الشان نشان کے بعد نہ کسی کافر کا ایمان معتبر ہوگا اور نہ کسی گنہگار مسلمان کی توبہ۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا.

جس دن تیرے رب کی ایک خاص نشانی آجائے گی یعنی آفتاب کا مغرب سے طلوع ہو جانا تو اس دن کسی شخص کو ایمان لانا نفع نہ دے گا جو پہلے سے ایمان نہ لایا

ہو اور نہ اس شخص کو توبہ نفع دے گی جس نے پہلے سے توبہ نہ کی ہو۔

بخاری اور مسلم اور دیگر احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ بعض آیات ربک سے آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع کرنا مراد ہے۔ لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

نکتہ:

جس وقت آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا وہ وقت اس تمام عالم کے نزع اور جان کنی کے شروع ہو جانے کا وقت ہوگا۔ صور پھونکنے کے بعد تمام عالم کی پوری جان نکل جائے گی اور جس طرح نزع اور جانکنی کے وقت ایمان اور توبہ معتبر نہیں اسی طرح مغرب سے آفتاب طلوع ہونے کے بعد بھی کسی کا ایمان اور توبہ قبول نہ ہوگی کیونکہ پوری دنیا کی نزع اور جانکنی شروع ہوگئی ہے اور وہ آخرت جو اب تک غیب تھی اب وہ محسوس اور مشاہد ہوگئی اور ایمان وہی معتبر ہے جو بالغیب ہو۔ مشاہدہ کے بعد ایمان معتبر نہیں۔

حق جل شانہ جب اس نظام کو درہم برہم فرمانے کا ارادہ فرمائے گا تو اس کی ابتداء اس عظیم الشان نشان سے ہوگی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ دنیا کا کام اب انتہا کو پہنچ چکا ہے اور قیامت کے بارہ میں انبیاء کرام نے خلق خدا کو جو خدا کا پیغام پہنچایا تھا وہ سب بجا اور درست ہے اور وہ خبر اب آنکھوں کے سامنے آگئی ہے۔

قرآن کریم کی صرف دو ہی سورتوں کو پڑھ لیجئے۔ اذا السماء انفطرت الی آخر السورۃ اور اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت جس میں اس امر کی پوری تفصیل ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو آسمان اور زمین کا نظام آسمانی اور زمینی اور شمس وقمر اور نجوم وکواکب کا تمام نظام شمسی اور فلکی درہم وبرہم ہو جائے گا اور جو لوگ نظام فلکی اور نظام شمسی میں تغیر کو محال سمجھتے ہیں اس وقت ان کو نظر آجائے گا کہ اس نظام کے پردہ میں کس کا دست قدرت کارفرما تھا کیا جس خدا نے اس آسمان اور زمین اور اس شمس وقمر اور زہرہ اور مشتری اور عطارد اور مریخ اور زحل کو پیدا کیا اور ان کی سیر اور رفتار کے لئے ایک خاص حد اور خاص وضع مقرر فرمائی جس سے بال برابر بھی وہ تجاوز نہیں کرسکتے اور ہر ایک کی حرکت کیلئے

ایک خاص جہت معین فرمائی۔ کیا وہی خدا آج اپنی قدرت سے آفتاب کی سیر اور حرکت میں پھر کوئی تغیر اور تبدل کرنے میں پر قادر نہیں رہا۔ یہ لوگ اگر خدا کو چاند اور سورج کا بنانے والا اور ان سب کو اپنے ارادہ اور مشیت سے حرکت دینے والا اور ان کی سیر اور رفتار کی حد اور وضع مقرر کرنے والا سمجھتے تو ہرگز ہرگز ایسی بکواس نہ کرتے۔ ان بے دینوں نے حق تعالیٰ کے عجائب قدرت کی تکذیب اور انکار کی پہلے ہی سے ٹھانی ہوئی ہے اور اس قسم کی تاویلیں بعد میں گھڑتے ہیں خدا ہدایت دے اور جو الحاد پسند طبیعتیں آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا محال سمجھتی ہیں وہ اس نشانی کی یہ تاویل کرتی ہیں کہ اس دن دھواں اور غبار ایسا ہوگا کہ دیکھنے میں رات معلوم ہوگی اور ممکن ہے کہ اس وقت کچھ ہیبتناک زلزلے بھی آئیں اور وحشتناک آوازیں بھی سنائی دیں جس سے لوگ یہ سمجھیں کہ طلوع آفتاب موخر ہوگیا ہے اور جب وہ غبار صاف ہوجائے تو آفتاب غروب ہوتا ہوا معلوم ہو جس کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھیں کہ آفتاب مغرب کی جانب سے طلوع ہوا ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد جب غبار صاف ہوجائے تو آفتاب حسب معمول غروب ہوتا ہوا نظر آئے۔ سبحان اللہ کیا عجیب تاویل ہے۔ یہ تاویل تو قیامت کے انکار کیلئے بھی کام دے سکتی ہے مگر بہت مشکل ہے آیات قرآنیہ اس قدر صریح ہیں کہ اس میں بے دینوں کی کوئی تاویل نہیں چل سکتی۔ خدا قادر مطلق ہے جس سمت سے چاہے آفتاب کو نکالے، چاہے مشرق سے اور چاہے مغرب سے۔ یہ تاویل کرنے والے خدا کو قادر مطلق اور انبیاء کرام کو مخبر صادق نہیں سمجھتے۔

۷۔ دابۃ الارض کا نکلنا:

قیامت کے ایک بڑی نشانی زمین سے دابۃ الارض کا نکلنا ہے۔ جو نص قرآنی سے ثابت ہے:

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ.

اور جب قیامت کا وعدہ پورا کرنے کا وقت قریب الوقوع ہوجائے گا تو اس وقت ہم لوگوں کی عبرت کے لئے زمین سے ایک عجیب وغریب جانور نکالیں گے جو لوگوں

سے باتیں کرے گا اور کہے گا کہ اب قیامت قریب آگئی ہے۔ یہ جانور ہم زمین سے اس لئے نکالیں گے کہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے۔

جس روز آفتاب مغرب سے طلوع ہوگا اسی دن یا اگلے دن یہ عجیب الخلقت جانور زمین سے نکلے گا۔ مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ جس کو کوہِ صفا کہتے ہیں وہ پھٹے گا اس اس میں اسے ایک عجیب الخلقت جانور نکلے گا اور لوگوں سے کلام کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حضرت صالح علیہ السلام کے ناقہ کو پتھر سے نکالا تھا۔ اسی طرح اپنی قدرت سے قیامت کے قریب زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اور قیامت کی خبر دے گا۔ مومنوں کے چہروں پر ایک نورانی نشان لگائے گا جس سے مومنین کے چہرے روشن ہو جائیں گے اور کافروں کی آنکھوں کے درمیان ایک مہر لگائے گا جس سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور حسب ارشاد باری:

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْن.[1]

مسلم اور مجرم کا امتیاز اس طرح شروع ہو جائے گا اور پورا امتیاز حساب و کتاب کے بعد ہوگا۔

حکمت:

اور شاید حکمت اس میں یہ ہو کہ منکرین قیامت کی حماقت اور جہالت کو ظاہر کرنا ہو کہ جس چیز کو تم نے انبیاء کرام کے کہنے سے نہ مانا آج اسی چیز کو ایک جانور کے کہنے سے تم کو ماننا پڑا لیکن یہ ماننا تمہارا معتبر نہیں اس لئے کہ بعد الوقت ہے ماننے کا وقت گزر چکا ہے۔

فائدہ:

دابۃ من الارض کے لفظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یہ جانور زمین سے اس طرح نکلے گا جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسے صالح علیہ السلام کی ناقہ پتھر سے پیدا ہوئی تھی۔

---

(۱) اے مجرمو! آج تم (مومنوں سے) الگ ہو جاؤ۔ (یٰسین ۵۹)

۸۔ ٹھنڈی ہوا کا چلنا:

دابۃ الارض کے نکلنے کے کچھ عرصہ بعد ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی جس سے تمام اہل ایمان اور اہل خیر مر جائیں گے، یہاں تک کہ اگر کوئی مومن کسی غار یا پہاڑ میں چھپا ہوا ہوگا تو وہاں بھی یہ ہوا پہنچے گی اور وہ شخص اس ہوا سے مر جائے گا نیک لوگ سب مر جائیں گے اور نیکی اور بدی میں فرق کرنے والا بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔ (رواہ مسلم)

۹۔ غلبہ حبشہ:

بعد ازاں حبشہ کے کافروں کا غلبہ ہوگا اور زمین پر ان کی سلطنت ہوگی۔ ظلم اور فساد عام ہوگا بے شرمی اور بے حیائی کھلم کھلا ہوگی چوپایوں کی طرح لوگ سڑکوں پر جماع کریں گے۔ حدیث میں ہے:

لا يستخرج كنز الكعبة الا ذو السويقين من الحبشة.

خانہ کعبہ کے خزانہ کو چھوٹی پنڈلیوں والا حبشہ کا رہنے والا نکالے گا۔ (رواہ ابوداؤد)

۱۰۔ آگ کا نکلنا:

قیامت کی آخری نشانی یہ ہے کہ وسطِ عدن سے ایک آگ نکلے گی جس کی روشنی شام تک پہنچے گی یہ آگ لوگوں کو گھیر کر ارض محشر کی طرف لائے گی یعنی ملک شام کی طرف لائے گی جہاں مرنے کے بعد حشر ہوگا۔ یہ آگ لوگوں سے دن رات میں کسی وقت جدا نہ ہوگی۔ جب شام کا وقت ہوگا اور لوگ ٹھہر جائیں گے تو یہ آگ بھی ٹھہر جائے گی اور جب صبح ہوگی اور آفتاب بلند ہو جائے گا تو یہ آگ لوگوں کو ہنکائے گی جب لوگ ملک شام میں پہنچ جائیں گے تو یہ آگ غائب ہو جائے گی۔

صحیح مسلم میں حذیفہ بن اسید غفاری سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قیامت کی دس علامتیں بیان فرمائیں ان میں کی آخرت علامت یہ ہے:

نار تخرج من اليمن تطرد الناس الى محشرهم.

ایک آگ یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ارض محشر یعنی سرزمین شام کی طرف ہنکا کر لے جائے گی۔

اس کے بعد کچھ عرصہ نہایت عیش و آرام سے گزرے گا کفر اور بت پرستی پھیل جائے گی اور زمین پر کوئی خدا کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا۔ اس وقت قیامت قائم ہوگی۔ اور اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا۔

تنبیہ:

اکثر احادیث میں خروج نار کو قیامت کی آخری نشانی بتایا گیا ہے لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اول نشانی قیامت کی وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف نکالے گی تطبیق ان دونوں روایتوں میں یہ ہے کہ گذشتہ علامتوں کے اعتبار سے یہ آخری نشانی ہے لیکن اس اعتبار سے کہ اس علامت کے ظہور کے بعد اب دنیا کی کوئی چیز باقی نہ رہے گی بلکہ اس کے بعد متصل نفخ صور واقع ہوگا۔ سو اس اعتبار سے اس کو اول نشانی کہا گیا۔ یہاں تک قیامت کی دس بڑی علامتوں کا بیان ختم ہوا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔

آنحضرت ﷺ کی بعثت اور رحلت سے لے کر امام مہدی کے ظہور تک جس قدر قیامت کی علامتیں ظاہر ہوں گی ان سب کو علامات صغریٰ کہتے ہیں اور امام مہدی کے ظہور سے نفخ صور تک جس قدر علامتیں ظاہر ہوں گی ان کو علامات کبریٰ کہتے ہیں۔ جن میں آخری علامت یمن سے آگ کا نکلنا ہے اس کے بعد قیامت قائم ہوگی جس کی ابتداء نفخ صور سے ہوگی۔ پہلی مرتبہ صور پھونکنے سے عالم فنا ہو جائے گا اور دوسری مرتبہ صور پھونکنے سے عالم دوبارہ زندہ ہو جائے گا۔ نفخہ ثانیہ کے بعد کے زمانہ کو عالم حشر اور عالم آخرت کہتے ہیں کہ پہلا عالم ختم ہوا اور دوسرا عالم شروع ہوا۔

عقائد متعلقہ بہ عالم آخرت

عقیدۂ اول

قیامت کا دن حق ہے اور ضرور آنے والا ہے اس دن اسرافیل علیہ السلام بحکم خداوندی صور پھونکیں گے جس سے تمام عالم فنا ہوجائے گا۔ آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے گر جائیں گے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ صور بگل کے مانند ایک چیز ہے جس کو اسرافیل علیہ السلام اپنے منہ سے لگا کر بجائیں گے جس کی آواز اس درجہ شدید ہوگی کہ اس کی شدت سے عالم کی ہر چیز فنا ہوجائے گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ صور پھونکیں گے جس سے تمام مردے جی اٹھیں گے۔ پہلی مرتبہ صور پھونکنے کا نام نفخہ اولیٰ ہے اور اس کو نفخہ اماتت بھی کہتے ہیں اور دوسری مرتبہ سورت پھونکنے کا نام نفخہ ثانیہ ہے اور اس کو نفخہ احیاء بھی کہتے ہیں اور دونوں نفخوں کی درمیانی مدت چالیس سال یا چالیس ماہ ہوگی۔ نفخہ اولیٰ سے لے کر جنت اور جہنم میں داخل ہونے تک کے سارے زمانہ کو قیامت کہتے ہیں۔

قیامت کا آغاز نفخہ اولیٰ سے ہوگا جس سے تمام عالم تباہ اور برباد ہوجائے گا تمام جاندار مر جائیں گے اور ہلاک ہوجائیں گے۔ کما قال تعالیٰ:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔

جس دن صور پھونکا جائے گا۔ سو تمام آسمان و زمین والے گھبرا جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا

مَنْ شَآءَ اللّٰہ.

اور قیامت کے دن صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمان اور زمین والے بے ہوش ہوجائیں گے مگر جس کو خدا چاہے وہ بے ہوشی سے محفوظ رہے گا۔

چالیس سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور یہ دوسرا نفخہ مردوں کو قبروں سے زندہ کرنے کے لئے ہوگا جیسا کہ اسی آیت میں ہے:

ثُمَّ نُفِخَ فِیْہِ اُخْرٰی فَاِذَا ھُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْن.

پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو دفعتہً سب زندہ ہو کر کھڑے ہوجائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں گے۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا ھُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْن.

اور دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو لوگ قبروں سے نکل کر خدا کی طرف دوڑیں گے۔

قیامت کا آغاز کس طرح ہوگا

باشندگانِ عالم اپنے کاروبار میں مشغول ہوں گے اور روئے زمین پر کوئی اللہ کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا اور جمعہ کا دن ہوگا اور محرم الحرام کی دسویں تاریخ روز عاشورہ ہوگا کہ یکا یک علی الصباح لوگوں کے کانوں میں ایک باریک آواز آنا شروع ہوگی اور بڑھتی جائے گی۔ یہاں تک تمام لوگ مر جائیں گے اور روحیں بے ہوش ہوجائیں گی اور زمین و آسمان پھٹ جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا جس سے تمام مردے زندہ ہوجائیں گے۔

قیامت کے دن نفخہ اولیٰ سے تمام عالم کا ایک بار نیست اور نابود ہوجانا اور پھر نفخہ ثانیہ سے دوبارہ زندہ اور موجود ہوجانا۔ یہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے جو نصوص قرآنیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع انبیاء و رسل اور اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ قطعاً کافر ہے اور اسی پر تمام اسلامی فرقوں کا اجماع ہے۔ فلاسفہ اور ملاحدہ آسمانوں اور زمینوں کے نیست اور نابود ہونے کے قائل نہیں۔

اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ جس خدا نے اپنی قدرت سے اس عالم کو عدم محض سے نکال کر وجود عطا فرمایا اور نابود سے بود کیا وہ دوبارہ بھی اس عالم کو فنا کرنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ.

وہی پہلی بار بناتا ہے اور پھر وہی دوبارہ بنائے گا اور اعادہ ابتداء سے بہت آسان ہے۔

اس لئے کہ عالم کی نشاۃ اولیٰ عدم محض سے ہوئی تھی اور اعادہ ان اجزاء اور ذرات سے ہوگا جو منتشر ہو چکے ہیں۔ وقال تعالیٰ:

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ وَعْداً عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِیْنَ.

جس طرح ہم نے اس عالم کو پہلی بار پیدا کیا اسی طرح ہم اس کو دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے ہم ضرور اس کو کریں گے۔

وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّارَیْبَ فِیْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ.

اور تحقیق قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں ذرہ برابر شک نہیں اور اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔

دلائل بعث بعد الموت

قرآن کریم اثبات قیامت کے دلائل سے بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

(۱) اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی. مطلب یہ ہے کہ جو خدا زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے عاجز نہ ہوا تو کیا وہ مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہ ہوگا۔

(۲) ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْم قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّة وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْم.

یعنی کافر کہتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس ذات نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہی ان کو دوبارہ پیدا کرے گا اور

وہ تو ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

(۳) اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ.

اے لوگو اگر تم کو دوبارہ زندہ ہونے میں شک اور تردد ہے تو اپنی پیدائش میں غور کرلو۔ تحقیق ہم نے تم کو اول مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا اس سے تم کو خدا کی قدرت کا اندازہ ہو جائے گا۔

(۴) اور ایک جگہ حضرت ابراہیم کا قصہ ذکر فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا:

رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی.

اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ آپ قیامت کے دن کس طرح مردوں کو زندہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندوں کو لے کر ان کا قیمہ کردے اور ان ٹکڑوں کو پہاڑوں پر تقسیم کردے اور ان کے اجزاء کو خلط ملط کردے اور پھر ان کو بلا وہ زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے تیرے پاس چلے آئیں گے اور ہر ایک کے اجزاء دوسرے سے جدا ہو کر پہلی صورت پر نمودار ہو جائیں گے۔ اسی طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بدن کے متفرق اجزاء کو جمع کرکے پہلی صورت پر اس کو زندہ کردے گا۔

(۵) اور ایک جگہ حضرت عزیر کا یا کسی اور نبی کا قصہ بیان فرمایا ان کو بھی یہی شوق ہوا کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی کیفیت دیکھیں اللہ تعالیٰ نے ان کو سو برس تک مارے رکھا مگر ان کا جسم صحیح سالم رہا اور خدا کی قدرت سے اس میں کوئی تغیر نہ ہوا مگر ان کی سواری کا گدھا مر کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گدھے کو ان کے روبرو زندہ کیا اور قیامت کے دن مخلوق کے زندہ ہونے کا نمونہ دکھلا دیا اور بتلا دیا کہ موت اور حیات ہر وقت ہماری قدرت میں ہے۔

(۶) اور اسی طرح بنی اسرائیل کی ایک قوم کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ موت سے ڈر کر اپنے شہر سے بھاگے حزقیل علیہ السلام کی دعا سے وہ زندہ کردیئے گئے۔ اس طرح

لوگوں نے دوبارہ زندہ ہونے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا۔

(۷) اوراسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اصحاب کہف کا قصہ ذکر کیا کہ تین سو سال کی نیند کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ نے مردوں کے زندہ کرنے کا جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَارَيْبَ فِيْهَا.

اس زمانہ میں بعث بعدالموت کے متعلق بڑا جھگڑا تھا کوئی قائل تھا اور کوئی منکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھلا دیا کہ جو خدا تین سو سال کی نیند کے بعد جگانے پر قادر ہے وہ صدہا سال کی موت کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ غرض یہ کہ جو لوگ بعث بعدالموت کے منکر ہیں ان کے رد کے لئے حق تعالیٰ نے دلائل بھی بیان فرمائے اور واقعات بھی بیان فرمائے تا کہ منکرین معاد پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔

فلاسفہ آسمانوں اور زمینوں کے نیست و نابود ہونے کو نہیں مانتے اور ان کے فانی اور فاسد ہونے کو جائز نہیں سمجھتے فلاسفہ عالم کو اور ان اجسام کو قدیم اور ازلی اور ابدی بتلاتے ہیں۔

ابطال عقیدۂ تناسخ

دھریہ اور فلاسفہ کے طرح برہمن اور ہندوستان کے ہندو بھی بعث بعدالموت کے منکر ہیں مگر برہمنوں اور ہندوؤں کا مذہب عجیب ہے۔ برہمن اور ہندو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قیامت کوئی چیز نہیں البتہ مرنے کے بعد روحیں مختلف جسموں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ نیک لوگوں کی روحیں اچھے جسموں میں منتقل ہوتی ہیں اور بدلوگوں کی روحیں کتے بلی سور ریچھ گدھے وغیرہ کے قالب میں منتقل ہوتی رہتی ہیں اور روح کا اس طرح مختلف جسموں میں منتقل ہونے کا نام تناسخ ہے۔

اہل اسلام کہتے ہیں کہ عقیدۂ تناسخ بالکل مہمل اور خلاف عقل ہے اس لئے کہ جزاء

اور سزاء کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس کو سزا دی جارہی ہے اس کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ یہ فلاں جرم کی سزا ہے تاکہ وہ خود آئندہ کو اس سے بچے اور دوسروں کو اس سے آگاہ کرے مگر دوسری جون[1] میں آنے والے کو اس کا مطلق علم نہیں ہوتا کہ میں اس جون میں کس گناہ کی وجہ سے آیا ہوں۔ سب کو معلوم ہے کہ اگر کوئی شخص سالہا سال کسی شہر میں رہ کر آیا ہو تو دوسرے شہر میں پہنچ کر اس کو پہلے شہر کے اکثر واقعات یاد رہتے ہیں اور لوگوں کو سناتا ہے۔ پس اگر بقول خود پنڈت جی اس سے پہلے دنیا میں چند بار رہ چکے ہیں تو کیا سبب ہے کہ پنڈت جی یہاں آکر اس جنم کے کسی حال کی خبر نہیں دیتے نہ وہ خود بولتے ہیں اور نہ ان کی رانی کچھ بتلاتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ موجودہ بیوی گذشتہ جون میں ان کی ماں ہو یا ان کی بیٹی یا بہن ہو۔ اور مہاتما جی اور پنڈت جی پہلی جون میں تو اس دیوی کے باوا تھے اور اب اس جون میں آکر اس کے شوہر بن گئے۔ اتنا تو آدمی خواب کو بھی نہیں بھولتا جتنا کہ پنڈت جی ستر سال کی بیداری کو بھول گئے۔ معلوم ہوا کہ اس سے پہلے کبھی اس دنیا میں نہیں آئے۔ تمہاری یہ آمد۔ دنیا میں پہلی آمد ہے مرنے کے بعد تمہارا بدن قبر میں دفن کر دیا جائے گا اور تمہاری روح کا اصل مستقر یا تو سدرۃ المنتہیٰ ہوگا یا سجین ہوگا۔ اور اس حالت میں تمہاری روح کا ایک گونہ تعلق تمہارے اس جسم سے رہے گا پھر قیامت کے دن تم کو پہلی صورت اور حالت میں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

فلاسفہ بھی تناسخ کو محال سمجھتے ہیں اور علماء شریعت اس کو خلافِ عقل اور خلافِ نقل سمجھتے ہیں۔

بعث بعد الموت کی کیفیت

علماء اہل سنت والجماعت کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ بعث یعنی دوبارہ زندگی کی کیا کیفیت ہوگی اور شریعت میں جو حشر ونشر کی خبر دی گئی ہے اس کے کیا معنی ہیں بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ اعادہ اور بعث کے معنی یہ ہیں کہ فنا اور عدم کے بعد عالم کو دوبارہ وجود عطا کیا

---

(۱) بھیس

جائے گا اور فناء اور عدم کے بعد دوبارہ وجود عطا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْم قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْ اَنْشَاءَ هَا اَوَّلَ مَرَّة.

اس آیت میں پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے دوسری مرتبہ پیدا کرنے پر استدلال فرمایا کہ دوسری مرتبہ پیدا کرنا مثل پہلی مرتبہ کے ممکن ہے۔ وقال تعالیٰ:

كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ.

معلوم ہوا کہ اعادہ خلق مثل ابتداء خلق کے ہوگا اور ظاہر ہے کہ پہلی مرتبہ ایجاد عدم سے ہوئی تھی اور تمام ممکنات پردہ عدم سے کلمہ کن کے ذریعہ سے وجود میں آئیں۔ اسی طرح دوبارہ بھی عدم سے وجود میں آئیں گی۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد اجزاء بدنیہ منتشر اور متفرق تو ہو جاتے ہیں مگر بالکل فنا نہیں ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے انسان کو پہلی حالت اور پہلی کیفیت اور پہلی صورت پر پیدا کر دے گا جیسا کہ حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کا قصہ جو احیاء موتیٰ کی کیفیت کے بارہ میں قرآن کریم میں مذکور ہے وہ بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اجسام کے اجزاء متفرقہ کو جمع کر کے ان کو دوبارہ زندگی بخشی جائے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حق تعالیٰ سے یہ درخواست کی

رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى.

اے میرے پروردگار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ قیامت کے دن آپ کس طرح مردوں کو زندہ کریں گے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا کہ چار پرندوں کو ذبح کر کے ان کے اجزاء متفرقہ کو متفرق پہاڑوں پر رکھ دو اور پھر ان کو آواز دو وہ زندہ ہو کر دوڑے چلے آئیں گے اور حضرت عزیر علیہ السلام کو اور ان کی سواری گدھے کو موت دی گئی، سو سال تک اسی حالت میں رہے، سو سال کے بعد عزیر علیہ السلام زندہ اٹھے۔ ان کا جسم مبارک تو صحیح سالم تھا مگر ان کی سواری کے گدھے کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئی تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے وہ سب ہڈیاں موافق

ترکیبِ بدن کے جمع کر کے اس کو زندہ کھڑا کر دیا غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں پیغمبروں کو احیاء موتیٰ کی کیفیت مشاہدہ کرادی کہ مردے دوبارہ اس طرح زندہ کئے جائیں گے۔

محققین کا مسلک یہ ہے کہ حشر ونشر کا مسئلہ تو قطعی ہے۔ جس پر ایمان لانا واجب ہے، مگر شریعت نے حشر ونشر کی کوئی خاص کیفیت متعین نہیں کی۔ اس لئے کیفیت کا تعین ظنی ہے۔ تفصیل کیلئے اتحاف شرح احیاء العلوم صفحہ ۲۱۴ ج ۲ اور مسامرہ شرح مسایرہ از صفحہ ۲۵۲ تا صفحہ ۲۶۰ دیکھیں نیز شرح عقائد نسفی کی شرح موسوم بہ نبراس صفحہ ۳۲۴ بھی دیکھیں۔

منکرین حشر کا ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

منکرین حشر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب ایک انسان دوسرے انسان کو کھا جائے اور یہ انسان اس کی غذا اور جزء بدن بن جائے تو دونوں مل کر ایک ہو جائیں گے تو بعث (دوبارہ زندہ) ہونے کے وقت دو روحیں ایک انسان کے ساتھ کیسے متعلق ہوں گے۔

جواب[1]:

حق جل شانہ نے حشر ونشر کی خبر دی ہے مگر اس کی کیفیت بیان نہیں کی لہٰذا اس کا تفصیلی علم تو ہمیں اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے۔ البتہ تسکین عقل کے لئے اجمالاً اتنا جان لینا چاہئے کہ جسم انسانی میں دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں ایک اجزاء اصلیہ جو ابتداء فطرت سے لے کر اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں اور دوسرے اجزاء زائدہ یعنی وہ اجزاء جو بدنِ انسانی میں گھٹتے اور بڑھتے رہتے اور وقتاً فوقتاً تحلیل ہوتے رہتے ہیں۔ پس جو اجزاء اول عمر سے اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں وہ اجزاء اصلیہ ہیں اور جو اجزاء عمر کی زیادتی کی وجہ سے اور غذا کی وجہ سے اور صحت اور مرض کی وجہ سے گھٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں وہ اجزاء زائدہ ہیں اور مرنے کے بعد بدن کے اجزاء جو منتشر ہو جاتے ہیں تو وہ اجزاء اللہ کے علم سے غائب نہیں

(۱) یہ جواب دراصل امام رازیؒ کا ہے جس کو حضرات متکلمین نے کتب کلامیہ میں نقل کیا ہے ہمارا یہ سارا کلام امام رازیؒ کے کلام کی تشریح ہے۔

ہو جاتے۔ بدن خواہ کتنا ہی ریزہ ریزہ ہو جائے مگر اس کے اجزاء اصلیہ اور اجزاء زائدہ اللہ کے علم محیط اور اس کے خزانہ قدرت سے باہر نہیں نکل جاتے ۔

ذرۂ کو در ہوا شد یا کہ ریخت　　از خزینہ قدرت تو کے گریخت

گر در آید در عدم یا صد عدم　　چوں بخوانیش او کند از سر قدم [1]

پس اصل انسان یہی اجزاء اصلیہ ہیں جو ابتداء ولادت سے اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں پس جس خدا نے ابتداء ولادت کے وقت روح کا تعلق اجزاء اصلیہ کے ساتھ قائم کیا تھا وہی خدا اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے پھر قیامت کے دن اجزاء اصلیہ کے ساتھ دوبارہ روح کا تعلق قائم کر دے گا اور ان اجزاء اصلیہ کے ساتھ کچھ اجزاء زائدہ بھی ملا دے گا اور عذاب وثواب کا اصل احساس روح کو اور ان اجزاء اصلیہ کو ہوگا پس اعادہ کے وقت یہ انسان باعتبار اجزاء اصلیہ کے پہلے انسان کا عین ہوگا اور باعتبار اجزاء زائدہ کے اس کا غیر ہوگا۔

آخر زید ابتداء ولادت سے لے کر بڑھاپے تک بعینہ وہی زید کہلاتا ہے جو اب سے ستر سال پہلے پیدا ہوا تھا حالانکہ اس طویل مدت میں اس کے اجزاء بدن میں بے شمار قسم کی تغییر وتبدیل اور قسم قسم کی تحلیل واقع ہو چکی ہے اور اس طویل عرصہ میں کبھی وہ فربہ ہوا اور کبھی لاغر ہوا معلوم ہوا کہ انسان کی اصل حقیقت یہی اجزاء اصلیہ ہیں جو غایت درجہ باریک ہیں لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتے جیسے گیس اور ایتھر وغیرہ لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ مگر یہ اجزاء لطیفہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ سے غائب نہیں ہو سکتے۔ یہ تمام اجزاء اس کے خزانہ علم وقدرت میں محفوظ ہیں جس طرح اللہ نے پہلی بار اپنے علم اور قدرت سے روح کو ان اجزاء اصلیہ سے متعلق کر کے اس جسم کو زندگی بخشی تھی اسی طرح وہ اپنے علم اور قدرت سے دوبارہ بھی زندگی بخشنے پر قادر ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ حمدیہ اور حصون حمیدیہ صفحہ ۱۵۲ اور الیواقیت والجواہر صفحہ ۱۵۶ جلد ۲، اور مسامرہ شرح مسایرہ وغیرہ از کتب کلامیہ۔

---

(۱) جو ذرہ چاہے ہوا میں اڑے یا نیچے گرے قدرت کے خزانہ سے کہاں بھاگ سکتا ہے۔ اگر عدم میں بھی ہو جائے جب اس کو بلائیں گے تو نئے سرے سے ہوں گے۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ جب ایک انسان دوسرے انسان کو کھا جائے تو حشر کے وقت دونوں کے اجزاء اصلیہ الگ الگ کردیئے جائیں گے اور ہر ایک کی روح کا تعلق اس کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوگا، اور ایک انسان اگرچہ دوسرے انسان کو کھا جائے مگر ہر انسان کے اجزاء اصلیہ الگ الگ ہیں اور جس انسان کو کوئی انسان یا حیوان کہا جائے تو یہ دوسرا انسان اس کے اجزاء اصلیہ میں سے نہیں۔ لہٰذا اب اس تقریر کے بعد حشر ونشر کے متعلق کوئی اشکال باقی نہ رہے گا۔

عہد الست

اور قرآن کریم میں جس عہد الست کا ذکر ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا.

کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے نفسوں پر خود ان کو گواہ بنا کر کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں تو وہ بولے کہ بیشک تو ہمارا پروردگار ہے۔ علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی قیامت تک ہونے والی اولاد کو ذروں کی مانند نکالا جو ذروں کی مانند چھوٹے چھوٹے تھے۔ تو یہ ذرات انسان کے اجزاء اصلیہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان ذرات کو اپنی قدرت سے آدم کی پشت کے بالوں کی مسامات سے نکالا اور باوجود چھوٹے ہونے کے ان کو حیات اور عقل اور گویائی عطا کی تا کہ اللہ کے سوال کا جواب دے سکیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذرات انسان کی صورت پر تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ذریت کا لفظ فرمایا۔ ذرات کا لفظ نہیں فرمایا اور لفظ ذریت کا اطلاق جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب وہ انسانی صورت پر ہوں پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ذروں کی طرح ان کی ذریت کے اجزاء اصلیہ کو انسانی صورت وشکل میں نکالا اور ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا اور پھر ان کو اپنی قدرت سے ان کی پشت میں واپس کردیا اور وہ

بلاشبہ ہر چیز پر قادر ہے اور فلسفہ جدیدہ کے ماہرین اس بات کے قائل ہیں کہ ایک بالشت مسافت میں چالیس لاکھ مسامات پائے جاتے ہیں پس اس لحاظ سے حضرت آدم کی پشت سے ان بیشمار ذرات کے نکالے جانے میں اور دوبارہ ان کے داخل کئے جانے میں عقلاً کوئی استبعاد نہیں رہا اور اس انسانی ذرہ کا اصل مرکز قلب ہے جب روح اس میں آتی ہے تو اس میں حیات پیدا ہو جاتی ہے اور چونکہ عہد الست کے وقت سے لے کر زمانہ ولادت تک ایک طویل عرصہ ہے اور اس درمیان میں ان اجزاء پر بے شمار تغیرات اور انقلابات پیش آئے، یہاں تک کہ جب وہ ذرات ان حالات سے گذر کر بطن مادر میں پہنچے اور نو ماہ کے بعد ایک خاص صورت اور خاص شکل میں پیدا ہوئے اور اس عالم میں قدم رکھا تو اولاد آدم کو وہ عہد قدیم یاد نہ رہا۔ انبیاء کو اور ان کے وارثوں کو حکم ہوا کہ لوگوں کو ان کا بھولا ہوا سبق اور عہد یاد دلائیں وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(دیکھئے الیواقیت والجواہر صفحہ ۱۱۵ جلد ۱)

قیامت کا نمونہ

رات کے اندھیرے کے بعد تمام انسانوں اور جانوروں اور پرندوں کا اپنے گھروں اور گھونسلوں میں گھس کر بے حس وحرکت سو جانا یہ پہلے نفخہ کا نمونہ ہے اور صبح کے وقت سب کا بیدار ہو کر زمین پر پھیل جانا یہ نفخہ ثانیہ کا نمونہ ہے اور جو لوگ نظام فلکی اور نظام شمسی کے درہم وبرہم ہونے کے منکر تھے۔ ان کے رد کے لئے:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور جبکہ آفتاب کو لپیٹ دیا جائے گا۔

وَإِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ اور اور جبکہ ستارے بے نور ہو جائیں گے

إِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ اور اور جبکہ تمام ستارے بکھر جائیں گے

إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور اور جبکہ آسمان پھٹ جائے گا

إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اور جبکہ آسمان ریزہ ریزہ ہو جائے گا

وَفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا اور آسمان کھول دیا جائے گا اور اس میں دروازے ہو جائیں گے اور

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْش اور پہاڑ اس دن دھنی ہوئی اون کی طرح ہوں گے۔

اس قسم کی بے شمار آیتیں اللہ تعالیٰ نے ان ملاحدہ اور فلاسفہ کے زعم باطل کے رد کرنے کے لئے اتار دیں یہ چیزیں ضروریات دین میں سے ہیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے بغیر ان کے مانے ہوئے مسلمان نہیں ہوسکتا۔ قال تعالیٰ:

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَ رَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَ ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْر.

کافروں کا یہ زعم ہے کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے آپ کہہ دیجئے کیوں نہیں قسم ہے میرے پروردگار کی تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے پھر تم اپنے اعمال سے خبردار اور آگاہ کئے جاؤ گے اور یہ دوبارہ زندہ کرنا اور اعمال پر جزا دینا اللہ پر بہت آسان ہے۔

ملاحدہ اسلام کس طرح سے بعث کا انکار کرتے ہیں

فلاسفہ تو کھلم کھلا بعث بعد الموت کا انکار کرتے ہیں اور ملاحدہ یعنی بے دینوں کا وہ گروہ کہ جو ظاہر میں اسلام کا مدعی ہے مگر باطن میں کافروں کی طرح قیامت اور بعث بعد الموت کا منکر ہے۔ یہ گروہ اسلام کی آڑ میں مسلمانوں کو فریب دیتا ہے ان کا طریقہ یہ ہے کہ اسلام کے پردہ میں نمایاں ہو کر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں اس قسم کے شبہات پیدا کرتا ہے جس سے وہ مسلمان جن کو علم دین کی کچھ خبر نہیں (اگرچہ وہ دنیا کے بڑے سے بڑے تعلیم یافتہ کیوں نہ ہوں) ان شبہات کو سن کر دین کے بارہ میں متزلزل ہو جاتے ہیں اور کبھی یہ ملاحدہ ان آیات اور احادیث میں ایسی عجیب وغریب تاویلیں کرتے ہیں جس سے اصل اسلامی عقیدہ بالکل بدل جاتا ہے۔

ان ملاحدہ اسلام کا قول یہ ہے کہ آخرت ایک عالم روحانی ہے۔ اور اسی طرح بہشت کی لازوال نعمتوں اور دوزخ کے دردناک عذابوں کی تاویلیں کرتے ہیں۔ ظاہری کافروں سے یہ باطنی کافر اسلام کیلئے زیادہ مضر ہیں۔ مدعی اسلام کے ہیں مگر قرآن وحدیث کا تمسخر کرتے ہیں کہ جو کسی یہودی اور نصرانی سے دیکھنے اور سننے میں نہیں آتا۔

عقیدۂ دوم

تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے کہ معاد جسمانی حق ہے۔قرآن کریم کی بے شمار آیات اور احادیث نبویہ سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ بعث اور حشر اسی دنیوی جسم کے ساتھ ہوگا اور اسی جسم دنیوی میں روح کا اعادہ ہوگا اور آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اس بارہ میں اس قدر صاف اور صریح ہیں کہ ان میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ نیز دنیا میں روح اور جسم دونوں ہی اللہ کے احکام کے مخاطب اور مکلّف تھے لہٰذا ثواب وعقاب کا تعلق بھی اسی روح اور اسی جسم کے ساتھ اسی طرح ہوگا جس طرح کہ دنیا میں تھا۔جس طرح دنیا میں یہ روح اور جسم ساتھ اسی طرح عالم آخرت میں بھی ساتھ اور یکجا ہوں گے ثواب وعقاب میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔

عقیدۂ سوم

قیامت کے دن اعمال کا حساب ہونا حق ہے اور اعمال کے تولنے کے لئے میزان اعمال (یعنی ترازو کا رکھا جانا بھی حق ہے جس کی نیکیوں پلہ بھاری ہوگا وہ اس کی نجات کی علامت ہوگی اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا، یہ اس کے خسارہ اور نقصان کا نشان ہوگا اور حساب کئے ہوئے اعمال پر اعضاء اور جوارح یعنی ہاتھ اور پیروں کا شہادت دینا کہ ہم نے یہ یہ کیا تھا۔ یہ بھی حق ہے اور اعمال ناموں کا نیکیوں کے دائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا حق ہے۔

اور میزان اعمال حقیقۃً ترازو ہوگی۔ اس کے دو پلڑے اور زبان ہوگی ایک پلڑہ نورانی ہوگا جس میں حسنات تلیں گی اور دوسرا ظلمانی جس میں سیئات تلیں گی اور حقیقۃً وزن ہوگا۔ باقی اس ترازو کی حقیقت اور اس کے وزن کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اور ایمان لانے کے لئے اتنا علم اجمالی کافی ہے۔نفخہ ثانیہ کے بعد اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو موقف عرض وحساب (یعنی حساب اور پیشی کے مقام میں) سب کو جمع کرے گا۔اس موقف کا نام ساہرہ ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَة ۔ساہرہ میں روئے زمین کو

کہتے ہیں۔ حساب وکتاب کے لئے اللہ تعالیٰ جس زمین پر خلائق کو جمع کرے گا وہ یہ زمین نہ ہوگی بلکہ دوسری زمین ہوگی۔ کما قال تعالیٰ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوَاتُ حساب وکتاب اسی نئی زمین پر ہوگا۔ جب اس موقفِ عرض وحساب میں مخلوق کو کھڑے ہوئے ایک عرصہ دراز گذر جائے گا اور لوگ تشنگی اور تپش سے عاجز آ جائیں گے تو حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کریں گے کہ خلائق کا فیصلہ اور حساب وکتاب ہو جائے اور یہ مصیبت ختم ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی طرف بھیجیں گے اور نوح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اور حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف حوالہ کریں گے اس وقت حضرت عیسیٰ یہ فرمائیں گے:

ان محمداً خاتم النبیین قد حضر الیوم.

محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء علیہ آج تشریف فرما ہیں۔

ان سے شفاعت کی درخواست کرو۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام خلائق کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے حضور پُر نور ﷺ شفاعت کے لئے کھڑے ہوں گے اور مخلوق کو اسی دن کی گرمی اور تپش سے نجات دلائیں گے۔ اس شفاعت کا نام شفاعت کبریٰ ہے اور شفاعت کبریٰ کے مقام میں کھڑے ہونے کا نام مقام محمود ہے۔ کما قال تعالیٰ:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً.

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی.

نامہائے اعمال کی تقسیم

حضور ﷺ کی شفاعت کے بعد خلائق کو نامہائے اعمال اس طرح تقسیم ہوں گے کہ ہر ایک کا نامہ اعمال اڑ کر اس کے دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ میں پہنچ جائے گا اور پھر ہر ایک کو اپنے نامہ اعمال پڑھنے کا حکم ہوگا۔

اِقْرَاْ کِتَابَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا.

آج اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے تیرا نفس ہی خود کافی محاسب ہے۔

تا کہ ہر شخص کو معلوم ہو جائے کہ میں نے جو کچھ دنیا میں کیا تھا وہ سب لکھا ہوا آج میرے سامنے موجود ہے۔

نامہائے اعمال کے پڑھنے کے بعد محاسبہ شروع ہوگا

جب ہر شخص اپنا نامہ اعمال دیکھ لے گا اور پڑھ لے گا تب اس کا حساب اور محاسبہ شروع ہوگا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَہٗ بِیَمِیْنِہٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا.

جس شخص کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس کا حساب نہایت آسان طریقہ سے لیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ حساب اور محاسبہ نامہ اعمال کی تقسیم کے بعد ہوگا۔

محاسبہ کے وقت کراماً کاتبین اور حضرت انبیاء کی حضوری

جس وقت حساب لیا جائے گا اس وقت انبیاء کرام اور کراماً کاتبین (حاکمانہ حیثیت سے) حاضر ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَجِیْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَآءِ وَ قُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ.

اور حساب کے وقت انبیاء اور شہداء کو بلایا جائے گا اور حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

آیت میں شہداء سے کراماً کاتبین مراد ہیں۔

اور اس دن اور فرشتے بھی کافروں کی توبیخ اور ملامت کے لئے حاضر ہوں گے۔

یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ.

جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے تو ان کے لئے کوئی بات خوشی اور مسرت کی نہ ہوگی۔

انبیاء کرام یہ کہیں گے کہ ہم نے ان کو اللہ کے احکام پہنچائے مگر انہوں نے تکذیب

کی۔ کفار نابکار انبیاء کرام کی تبلیغ اور دعوت کا انکار کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت انبیاء سے گواہ طلب کریں گے۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ اور امت محمدیہ گواہی دے گی کہ انبیاء کرام نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اور یہ آیت اسی بارہ میں نازل ہوئی:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا كُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.

اور کراماً کاتبین نامہائے اعمال پیش کر دیں گے اور جب کفار نامہائے اعمال کا بھی انکار کریں گے تو من جانب اللہ خود انسان کے اعضاء اور جوارح کو گویائی عطا کی جائے گی اور اعضاء اور جوارح انسان کے اعمال کی شہادت دیں گے اور خود بخود بولیں گے کہ انسان نے کیا کیا عمل کئے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْئٍ.

قیامت کے دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پیر ان کے اعمال کی شہادت دیں گے لوگ اس وقت اعضاء سے یہ کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی؟ اعضاء جواب میں یہ کہیں گے کہ ہم کو آج اس خدا نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی عطا کی یعنی ہمارے اختیار کو کوئی دخل نہیں۔

غرض یہ کہ انبیاء کرام اور کراماً کاتبین کی شہادت کے بعد خود ان کے اعضاء اور جوارح بھی ان کی بداعمالیوں کی شہادت دیں گے اور اس طرح ان پر حجت تمام ہوگی۔

محاسبہ کے معنی

حساب اور محاسبہ کے معنی یہ ہیں کہ ان کو ان کے اعمال پر مطلع کیا جائے گا اور ان کو بتلایا اور جتلایا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں وقت اور فلاں فلاں جگہ یہ یہ اعمال کئے۔ غرض یہ کہ ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا:

وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ.

یعنی اگر ان کا کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو اس کو بھی سامنے کر دیں گے
اور اس کا حساب لیں گے اور ہم کافی حساب لینے والے ہیں۔

کفار اور مشرکین سے حساب و کتاب لینے کے بعد دوزخ میں ڈالنے کا حکم ہوگا اہل ایمان سے حساب مختلف طرح ہوگا کسی سے آسان اور کسی سے سخت، حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کو یہ دعا مانگنی چاہئے:

اللھم حاسبنی حسابا یسیرا.

اے اللہ مجھ سے بہت[1] ہی آسان حساب لینا۔

اور قرآن اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گروہ جنت میں بلا حساب و کتاب جائے گا وہ گروہ متوکلین کا ہے۔

اور حق جل شانہ بوقت حساب اپنے خاص بندوں سے کچھ کلام اور خطاب بھی فرمائیں گے اور ان کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب اور ترجمان نہ ہوگا اور کفار نابکار سے اول تو کوئی کلام ہی نہیں فرمائیں گے اور اگر کچھ فرمائیں گے تو غیظ و غضب اور توبیخ اور سرزنش کے ساتھ ہوگا۔

عقیدۂ چہارم

حوض کوثر حق اور سچ ہے اور اہل ایمان کا قیامت کے دن اس حوض سے پانی پینا حق ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس کے مرتبہ کے موافق ایک حوض عطا فرمائیں گے اور ہر نبی کی امت کی ایک خاص علامت ہوگی۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی حوض کا نام کوثر ہے جو تمام حوضوں سے بڑی ہوگی جس کا اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ اور بے شمار احادیث میں ذکر آیا ہے اور آپ کی امت کی علامت یہ ہوگی کہ اعضاء وضو نہایت روشن اور درخشاں ہوں گے۔

---

(۱) یہ ترجمہ حسابا اور یسیرا کی تنوین تقلیل کا ہے اور جب دو تنوین تقلیل کی جمع ہو گئیں تو حاصل اس کا اقل قلیل رہے گا اور اقل قلیل کا حاصل برائے نام ہے، مسلمان کو چاہئے کہ یہ دعا مانگتا رہے اور حدیث قدسی انا عند ظن عبدی کا دل میں تصور رکھے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔۱۲

جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو پیاسے ہوں گے تو ہر نبی اپنی امت کے نیکوں کو اس حوض سے پانی پلائے گا۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حوض کوثر پر حاضری حساب و کتاب سے پہلے ہوگی یا پل صراط سے گزرنے کے بعد لیکن ظاہر یہ ہے کہ بعض کو قبر سے اٹھتے ہی پانی ملے گا اور بعض کو کچھ دیر میں اور بعض کو پل صراط گزرنے کے بعد اور بعض کو دوزخ سے خلاص ہونے کے بعد اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے پانی ملے گا اور ممکن ہے کہ کسی کو سب جگہ پانی پلایا جائے۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔

عقیدۂ پنجم

پل صراط جو دوزخ کی پشت پر ایک پل قائم کیا جائے گا۔ جس سے مومنین عبور کر کے جنت میں جائیں گے اور دوزخی اس سے پھسل کر دوزخ میں گریں گے حق اور صدق ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے جنتی اس پر کو عبور کر کے جنت میں پہنچیں گے اور دوزخ اس پل کے نیچے ہوگی۔ وزن اعمال کے بعد لوگوں کو پل صراط پر چلنے کا حکم ہوگا۔ اہل ایمان جلدی سے گزر جائیں گے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ اپنی امت کو لے کر گزریں گے۔ کوئی مومن تو پلک جھپکنے میں گزر جائے گا اور کوئی بجلی کی طرح اور کوئی سوار کی طرح اور کوئی تیز گھوڑے کی طرح اور کوئی اونٹ کی طرح۔ پل صراط پر اندھیرا ہوگا صرف اہل ایمان کے سامنے ان کے ایمان کا نور اور روشنی ہوگی جو ان کی رہنمائی کرے گی جس کا اس آیت میں ذکر ہے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَ الْمُنَافِقَاتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ.

نکتہ:

پل صراط پر گزرنا۔ صراط مستقیم پر چلنے کی صورت مثالیہ ہے جو دنیا میں صراط مستقیم پر قائم رہا وہ آخرت میں بھی پل صراط سے بسہولت گزر جائے گا اور جس کا قدم یہاں پھسلا

اس کا وہاں بھی پھسلے گا۔ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ پل صراط کا راستہ حقیقی راستہ ہے جو محسوس ہوگا اور تمام اہل محشر اس کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے، کوئی خیالی اور مجازی چیز نہیں تمام ادیان حقہ اسی کی موید ہیں اور تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو اسی طرح خبر دی ہے اور پھر سب نبیوں کے بعد خاتم الانبیاء ﷺ نے پل صراط کے متعلق امت کو اسی طرح خبر دی ہے اور اس کو اسی طرح صاف اور واضح بیان فرمایا ہے کہ اس میں کسی تاویل اور شبہ کی گنجائش نہیں لہٰذا اس کو حقیقی طور پر ماننا تمام امت پر فرض ہے۔

عقیدۂ ششم

قیامت کے دن نیکوں کی شفاعت بروں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے اذن اور اجازت سے حق ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء اور علماء اور شہداء اور فرشتوں کو اہل ایمان کے حق میں کچھ عرض معروض کرنے کی اجازت دیں گے شفاعت کا دروازہ سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کھلوائیں گے اور تمام اولین و آخرین مل کر حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کریں گے۔ اہل محشر کی طرف سے شفاعت کی درخواست حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوگی اور خاتم الانبیاء ﷺ پر ختم ہوگی اور اس وقت آپ کا خاتم النبیین اور سید الاولین والآخرین ہونا سب اہل حشر پر ظاہر ہو جائے گا اور سب کو آپ کے مرتبہ کا علم ہو جائے گا۔

فائدہ جلیلہ:

جاننا چاہیے کہ حضور پُر نور کی متعدد مقامات پر مختلف شفاعتیں ہوں گی پہلی شفاعت جس کو شفاعتِ کبریٰ کہتے ہیں یہ میدان حشر میں ہوگی، یہ شفاعت میدانِ حشر کی شدت اور دہشت کی تخفیف اور حساب و کتاب شروع ہونے کے لئے ہوگی۔ دوسری شفاعت حساب اور سوال میں سہولت ہو جانے کے لئے ہوگی کہ ان سے حساب آسان لے لیا جائے، محاسبہ میں سختی نہ کی جائے۔ تیسری شفاعت، بعض گنہگاروں پر عذاب کا حکم جاری ہونے کے بعد شفاعت فرمائیں گے کہ ان کا قصور معاف کر دیا جائے اور جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ چوتھی

شفاعت، بعض گنہگار جو جہنم میں داخل ہوں گے ان کو دوزخ سے نکالنے کی شفاعت فرمائیں گے۔ پانچویں شفاعت بعض اہل ایمان کے درجے بلند ہونے کی شفاعت فرمائیں گے کہ اس مومن کو اس سے بڑھ کر درجہ دیدیا جائے۔ گنہگار کو ان تمام مواقع پر شفاعت کی امید رکھنی چاہئے۔

نصیب ہست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحق کرامت گنہگاراں اند (۱)

یہ شفاعت کی پانچ قسمیں ہوئیں جو احادیث سے ثابت ہیں اور سب حق ہیں معتزلہ صرف پہلی قسم اور پانچویں قسم کی شفاعت کے قائل ہیں اور دوسری اور تیسری اور چوتھی قسم کی شفاعت کے منکر ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کرنے سے مومن نہیں رہتا اور غیر مومن کے لئے شفاعت مغفرت نہیں۔

عقیدۂ ہفتم

جنت اور جہنم حق ہے اور جنت کا ثواب اور عیش وآرام اور دوزخ کا عذاب سب حق ہے۔ تمام جسمانی اور روحانی لذتیں اور راحتیں اہل جنت کو میسر ہوں گی اور تمام جسمانی اور روحانی مصیبتیں اہل جہنم کو حاصل ہوں گی۔

عقیدۂ ہشتم

بہشت اور دوزخ دونوں پیدا ہو چکی ہیں اور فی الحال موجود ہیں حساب وکتاب کے بعد ایک گروہ دوزخ میں بھیج دیا جائے گا اور ایک گروہ بہشت میں بھیج دیا جائے گا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ دوزخ اور بہشت قیامت کے دن پیدا ہوں گی۔ قرآن کریم کی بے شمار آیات سے یہ بات صراحۃً ثابت ہے کہ جنت متقیوں کے لئے تیار کی جا چکی ہے اور دوزخ کافروں کے لئے تیار کی جا چکی ہے اور حضرت آدم اور حضرت حوا کا قصہ ان کے رد کے لئے

---

(۱) اے عارف باللہ تیرا نصیب جنت ہے جاؤ کیونکہ بخشش کے مستحق گناہگار ہوتے ہیں۔

کافی ہے جو صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جنت پیدا ہو چکی ہے جس میں عرصہ تک حضرت آدم اور حضرت حوا سکونت پذیر رہے یا آدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ۔[1]

عقیدۂ نہم

جنت اور جہنم دونوں دائمی ہیں اور دونوں دار البقاء اور دار دوام ہیں ان کو کبھی فنا نہیں کیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کو ہمیشہ کیلئے پیدا کیا ہے اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے۔

عقیدۂ دہم

اعراف حق ہے۔ اعراف اس مقام کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگا۔ اس میں نہ جنت جیسی راحت ہوگی اور نہ دوزخ جیسی مصیبت ہوگی مگر یہ مقام دائمی نہیں۔ اس پر جو لوگ ہوں گے وہ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ دونوں کو دیکھیں گے اور ان سے کلام کریں گے۔ کما قال تعالیٰ:

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَ عَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلاًّ بِسِيْمَاهُمْ.

یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار ہوگی جس کا نام اعراف ہے اس پر کچھ لوگ ہوں گے جو سب کو ان کے چہروں کی علامت سے پہچان لیں گے کہ یہ دوزخی ہے یا جنتی ہے۔

قیامت کے دن آدمی تین قسم کے ہوں گے۔ ایک وہ ہوں گے کہ جن کی نیکی ان کی بدی پر غالب ہوگی انہیں جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا۔ دوسرے وہ ہیں جن کی بدی ان کی نیکی پر غالب ہوگی انہیں دوزخ میں جانے کا حکم ہوگا اور تیسرے وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکی اور بدی برابر ہوگی، ان کو مقامِ اعراف میں ٹھہرنے کا حکم ہوگا۔ یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہوگا تو ان کی خطائیں معاف کر کے ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۱) اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ (بقرہ ۳۵)

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَاخَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ.

اہل اعراف کو حکم ہوگا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اب تم پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم ہے۔

جمہور سلف اور خلف کا مذہب یہی ہے کہ اہلِ اعراف وہ لوگ ہوں گے جن کی حسنات اور سیات برابر ہوں گی۔ فی الحال وہ اس دیوار پر چڑھ کر جنت والوں کو سفید اور روشن چہرہ دیکھ کر پہچان لیں گے اور دوزخیوں کی سیاہ روئی کو دیکھ کر ان کو پہچان لیں گے اہل جنت کو دیکھ کر جنت میں جانے کی طمع کریں گے اور دوزخیوں کو دیکھ کر ڈریں گے اور ان کے حال سے پناہ مانگیں گے۔ مگر اللہ کے فضل پر نظر لگائے ہوئے ہوں گے اور اسی طمع میں ہوں گے کہ اللہ کا فضل ان کی دستگیری کرے گا اور ان کو اپنے فضل اور رحمت سے جنت میں جانے کا حکم دے گا۔ بہر حال تمام اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اعراف کوئی دائمی مقام نہیں بالآخر اعراف والے جنت میں داخل ہوں گے۔

عقیدۂ یازدہم

کافروں کا عذاب دوزخ دائمی ہے۔ کافر ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں رہیں گے کبھی بھی عذاب سے ان کی نجات نہ ہوگی اور نہ ان کے عذاب میں کبھی تخفیف ہوگی۔

لَايُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَاهُمْ يُنْظَرُوْنَ.

نہ ان کا عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ان کو کوئی مہلت ملے گی اور مومنوں کا ثواب دائمی ہے مومن ہمیشہ جنت میں رہیں گے کبھی جنت سے نہ نکلیں گے۔

اور مومن فاسق یعنی گنہگار مسلمان اپنے گناہوں کی شامت سے کچھ مدت کے لئے دوزخ میں جائے گا اور گناہوں کے موافق اس کو عذاب دے کر دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور اس کے ایمان کی برکت سے اس کو کافروں کی طرح سیاہ رو نہ کریں گے اور نہ اس کے طوق وزنجیر ڈالیں گے۔ دوزخ کا دائمی عذاب کافروں کے لئے مخصوص ہے جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا اس کا انجام رحمت پر ہوگا اور اس کا مقام جنت ہوگا۔

عقیدۂ دوازدہم

آخرت میں اہلِ ایمان کا اللہ تعالیٰ کو بے چون وچگون اور بے جہت اور بے مثال دیکھنا حق ہے اور اس کی رویت اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے۔ اس لئے کہ جب ذات خداوندی بے چون وچگون ہے تو اس کی رویت اور اس کا دیدار بھی بے چون وچگون ہوگا بلکہ دیکھنے والے کو بھی بے چونی اور بے چگونی سے حظ وافر ملے گا تاکہ بے چون کو دیکھ سکے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے سوائے اہل سنت والجماعت تمام اہل ملت اور غیر اہل ملت فرقے منکر ہیں اور خدا تعالیٰ کے بے جہت اور بے کیف دیدار کو محال سمجھتے ہیں تعجب ہے کہ بہشت میں ہوں اور حق تعالیٰ کو نہ دیکھیں اور ظاہر ہے کہ جولوگ اس کو محال سمجھتے ہیں، وہ دیدار خداوندی کی سعادت اور دولت کے حصول سے بھی مایوس اور ناامید ہوں گے اگر دیدار خداوندی حق نہ ہوتا تو اہل دل عبادت میں اس درجہ لطف اور لذت نہ اٹھاتے اس لئے کہ محال چیز کا کسی کو شوق نہیں ہوتا۔ اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین کو دیکھنے کا دنیا میں کوئی مشتاق نہیں اور اس نور السموت والارض کے جمال بے مثال کے دیکھنے کے لئے سب مشتاق ہیں۔ یہ اہل ایمان کی شان ہے۔

۱۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَہ۔

آخرت میں بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔

۲۔ وقال تعالیٰ

کَلَّا اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْن۔

کافر قیامت کے دن اپنے خدا کے دیدار اور لقا سے محجوب اور محروم ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ اہل ایمان دیدار سے محروم نہ ہوں گے۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانہ سے درخواست کی:

رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْک

اے اللہ مجھ پر اپنا جلوہ فرمادیجئے کہ ایک نظر آپ کو دیکھ لوں۔

اگر حق تعالیٰ کی رویت محال ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کبھی درخواست نہ فرماتے۔ اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کے نبی اور رسول کو اس کا علم نہ ہو کہ بارگاہ خداوندی میں کونسی شئے ممکن ہے اور کونسی شئے محال۔ اور مخالفین کی یہ تاویل کہ یہ سوال قوم کی طرف سے تھا غلط ہے بلکہ نص سے صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ذوق وشوق میں آکر اپنے لئے یہ درخواست کی تھی اور اگر بقول معتزلہ موسیٰ علیہ السلام رویت خداوندی کو محال سمجھتے تھے تو قوم کو اس مہمل اور گستاخانہ سوال سے منع فرمادیتے اس لئے کہ نبی اور رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی ذات وصفات اور آداب سے باخبر کرے۔ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا لن ترانی اے موسیٰ اس دار فانی میں تم میری رویت کا تحمل نہیں کرسکو گے۔ حق جل شانہ کی قدرت کے لحاظ سے دنیا اور آخرت اگرچہ سب برابر ہیں اس لئے کہ سب اسی کی مخلوق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو مختلف الاستعداد بنایا ہے کسی مخلوق میں یہ لیاقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات کا تحمل کرسکے اور کسی میں یہ لیاقت نہیں جس طرح آئینہ میں صورتوں کے انعکاس اور ظہور کی لیاقت ہے مگر پتھر اور مٹی میں یہ قابلیت نہیں، حالانکہ دونوں اسی کی مخلوق ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں رویت کے ظہور کی لیاقت نہیں رکھی اور جنت میں یہ قابلیت اور لیاقت رکھی اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو دینار میں رؤیت نہ ہوسکی اور نبی اکرم ﷺ کو جو شب معراج میں دیدار خداوندی کی دولت ملی سو اس کا وقوع اس دار فانی میں نہیں ہوا بلکہ بہشت میں گئے اور وہاں حق تعالیٰ کو دیکھا جو عالم آخرت سے ہے۔ غرض یہ کہ دنیا میں نہیں دیکھا بلکہ دنیا سے نکل کر آخرت میں پہنچ کر دیکھا۔ ان آیات کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جن سے آخرت میں دیدار خداوندی ثابت ہے اور اسی طرح اس بارہ میں احادیث اس قدر بے شمار آئیں ہیں کہ جو بلاشبہ حد تواتر کو پہنچی ہیں اور اسی پر قرن اول کا اجماع منعقد ہوچکا ہے حق تعالیٰ کے بصیر اور بینا اور رائی ہونے کا کسی مسلمان کو انکار نہیں قرآن کریم میں ہے۔

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى

کیا اس کافر کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔

اور دوسری جگہ ہے:

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْر. وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْر. وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ. لَاتَخَافَا اِنَّنِيْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰى.

تم دونوں ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں تمہاری عرض معروض کو سنتا ہوں اور تمہارے حال کو دیکھتا ہوں۔

پس جس طرح حق تعالیٰ ہم کو دیکھتا ہے اور مکان اور جہت سے پاک ہے اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کو دیکھیں۔ بندے اگر چہ مکان اور جہت میں ہوں مگر خدا تعالیٰ مکان اور جہت سے پاک ہے۔

منکرین رویت اپنی حجت میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَار

انسانی نگاہیں اللہ کا ادراک نہیں کرسکتیں اور اللہ ہی بصارتوں کا ادراک کرتا ہے۔

اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہوسکتی ہے۔ اہل حق یہ کہتے ہیں کہ ادراک کے معنی لغت میں دیکھنے کے نہیں، بلکہ احاطہ کرنے اور کسی چیز کی غایت اور نہایت کو پہنچنے کے ہیں۔ ادرک الصبی ۔ لڑکا بلوغ کو پہنچ گیا۔ ادرک الثمر ۔ پھل اپنی انتہائی پختگی کو پہنچ گیا۔ قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون ۔ موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے پیچھے سے فرعون کو آتے دیکھ کر کہا کہ ہم تو گھر گئے۔ لہٰذا آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ بصارتیں اور نگاہیں اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور نہ اس کی غایت اور نہایت کو پاسکتی ہیں۔

عقائد متعلقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

عقیدۂ اول

تمام انبیاء کرام کے بعد خاتم الانبیاء سرور اصفیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہ کرام کا مرتبہ اور مقام ہے۔ صحابہ[1] کی محبت دین اور ایمان اور احسان ہے اور صحابہ سے بغض اور نفرت کفر اور نفاق اور فسوق اور عصیان ہے جس طرح حضور پُر نور ﷺ تمام انبیاء سے بہتر اور افضل ہیں اسی طرح حضور ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل اور بہتر ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاس

قرآن کریم کی نص صریح ہے اور تمام امت میں سب سے افضل اور بہتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ ہے۔ اس لئے تمام اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ تمام انسانوں میں انبیاء کرام کے بعد صحابہ کرام کا درجہ اور مرتبہ ہے اور انبیاء کے بعد حق تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ اور افضل اور مقبول اور محبوب گروہ صحابہ کرام کا ہے اور وہ بلاشبہ مومن کامل اور صحیح الاسلام تھے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ وہ منافق نہ تھے۔ قرآن اور حدیث ان کے ایمان اور اخلاص کی شہادت سے بھرا پڑا ہے۔ ان کا خاتمہ ایمان اور اسلام پر ہوا

---

(۱) یہ امام طحاویؒ کی عبارت کا ترجمہ ہے اصل عبارت یہ ہے:

ونحب اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نفرط في حب احدمنهم و نبغض من يبغضهم و بغير الحق يذكرهم ولا نذكرهم الا بالخير وحبهم دين وايمان واحسان و بغضهم كفر و نفاق و طغيان. ۱۲ عقيده طحاويه صفحه ۷

قیامت تک کوئی شخص ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ جس طرح کوئی ولی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اسی طرح کوئی ولی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ نے قرآن میں ان کے لئے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ اور دنیا ہی میں ان کو جنت کی بشارت سنادی گئی۔ صحابہ کرام اگرچہ انبیاء کرام کی طرح معصوم نہیں مگر خدا تعالیٰ کا ان سے راضی ہونا اور جنت میں ان کا جانا قطعی اور یقینی ہے جس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ یہ دونوں باتیں رضائے خداوندی کا پروانہ اور جنت کی خوشخبری صحابہ کیلئے قرآن اور حدیث سے ثابت ہے ان کے علاوہ کسی کے لئے یہ دونوں باتیں قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں اس لئے بڑے سے بڑے ولی کے متعلق قطعی اور یقینی طور پر یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ فلاں ولی کا جنت میں داخل ہونا قطعی اور یقینی ہے۔ ظاہر کے اعتبار سے ظنی ہے۔ دل کا حال اللہ کو معلوم ہے اور صحابہ کے ایمان اور دلی اخلاص کی شہادتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ.

اس آیت میں حق تعالیٰ نے صحابہ کے متعلق اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا اور **فعلم مافی قلوبھم** میں ان کے دلی اخلاص کی شہادت دی کہ اللہ کو ان کے دلوں کا خوب حال معلوم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے محب صادق اور مخلص خالص ہیں جن میں نفاق اور تقیہ کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کے دلی اخلاص کی خبر دی ہے جس میں اس بات کو ظاہر کر دیا کہ معاذ اللہ صحابہ کا ایمان تقیہ کے طور پر نہ تھا خوب سمجھ لو۔

خصوصیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۱۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے صحابہ کرام کو ایمان اور اسلام کی لازوال دولت سے مالا مال فرمایا اور سب سے پہلے صحابہ کرام کی آنکھوں کو حضور پرنور ﷺ کے جمال بے مثال سے روشن اور منور کیا۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہزار بار بوسہ زنم دستِ خویش را — کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است (۱)

تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور پُر نور ﷺ کی خواب میں زیارت صد ہزار سعادت کا موجب ہے پس ان لوگوں کی سعادت اور خوش نصیبی کا کیا پوچھنا جو دن اور رات میں بحالت بیداری سینکڑوں اور ہزاروں بار صد ہزار عشق و محبت کے ساتھ حضور پُر نور ﷺ کے جمال اور کمال کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے تھے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حضور پُر نور ﷺ کی صحبت اور نصرت کے لئے پسند کیا اور دین اور ملت کی تقویت اور اعانت کے لئے ان کو منتخب کیا۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا.

اور اللہ نے ان کے لئے تقویٰ اور پرہیزگاری کی خصلت کو لازم کر دیا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری ان سے جدا نہ ہو سکے اور صحابہ ہی تقویٰ اور پرہیزگاری کے سب سے زیادہ مستحق تھے اور وہی سب سے زیادہ اس کے اہل تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے کہ کون کس کا اہل ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ سے بڑھ کر کوئی متقی اور پرہیزگار نہیں اور صحابہ ایسے متقی اور پرہیزگار تھے کہ تقویٰ ان کے لئے لازم اور غیر منفک تھا۔

۳۔ صحابہ کرام کے سامنے قرآن کریم کا نزول ہوا اور جن حالات اور واقعات میں آیات قرآنیہ کا نزول ہوا وہ تمام کے تمام صحابہ کے سامنے پیش آئے اس لئے امت میں سب سے زیادہ قرآن کے سمجھنے والے صحابہ کرام ہوئے۔

۴۔ صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے احکام کے اولین مخاطب ہیں جن کو اللہ نے اپنے خطاب سے نوازا۔

---

(۱) مجھے اپنی آنکھوں پر فخر ہے کہ اس نے تیرے جمال کو دیکھا ہے، میں اپنے ہی پاؤں پر پڑتا ہوں کہ وہ تیرے راستے تک پہنچے ہے۔

اپنے ہاتھوں کو ہزار بار بوسہ دوں گا کہ اس نے آپ کے دامن کو پکڑا اور میری طرف کھینچا ہے۔

۵۔ صحابہ کرام نے قرآن شریف اور دیگر احکام شریعت کو بلا واسطہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے سنا۔

۶۔ صحابہ کرام نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کو پانی کی طرح بہا دیا۔ اور اللہ کے رسول کی محبت میں خویش اور اقارب اولاد اور والدین سب کو چھوڑ دیا اور آپ ﷺ کی محبت میں وطن مالوف سے ہجرت کی اور عرب اور عجم سے لڑائی مول لی اور آپ ﷺ کی نصرت اور حمایت میں خویش اور اقارب سے جنگ کی اور اس مقابلے میں باپ اور بیٹے اور چچا اور ماموں کسی کی پروا نہیں کی۔

۷۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور احکام شریعت صحابہ کرام ہی کے ذریعہ امت تک پہنچے اگر صحابہ کرام قرآن کریم کو جمع نہ کرتے اور احادیث اور احکام شریعت کی روایت نہ کرتے تو امت کو نہ قرآن کا علم ہوتا اور نہ حدیث کا اور نہ آپ کی شریعت کا اور نہ آپ کی نبوت کا، صحابہ رسول ﷺ اور امت کے درمیان واسطہ ہیں۔

۸۔ صحابہ کرام ہی نے دنیا میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور کتاب وسنت کی نشر و اشاعت میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ حضور پُر نور ﷺ کے وصال کے بعد جو بھی مسلمان ہوا وہ صحابہ کرام ہی کو دیکھ کر مسلمان ہوا۔ اور صحابہ کرام کا اس درجہ شیدا اور عاشق بنا کہ حضور پُر نور ﷺ کی زیارت کے بعد صحابہ کرام کی زیارت ہی کو سعادت کبریٰ اور نعمت عظمیٰ سمجھنے لگے اور جس طرح صحابی ہونا ایک منقبت تھی اسی طرح تابعی ہونا بھی ایک قابل فخر منقبت ہوگئی۔

۹۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کی جس قدر بھی صفات فاضلہ کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً:
۱۔ مومنین اور ۲۔ مسلمین اور ۳۔ متقین اور ۴۔ صادقین اور ۵۔ صدیقین اور ۶۔ شہداء اور ۷۔ صالحین اور ۸۔ قانتین اور ۹۔ صابرین اور ۱۰۔ شاکرین اور ۱۱۔ تائبین اور ۱۲۔ عابدین اور ۱۳۔ راکعین اور ۱۴۔ ساجدین اور ۱۵۔ آمرین بالمعروف اور ۱۶۔ ناہین عن المنکر اور ۱۷۔ حافظون لحدود اللہ اور ۱۸۔ محسنین اور ۱۹۔ متوکلین اور ۲۰۔ مہتدین اور ۲۱۔ مفلحین وغیرہ وغیرہ

ان صفات فاضلہ کا اولین مصداق صحابہ کرام ہیں اور باقی امت کے علماء اور صلحاء

اور اولیاء اور عباد و زھاد صحابہ کی تبعیت میں ان اوصاف کے مصداق ہیں۔

۱۰۔ جس طرح نبی اکرم ﷺ کی بشارتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔کما قال تعالیٰ:

الَنبِیَّ الْاُمِیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْباً عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْل

اسی طرح صحابہ کرام کے اوصاف اور کمالات بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔کما قال تعالیٰ:

ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْل.

۱۱۔ بارگاہ خداوندی سے صحابہ کرام کو دائمی رضاء اور خوشنودی کا پروانہ ملا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ سے قرآن بھرا پڑا ہے۔صحابہ کرام کے لئے بلاشرط کے رضا اور خوشنودی کا اعلان ہوا۔اور صحابہ کے بعد آنے والوں کے لئے یہ شرط ہوئی کہ اگر بعد میں آنے والے اخلاص کے ساتھ صحابہ کا اتباع کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے بھی راضی ہوگا۔ کما قال تعالیٰ:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَار وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَان رَضِیَ اللّٰهُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْه وَاَعَدَّلَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھَارُ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَداً ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْم.

جو مہاجرین اور انصار ایمان میں سب سے سابق اور مقدم ہیں اور جو لوگ قیامت تک مہاجرین اور انصار کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں اور اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں ان سب سے اللہ راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں جن میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کیلئے اولاً اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا اور ثانیاً ان کو دائمی جنت کی بشارت دی اور ثالثاً صحابہ کے بعد آنے والے لوگوں کے لئے رضا اور جنت کا وعدہ اس شرط کے ساتھ مشروط کیا کہ بشرطیکہ بعد میں آنے والے صحابہ کی اخلاص کے ساتھ پیروی کریں۔

وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَان.

۱۲۔ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

(سورہ توبہ)

ہاں رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا ان لوگوں کے لئے تمام بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں ان لوگوں کے لئے اللہ نے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں یہ لوگ ہمیشہ انہیں میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایمان لانے والوں کے لئے چار وعدے فرمائے۔ ایک خیرات و زکوٰۃ کا دوم فلاح کامل کا۔ سوم جنتوں کا۔ چہارم فوز عظیم۔

۱۳۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ. (سورہ انفال)

اور جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور ان کی مدد کی یہ سب لوگ سچے اور پکے مومن ہیں۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت اور رزق کریم لکھا جاچکا ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کو سچا اور پکا مومن فرمایا اور ان سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام پکے اور سچے مومن تھے۔ تقیہ والے نہ تھے۔

۱۴۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْراً عَظِيْماً. (سورہ فتح)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے اصحاب اور رفقاء کافروں پر سخت اور مسلمانوں کے حق میں نرم اور مہربان ہیں۔ اے دیکھنے والے تو صحابہ کو رکوع اور سجدہ کرتا ہی دیکھے گا جو محض اللہ کے فضل اور اس کی رضا اور خوشنودی کے طالب ہیں اور سجدہ کے نشان ان کے چہروں پر تو نمایاں طور پر دیکھے گا۔ صحابہ کے یہ اوصاف تو توریت میں مذکور ہیں اور انجیل میں ان کی یہ مثال بیان کی ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر قوی اور موٹی ہوئی اور اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوئی جو کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ اسی طرح صحابہ کرام کی حالت اول کمزور تھی بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت دی تا کہ دنیا میں کافروں کو صحابہ کے غیظ اور حسد سے جلائے اور آخرت میں ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت میں صحابہ کرام کی مدح فرمائی اور یہ بھی بتلایا کہ جس طرح نبی کریم ﷺ کی بشارت توریت اور انجیل میں مذکور ہے اسی طرح صحابہ کرام کے اوصاف بھی توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اور جس کو صحابہ سے غیظ آئے وہ کافر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں صحابہ کرام کا مرتبہ ہے اور جس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت کا نمونہ ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کی اتباع نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا نمونہ ہے۔

لہٰذا جس طرح اسوۂ نبوی اور سنت پیغمبری کو طریقہ خداوندی سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اسوہ صحابہ کو اسوہ نبوی سے جدا نہیں کیا جاسکتا خدا تعالیٰ کا دین ہم تک انہیں دو واسطوں سے پہنچا ہے ایک نبی اکرم ﷺ اور دوسرے صحابہ کرام۔ جو شخص صحابہ کو نہیں مانتا وہ یہ بتلائے کہ دین اس کو کس طرح پہنچا۔

عقیدۂ دوم

تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، اور ان کی فضیلت ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اکابر صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے جن میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء اور صلحاء مدبر اور عقلاء حضرات شامل تھے بحث ونظر اور غور و فکر کے بعد تمام حاضرین نے صدق دل اور طیب خاطر اور شرح صدر کے ساتھ بالاتفاق ابوبکر صدیق کو یہ سمجھ کر اپنا خلیفہ بنایا کہ ابوبکر علم اور فہم ورع اور تقوی امانت اور عدالت اور تدبیر سیاست میں تمام صحابہ سے بڑھ کر ہیں اور جملہ اصحاب کبار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ظاہر ہے کہ ایسا عظیم الشان مجمع جو ایسے حضرات پر مشتمل ہو کہ جن کو اللہ اور رسول کی رضا اور خوشنودی کا پروانہ اور جنت کی بشارت مل چکی ہو وہ سوائے حق کے کسی بات پر متفق نہیں ہوسکتا۔ حضور پرنور ﷺ کا ارشاد ہے:

لن یجتمع امتی علی الضلالۃ.

میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی۔

ابتدائے مشاورت میں انصار کی یہ رائے تھی کہ:

منا امیر ومنکم امیر.

ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے۔

انصار نے خلافت کو قبیلہ کی سیادت پر قیاس کیا کہ جس طرح عرب کا دستور تھا کہ ہر قبیلہ کا سردار اسی قبیلہ کا آدمی ہوتا تھا اسی طرح ہر قبیلہ کا خلیفہ اور امیر بھی الگ الگ اسی قبیلہ سے ہو لیکن حضرت عمرؓ نے انصار کو حجت اور برہان کے ساتھ ملزم کیا اور فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں ابوبکر کو نماز میں مسلمانوں کا امام اور پیشوا بنایا اور نماز دین کا ایک

بہت بڑا ستون ہے اور آخری بیماری میں ابوبکر کو نماز میں اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود ابوبکر کی اقتدا کی پس جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا اور اس کو آگے کیا ہم اس کو پیچھے نہیں کر سکتے۔ ہم بھی اس شخص کو آگے ہی کریں گے۔ نیز حضور پرنور ﷺ مہاجرین میں سے تھے آپ کا خلیفہ بھی مہاجرین میں سے ہونا چاہئے اور بہترین مہاجر وہ ہے کہ جس کو رسول ﷺ نے اپنی جگہ پر کھڑا کیا اور خود اس کی اقتدا کی اور مسلمانوں کا امام اس کو بنایا۔ اس بحث ومباحثہ کے بعد انصار نے بھی بصد رغبت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی ورنہ انصار کو مہاجرین کا کوئی خوف اور ڈر نہ تھا۔ مدینہ منورہ میں اکثریت انصار کی تھی مال و دولت اور عددی کثرت ہر اعتبار سے انصار مہاجرین پر غالب تھے۔ اگر انصار بہ رضاء رغبت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے تو مہاجرین کے پاس کوئی قوت ایسی نہ تھی جو اس اکثریت کو اقلیت کے امیر اور خلیفہ کی بیعت پر مجبور کر سکتی۔ معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق میں امارت اور خلافت کی شرائط اس درجہ اتم اور اکمل تھیں کہ سب نے باتفاق اپنا خلیفہ بنایا۔ اگر ابوبکر صدیق شرائط امارت یعنی علم اور فہم اور امانت و دیانت وغیرہ وغیرہ میں سب سے مقدم نہ ہوتے تو اس مقدس گروہ کا اجماع ان کی خلافت پر ہرگز منعقد نہ ہوتا۔ غرض یہ کہ انصار کا بالاتفاق ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور پھر ہمیشہ دل وجان سے ابوبکر کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ انصار کے نزدیک بھی ابوبکر صدیق کی خلافت، خلافتِ حقہ، اور خلافت راشدہ تھی غاصبانہ اور جابرانہ نہ تھی ورنہ انصار آپ کی خلافت کو تسلیم ہی نہ کرتے۔
بعض علماء اہل سنت اس طرف گئے ہیں کہ ابوبکرؓ کی خلافت نبی کریم ﷺ کی تنصیص اور تصریح سے ثابت ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں ابوبکر کی خلافت کی صراحت فرمادی تھی۔ اس کے برعکس شیعہ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خلافت کیلئے نامزد کر دیا تھا۔

حق یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے کسی خاص شخص کی خلافت کے بارہ میں کوئی صریح اور جلی نص نہیں پائی گئی نہ ابوبکر صدیقؓ کے لئے اور نہ علی مرتضیٰؓ کے لئے، البتہ ابوبکر صدیق کی خلافت کے لئے نصوص خفیہ اور اشارات اس درجہ کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ جو قریب صراحت کے ہیں۔ خلافتِ صدیقی کے انعقاد کے لئے اہل سنت والجماعت

کا اصل تمسک اجماع امت سے ہے اور نصوص خفیہ اور اشارات نبویہ کو اس اجماع کا منشا اور مبنی اور مؤید قرار دیتے ہیں۔ اہل سنت نصوص خفیہ اور اشارات کو محض تقویت اور تاکید حجت کے لئے پیش کرتے ہیں۔ ورنہ صحابہ کرام کا اجماع خود ایک مستقل حجت ہے اجماع صحابہ کے بعد کسی دوسری دلیل کی مطلق حاجت نہیں۔

اگر صدیق اکبر کی خلافت پر کوئی نص موجود ہوتی تو مہاجرین اور انصار میں منا امیر ومنکم امیر پر بحث اور گفتگو نہ ہوتی۔

اور اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر کوئی نص ہوتی تو صحابہ کرام ضرور اس کو ذکر کرتے اور اگر بفرض محال صحابہ نے چھپایا تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وقت اپنی نص خلافت کو ظاہر فرما دیتے تو انصار بجائے ابوبکر کے یقیناً حضرت علی کا ساتھ دیتے اس لئے کہ حضور پُر نور ﷺ کی قرابت کی وجہ سے انصار پر بنو ہاشم کا خاص اثر اور لحاظ تھا۔ نیز حضرت معاویہ کے مقابلہ میں انصار نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا اور حضرت علی کے ساتھ ہو کر لڑے اور اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ حضرت علی نے تقیہ کی بنا پر اپنی نص خلافت کو چھپا لیا تو اہل سنت یہ کہیں گے کہ تقیہ کرنا شان اسد اللہی کے خلاف ہے نیز ایسی صورت اور حالت میں تقیہ کرنا کہ جبکہ مدینہ کی اکثریت یعنی انصار بنو ہاشم کے عاشق اور جان نثار ہوں انتہائی بزدلی ہے اور بزدل آدمی خلافت اور امارت کا مستحق نہیں۔ اہل سنت کے نزدیک حضرت علیؓ نے کبھی تقیہ نہیں کیا وہ اللہ کے شیر تھے۔ سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اگر بالفرض حضرت علی نے اس وقت تقیہ کر کے اس نص کو چھپا لیا تھا تو جس وقت حضرت علی خلیفہ ہو گئے تھے اس وقت تو اس نص کو ظاہر فرما دیتے مگر پھر بھی کوفہ کے منبر پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی افضلیت کا اعلان فرماتے رہے۔

وجوہِ تفضیلِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

افضلیت کا دارومدار سبقت اور تقدم پر ہے فضائل اور کمالات میں جو سبقت لے جائے وہی رتبہ میں افضل اور مقدم ہوگا۔ دنیا اور دین دونوں میں یہ قاعدہ مسلم ہے جو اول ہے وہ اول ہے اور جو ثانی ہے وہ ثانی ہے اور جو آگے ہے اور جتنا آگے ہے وہی آگے ہے اور جو

پیچھے ہے اور جتنا پیچھے ہے اتنا ہی پیچھے ہے اور حق جل شانہ کے اس ارشاد

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَار. الاية

میں اسی طرف اشارہ ہے کہ افضلیت کا مدار سبقت اور اولیت پر ہے۔

اب اس معیار پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھے اور سمجھے۔ ابوبکر صدیقؓ فضیلت کے ہر میدان میں بکُر تھے یعنی اول اور سابق تھے ایمان اور اسلام میں وہ سب سے سابق اور اول تھے اور دین اسلام کی تائید اور تقویت میں وہ سب سے سابق اور اول تھے اور خدا اور رسول کے لئے جان و مال کو خرچ کرنے میں سب سے سابق اور اول تھے۔ گویا کہ دین کے ہر باب میں ابوبکر سابق تھے اور باقی سب لاحق تھے اور سابق لاحق کا استاذ ہوتا ہے اور لاحق جو دولت بھی پاتا ہے وہ سابق ہی کی بدولت پاتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی سنئے

(۱) ابوبکر صدیقؓ ایمان لانے اور حضور پُرنور ﷺ کی تصدیق کرنے میں سب سے سابق اور مقدم رہے۔ نبوت کے بعد جب حضور ﷺ نے دعوت اسلام شروع کی تو سب سے پہلے ابوبکر ایمان لائے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ آپ کی زوجہ مطہرہ تھیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ صغیر سن بچے تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں تھے، اور حضرت زید آپ کے موالی اور خدام میں سے تھے۔ ان لوگوں کا ایمان لانا زیادہ موجب فضیلت نہیں، اس لئے کہ یہ سب آپ کی سرپرستی اور تربیت میں تھے ان میں آپ کی دعوت کو رد کرنے کی طاقت اور مجال نہ تھی۔ ابوبکر صدیق اپنی قوم کے سردار تھے رئیس اور صاحبِ وجاہت تھے کسی کے زیر اثر نہ تھے کسی پیغام اور دعوت کے قبول اور رد میں مختار تھے۔ مجبور نہ تھے نبوت کے بعد جب آپ ﷺ کو دعوت اور تبلیغ کا حکم آیا تو باہر کے لوگوں میں سب سے پہلے آپ نے ابوبکر پر دعوت کو پیش کیا۔ ابوبکر صدیق نے صدقِ قلب کے ساتھ فوراً آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی اور بلا کسی توقف کے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور اس وقت اسلام میں شامل ہو گئے اور حضور پُرنور کے لئے بمنزلہ سایہ کے ہو گئے۔

(۲) ابوبکر صدیقؓ اسلام میں داخل ہوتے ہی تبلیغ اور دعوت اسلام میں حضور پُرنور ﷺ کے معاون اور دست و بازو بن گئے اور کامل تیرہ سال تک ہر طرح کی کلفت اور مصیبت میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے اور دعوت و تبلیغ میں ہر جگہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔

موسم حج میں جب باہر سے قبائل حج کے لئے آتے تو حضور ﷺ ان قبائل کے سرداروں سے جا کر ملتے اور ان پر اسلام پیش کرتے اس وقت ابوبکر آپ ﷺ کے ساتھ رہتے اور آپ کے آگے آگے چلتے اور اسلام کی محاسن اور خوبیاں ان کو بتاتے اور سمجھاتے۔ کتب تواریخ اور سیر سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر جو لوگ مشرف باسلام ہوئے وہ شمار سے باہر ہیں۔ اور اکابر اور بڑے نامور صحابہ میں سے جو لوگ آپ کے دست مبارک پر اسلام لائے ان میں سے چند بزرگوں کے نام حسب ذیل ہیں:

حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعیدؓ اور حضرت خبابؓ رضی اللہ عنہم۔

(۳) ابوبکر صدیق نے اپنا تمام مال اور تمام دولت حضور ﷺ پر قربان کر دی یہ دولت امت میں سوائے ابوبکر صدیق کے اور کسی کو میسر نہیں آئی۔ دو سال تک جب مسلمان شعب ابی طالب میں محصور رہے تو ابوبکر نے اپنا مال خرچ کیا اور جو مسلمان کافروں کے عذاب میں گرفتار تھے ان کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا۔

آنحضرت ﷺ نے مرض الوفات میں فرمایا:

لیس من الناس احدا من علی فی نفسه وما له من ابی بکر بن ابی قحافه.

لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس نے ابوبکر سے بڑھ کر مجھ پر اپنی جان و مال سے احسان کیا ہو۔

اور یہ فرمایا:

مانفعنی مال کما نفعنی مال ابی بکر.

مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا کہ ابوبکر کے مال نے مجھ کو نفع پہنچایا۔
غرض یہ کہ ابوبکر نے جان مال سے جو حضور پُرنور ﷺ کی مدد کی کوئی شخص ان کی برابری نہیں کرسکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وقت کم سن بچے تھے اور ابوطالب کی تنگدستی کی بناء پر حضور پُرنور ﷺ کی زیر تربیت تھے وہ کسی قسم کی مدد نہیں کرسکتے تھے اور بدنی قوت بھی نہ تھی کہ کافروں کی ایذاؤں کے وقت حضور ﷺ کی جانی مدد کرتے۔

(۴) غزوات اور معرکہ ہائے قتال میں ابوبکر صدیقؓ آنحضرت ﷺ کے دوش بدوش رہتے تھے جس طرح ایک وزیر بادشاہ کے ساتھ رہتا ہو۔ غزوہ بدر میں حضور ﷺ کے لئے ایک علیحدہ چھپر بنا دیا گیا تھا۔ ابوبکر صدیق اس چھپر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے باقی لشکر میدان میں تھا۔ حضور ﷺ سربسجود دعا مانگتے تھے اور ابوبکر آپ کو تسلی دیتے تھے۔ ابوبکرؓ ہر غزوہ میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔ کوئی غزوہ اور ایسا سفر نہیں ہوا کہ حضور ﷺ تشریف لئے گئے ہوں اور ابوبکر ہمراہ نہ ہوں۔ احد اور حنین کے خون ریز معرکوں میں اچھے اچھوں کے قدم اکھڑ گئے مگر ابوبکر کے پائے ثبات اور قدم استقامت میں بال برابر بھی فرق نہ آیا۔

(۵) حضور پُرنور ﷺ کا معاملہ ابوبکر کے ساتھ ایسا تھا جیسا کہ ایک بادشاہ کا اپنے مشیر خاص اور وزیر با اختصاص کے ساتھ ہوتا ہے جب کوئی مشورہ طلب امر پیش آتا تو پہلے ابوبکر کو بلاتے اور ان سے مشورہ کرتے جب حضور ﷺ کھڑے ہوتے تو ابوبکر آپ کے ساتھ کھڑے ہوتے اور جب حضور ﷺ بیٹھتے تو ابوبکر آپ کے برابر دائیں جانب بیٹھتے حضور جب دعاء مانگتے تو ابوبکر آمین کہتے لوگوں کو اگر کوئی ضرورت پیش آتی تو ابوبکر کی وساطت سے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے اور سورہ توبہ کی یہ آیت ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ یہ بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ ابوبکر صدیق ثانی درجہ میں ہیں اور حضور پُرنور ﷺ اول درجہ میں حضور کے بعد ابوبکر کا درجہ ہے۔
حضور نے مرض الوفات میں جو خطبہ دیا اس میں فرمایا کہ مسجد کی طرف جس قدر

دروازے اور دریچے ہیں سب بند کردو مگر ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دو اور فرمایا کہ اگر میں انسانوں میں سے کسی کو اپنا خلیل یعنی جانی اور دلی دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا مگر میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا خلیل بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میرے خلال قلب میں اس درجہ سرایت کر چکی ہے کہ اب کسی اور محبت کی اس میں گنجائش نہیں۔

ماجعل الله لرجل من قلبين في جوفه. (۱)

قد تخللت مسلک الروح منی ولذا سمی الخلیل خلیلا

اور حاضرین مجلس کو فرمایا کہ ابوبکر کو حکم دو کہ وہ میرے بجائے نماز پڑھایا کرے۔ حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ کے مشورہ سے حضرت عمر کو نماز پڑھانے کیلئے کہا تو حضورﷺ کو ناگوار گزرا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا لاؤ کاغذ قلم دوات کچھ لکھ دوں مجھے اندیشہ ہے کہ میرے بعد تمنا کرنے والے کچھ تمنا میں نہ پڑیں۔ یعنی خلافت کی تمنا میں نہ پڑیں۔ لیکن اس ارشاد کے بعد لکھوانے کا ارادہ فسخ کر دیا اور فرمایا۔

يابى الله والمومنون الا ابابكر.

اللہ تعالیٰ اور مومن لوگ سوائے ابوبکر کے اور کسی کو قبول ہی نہیں کریں گے۔ (یعنی سوائے ابوبکر کے کسی کی خلافت کو قبول نہ کریں گے)

اس لئے لکھوانے کی ضرورت نہیں۔

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں می دہد یزداں مراد متقیں (۲)

مسلمان تو مسلمان۔ کافر بھی یہی سمجھتے تھے کہ ابوبکر صدیق حضور پُرنورﷺ کے وزیر خاص اور مشیر بالاختصاص ہیں۔ ہجرت کی وجہ سے کفار مکہ نے حضور پُرنور اور ابوبکر صدیق کی گرفتاری پر یکساں انعام کا اعلان کیا۔ حضرت علی کے متعلق کفار نے کوئی اعلان نہیں کیا۔ حضورﷺ کے بعد حضرت علی مکہ میں رہے مگر کفار نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

---

(۱) اللہ نے کسی بھی شخص کے سینہ میں دو دل پیدا نہیں کیئے۔ (احزاب ۴)

(۲) آپ جیسا چاہتے اللہ (بھی) ویسا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کی مرادوں کو پورا کرتا ہے۔

یہ ہیں وہ اشارات اور نصوص خفیہ جن سے صحابہ نے سمجھا کہ حضور پُر نور ﷺ کا منشاء مبارک یہ ہے کہ میرے بعد ابوبکر صدیق خلیفہ ہوں اس لئے سب نے بالاتفاق ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور دل وجان سے ان کی اطاعت اور متابعت کی اور جو صحابہ اس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں نہ تھے انہوں نے بعد میں بیعت کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہونے کی وجہ سے سقیفہ بنی ساعدہ میں شریک نہ ہو سکے اس لئے بعد میں بیعت کی۔

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کی بیعت تقیہ کی بنا پر تھی۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علی اسد اللہ الغالب تھے۔ اور لا یخافون لومۃ لائم ان کی صفت تھی وہ کب تقیہ کر سکتے تھے۔ اور اگر بالفرض تقیہ تھا تو شیخین کے زمانہ خلافت میں ہوتا لیکن خاص اپنی خلافت اور شوکت کے زمانہ میں اور اپنے احباب خاص کی خلوت اور جلوت میں شیخین کی افضلیت کا بار بار اعلان اور تکرار کیوں کر تقیہ پر محمول ہو سکتا ہے۔ آخر حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں کوئی تقیہ کیوں نہ کیا۔

قال الذهبی قد تواتر عن علی فی خلافته و کرسی مملکة وبین الجم الغفیر من شیعته ان ابابکر و عمر افضل الامة ثم قال ورواه عن علی کرم الله وجهه نیف و ثمانون و عدتهم جماعة ثم قال فقبح الله الرافضة ما اجهلهم.

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت علی سے یہ امر بطریق تواتر ثابت ہے کہ حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت اور دار السلطنت میں اپنے تابعداروں کے جم غفیر میں یہ اعلان کیا کہ ابوبکر اور عمر تمام امت میں سب سے افضل ہیں۔ اسی سے زیادہ آدمیوں نے حضرت علی سے اس کو روایت کیا۔ اللہ رافضیوں کا برا کرے کیسے جاہل ہیں کہ حضرت علی کی بھی نہیں سنتے۔

وصحح الذهبی وغیره عن علی انه قال الا انه بلغنی ان رجالا یفضلونی علیهما ومن وجدته فضلنی علیهما فهو مفتر علیه ما علی المفتری.

امام ذہبی نے بسند صحیح اس کو بیان کیا کہ حضرت علی نے یہ فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے، کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر اور عمر پر فضیلت دیتے ہیں میں جس کو پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر وعمر پر فضیلت دیتا ہے تو وہ مفتری ہے اس کی سزا اس کو مفتری جیسی ہوگی۔

واخرج الدار قطنی عنه لا اجد احد افضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدته جلد المفتری.

دار قطنی نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ جس کو میں دیکھوں گا کہ مجھ کو ابوبکر وعمر پر فضیلت دیتا ہے تو میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جو مفتری کی حد ہے یعنی اسی۔

وروی البخاری عنه انه قال خیر الناس بعد النبی صلی الله علیه وسلم ابوبکر ثم عمر ثم رجل اخر فقال ابنه محمد بن الحنیفة ثم انت فقال انما انا رجل من المسلمین.

بخاری میں ہے کہ ایک دن حضرت علی نے یہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر ابوبکر ہیں پھر عمر پھر ایک اور شخص ان کے بیٹے محمد بن الحنیفہ نے کہا کہ اے باپ پھر آپ، تو فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان شخص ہوں۔

حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمرؓ کا مرتبہ ہے

حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کا مرتبہ ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے انتقال کے وقت حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا اور اس بارہ میں ایک عہد نامہ لکھ دیا اور سب مسلمانوں کو حضرت عمر کی اطاعت اور متابعت کا حکم دیا۔ حضرت عمر کی سختی کی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا اے ابوبکر تم خدا کو کیا جواب دو گے کہ تم ایک سخت مزاج آدمی یعنی عمر کو ہم پر خلیفہ مقرر کر کے جا رہے ہو۔ ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں خدا تعالیٰ سے یہ عرض کروں گا کہ اے پروردگار میں نے بہترین اہل اللہ کو خلیفہ مقرر کیا۔

اور یہی بات احادیث سے معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ جس قدر بھی احادیث ایسی ہیں کہ جن میں آنحضرت ﷺ نے ابوبکر اور عمر کے ذکر کو جمع کیا ہو ان میں بالاتفاق ابوبکر کا ذکر عمر کے ذکر سے مقدم ہے۔ ذخیرہ حدیث میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملے گی کہ جس

میں ابوبکر کا ذکر عمر فاروق سے مقدم نہ ہو۔ مثلاً

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔

سید اکھول اھل الجنۃ من الاولین والاخرین ابوبکر و عمر أنا اول من تنشق عنہ الارض ثم ابوبکر ثم عمر امنت بہ انا و ابوبکر و عمر۔

شیخین کی دو عجیب خصوصیتیں

شیخین کی ایک عجیب خصوصیت تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بے شمار احادیث میں شیخین (ابوبکر و عمر) کو اپنے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے جس سے ان دونوں کا آنحضرت ﷺ سے اختصاص خاص صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے سوائے ان دو بزرگوں کے اور کسی صحابی کو حضور ﷺ نے اپنے ساتھ ملا کر ذکر نہیں فرمایا اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ وفات کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کے مصاحب اور قرین رہے۔ اور ایک ہی حجرہ میں تینوں مدفون ہوئے۔ یہ وہ شرف ہے کہ جو سوائے ابوبکر اور عمر کے اور کسی صحابی کو نصیب نہیں ہوا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں حضرات شیخین کی تمام صحابہ کے درمیان ایک عجیب شان ہے ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم، یہ دونوں حضرات گویا کہ نبی اکرم ﷺ کے ہم خانہ ہیں اور باقی صحابہ ہمراہ اور ہم شہر ہونے کی نسبت رکھتے ہیں اور اولیاء امت کا وہاں کیا دخل ہے۔ (ماخوذ از مکتوب ۲۵۱ دفتر اول)

شیخین کے بعد ختنین کا مرتبہ ہے

شیخین یعنی ابوبکر و عمر کے بعد ختنین یعنی عثمان غنی اور علی مرتضیٰ کا درجہ ہے۔ ابوبکر اور عمر کو شیخین کہتے ہیں اور عثمان غنی اور علی مرتضیٰ کو ختنین کہتے ہیں۔ ختن کے معنی داماد کے ہیں۔ یہ دونوں بزرگ آنحضرت ﷺ کے داماد تھے۔ اور عثمان غنی کو ذی النورین بھی کہتے ہیں (دو نور والے) چونکہ حضور پُر نور ﷺ کی یکے بعد دیگرے دو صاحبزادیاں حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں اس لئے ان کو ذوالنورین کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے لئے چھ آدمیوں کی ایک مجلس شوریٰ مقرر فرمائی اور خلافت کو ان چھ آدمیوں میں دائر فرمایا کہ ان چھ میں سے کسی کو خلیفہ بنالیا جائے۔ ہر ایک ان میں سے خلیفہ ہونے کا اہل ہے وہ چھ آدمی یہ تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔

حضرت عمر کی وفات کے بعد یہ چھ آدمی جمع ہوئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہ اور زبیر اور سعد یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ اس وقت استحقاق خلافت میں عثمان اور علی سے بہتر اور کوئی نہیں۔ اور ان دو میں سے انتخاب خلیفہ کا کام عبدالرحمٰن بن عوف کے سپرد کیا۔ عبد الرحمٰن نے حضرت عثمان ذوالنورین سے اور حضرت علی سے کہا کہ تم اپنے اپنے گھر چلے جاؤ میں مشورہ کر کے اطلاع دوں گا۔ جب یہ دونوں حضرات اپنے اپنے گھر چلے گئے تو عبد الرحمٰن ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ گئے اور ہر ایک سے اس کا عہد اور میثاق لیا کہ اگر دوسرے کو خلیفہ بنادوں تو تم بھی اس کی خلافت کو تسلیم کروگے اور جس کے ہاتھ پر میں بیعت کروں تم بھی اس کے ہاتھ پر بلا تاخیر بیعت کروگے۔ جیسا کہ صحیح بخاری صفحہ ۱۰۷۰ کتاب الاحکام۔ باب کیف یبایع الامام الناس اور قسطلانی جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۴ میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

بیعت میں ایک خاص شرط

عبدالرحمٰن بن عوف نے عثمان غنی کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت بیعت میں یہ شرط بھی لگائی کہ جس شخص کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اس کو قرآن حکیم اور نبی کریم علیہ السلام کی سنت کے موافق عمل کرنا لازم ہوگا اور اپنی تمام کوشش اور جدوجہد مسلمانوں کی فلاح اور بہبود اور دینی اور دنیوی ترقی میں خرچ کرنا ہوگی اور سیرت شیخین ابوبکر وعمر کی متابعت اور پیروی اس کو کرنی ہوگی اور اپنے زمانہ خلافت میں ابوبکر و عمر کا جو طریقہ تھا اس پر چلنا ہوگا دیکھو بخاری شریف صفحہ ۱۰۷۰۔

بعد ازاں عبدالرحمٰن بن عوف نے اکابر صحابہ اور مہاجرین اور انصار سے مشورہ

کرنے کے بعد حضرت عثمان کو خلیفہ مقرر کیا۔ تمام حضرات صبح کی نماز میں حاضر تھے نماز سے فارغ ہو کر عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان سے کہا کہ اے عثمان منبر پر جا کر بیٹھو اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے ان راتوں میں تمام مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا سب کو اس پر متفق پایا کہ اس وقت عثمان غنی سے بڑھ کر کوئی خلافت کا اہل اور مستحق نہیں اس لئے میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ سب سے پہلی علی مرتضیٰ نے بیعت کی بعد ازاں کل صحابہ نے حضرت عثمان کے دستِ حق پر بیعت کی اور اس طرح باتفاق صحابہ عثمان غنی خلیفہ مقرر ہوئے۔ غرض یہ کہ کل صحابہ کرام نے حضرت عثمان کو حضرت علی سے اور تمام صحابہ سے افضل سمجھ کر خلیفہ بنا دیا اور صحابہ کرام کو حضرت عثمان کی افضلیت میں کوئی شبہ اور تردد نہ تھا سب نے بالاتفاق اور بلا تردد اور بلا کسی بحث کے عثمان غنی کو افضل سمجھ کر خلیفہ مقرر کیا۔ لہٰذا علامہ تفتازانی کو اگر حضرت عثمان اور حضرت علی کی افضلیت میں کوئی تردد پیش آئے تو آئے صحابہ کرام کو تو تردد نہ تھا اور یہی اہل سنت کا مسلک ہے کہ عثمان غنی کا مرتبہ حضرت علی سے بڑھا ہوا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ اور ابوبکر اور عمر اور عثمان احد پہاڑ پر چڑھے، پہاڑ ہلنے لگا (شاید ہلنا اس مسرت میں ہو کہ سبحان اللہ یہ مبارک مجمع مجھ پر ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے احد ٹھہر! آج تجھ پر ایک نبی ہے اور ایک صدیق اور دو شہید۔ پس نبی تو حضور پُرنور اور صدیق ابوبکر صدیق تھے اور دو شہید فاروق اعظم اور عثمان غنی تھے اس حدیث میں عثمان کو حضرت عمر کے ساتھ ذکر کرنا یہ اس امر کا قرینہ ہے کہ عمر فاروق کے بعد عثمان غنی کا مرتبہ ہے حضرت عثمان کے بعد حضرت علیؓ کا مرتبہ ہے۔

حضرت عثمان غنی کے بعد تمام صحابہ نے حضرت علیؓ کو سب سے افضل اور اکمل سمجھ کر اپنا خلیفہ مقرر کیا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت علی مرتضیٰ کو آنحضرت ﷺ کی قرابت کی بنا پر خلیفہ مقرر نہیں کیا بلکہ یہ سمجھ کر خلیفہ کیا کہ عثمان غنی کی شہادت کے بعد روئے زمین پر علم اور فہم اور ورع اور تقویٰ اور امانت اور عدالت میں حضرت علی سے بڑھ کر کوئی نہیں اور ان کے زمانہ میں جو اختلاف پیش آئے وہ استحقاق خلافت اور امامت میں نہ تھے۔ ان کا افضل اور اکمل ہونا اور سب سے زیادہ مستحق خلافت

ہونا سب کو مسلم تھا بلکہ ان اختلافات اور نزاعات کا منشاء خطا اجتہادی تھی لوگ حضرت عثمان کے قاتلوں کی سزا میں جلدی چاہتے تھے اور حضرت علی تاخیر[1] میں مصلحت سمجھتے تھے۔

نیز حضرت معاویہ ان بلوائیوں کو قاتل سمجھتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر میں باغی تھے۔ باغی اگر ہتھیار ڈال دے تو اس سے زمانہ بغاوت میں کیے ہوئے فعل کا قصاص اور ضمان نہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر نہایت دقیق اور عمیق تھی۔ رضی اللہ عنہ و کرم وجہہ۔ آمین

فائدہ جلیلہ:

قال الشیخ الامام ابو الحسن الاشعری ان تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیۃ الامۃ قطعی۔

امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر کی تمام امت پر فضیلت قطعی ہے۔

لیکن حضرت عثمان کی فضیلت حضرت علی پر اس درجہ کی قطعی نہیں ائمہ اربعہ مجتہدین کا مذہب تو یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علی سے افضل ہیں اور بعض علماء نے حضرت علی کی کثرت مناقب کی وجہ سے حضرت عثمان اور حضرت علی کی تفصیل میں توقف کیا ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالک سے اس بارہ میں توقف منقول ہے لیکن بعد میں توقف سے حضرت عثمان کی تفصیل کی طرف رجوع فرمایا۔ امام قرطبی فرماتے ہیں۔ ہوالاصح انشاء اللہ تعالیٰ یعنی حضرت عثمان کا حضرت علی سے افضل ہونے کا قول ہی صحیح ہے۔

بعض علماء کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ایک عبارت سے توقف کا گمان ہوا ہے وہ عبارت یہ ہے:

من علامۃ السنۃ والجماعۃ تفضیل الشیخین و محبۃ الختنین۔

یعنی شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو فضیلت دینا اور ختنین حضرت عثمان اور حضرت علی سے محبت کرنا اہل سنت والجماعت کی علامت ہے۔

---

(۱) مکتوبات امام ربانی جلد نمبر ۱

امام اعظمؒ کا اس عبارت سے یہ مقصد نہیں کہ امام اعظم کو حضرت عثمان اور حضرت علی کی تفصیل میں کوئی توقف تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کے زمانہ خلافت میں چونکہ فتنے اور فساد ظاہر ہوئے تو بہت سے لوگوں کے دلوں میں ان کی طرف سے کدورت آ گئی۔ اس کدورت کے ازالہ کے لئے امام اعظم نے ان کے حق میں لفظ محبت کا استعمال کیا اور ان کی محبت اور دوستی کو سنت کی علامت قرار دیا۔ حاشا وکلا امام اعظم نے یہ لفظ توقف کی بنا پر استعمال نہیں کیا اس لئے کہ امام اعظم اور ان کے تمام اصحاب اور تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات سے کتب حنفیہ بھری پڑی ہیں کہ خلفاء راشدین کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔ الغرض شیخین کی افضلیت قطعی اور یقینی ہے اور حضرت عثمان کی افضلیت اس سے کمتر ہے اس لئے فقہاء نے حضرت عثمان کی افضلیت کے منکر کو شیخین کے برابر نہیں قرار دیا بلکہ کچھ فرق رکھا ہے۔

عقیدۂ سوم

خلفاء راشدین کے بعد ان صحابہ کا مرتبہ ہے جن کی بابت آنحضرت ﷺ نے جنت کی بشارت دی ہے ان کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ جن کی حضور پُر نور ﷺ نے ایک مجلس میں نام بنام جنت کی بشارت دی وہ دس یہ ہیں۔ چار خلفاء راشدین اور بقیہ چھ کے نام یہ ہیں سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوعبیدۃ بن الجراح اور سعید بن زید اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم۔

یہ دس حضرات تمام امت میں سب سے بہتر اور افضل ہیں۔ قریش کے سردار ہیں اور آنحضرت ﷺ کے قرابت دار اور رشتہ دار ہیں۔ دین اسلام کے سابقین اولین میں سے ہیں ان کی خاندانی نجابت و وجاہت اور ان کے ذاتی فضائل اور خصائل اور محاسن اور کمالات اسلام کی تقویت کا باعث بنے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد دل و جان سے اسلام کے معین اور مددگار رہے اور ہر غزوہ اور ہر معرکہ میں حضور رسالت مآب کے ہمرکاب رہے ان دس حضرات کے وجود سے اسلام کو جو قوت پہنچی وہ کسی اور سے نہیں پہنچی۔

چونکہ حضور پُر نور ﷺ نے ایک ہی وقت میں ان تمام حضرات کا نام لے لے کر جنت کی بشارت دی اس لئے ان کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔ ورنہ انفرادی طور پر نبی اکرم ﷺ

نے ان دس کے سوا اوروں کو بھی جنت کی بشارت دی ہے جیسے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور امام حسن اور امام حسین اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس اور حضرت سلمان اور حضرت صہیب اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم عشرہ مبشرہ کی بشارت درجہ شہرت کو پہنچ چکی ہے اور ان حضرات کی بشارت اخبار آحاد کے درجہ میں ہے اور خلفاء راشدین کی بشارت درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے۔

عقیدۂ چہارم

عشرہ مبشرہ کے بعد اہل بدر کا درجہ ہے جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے:

ان اللہ قد اطلع علی اهل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم.

تحقیق اللہ تعالیٰ مطلع ہوا اہل بدر پر پس فرمایا اے اہل بدر تم جو چاہے عمل کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

ہجرت کے بعد غزوہ بدر پہلا غزوہ ہے جس میں اسلام کو خاص عزت اور کفر کو خاص ذلت حاصل ہوئی۔ اسلام کا سر اونچا ہوا اور کفر کے دماغ پر ضرب کاری لگی۔ اس غزوہ کے مجاہدین تین سو تیرہ تھے جو رسولوں کا عدد ہے گویا کہ مجاہدین بدر کو بقیہ صحابہ کرام سے فضیلت اور رتبہ میں وہی نسبت ہے جو حضرات مرسلین کو حضرات انبیاء سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم اپنے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

انا لننصر رسلنا.[1] الآیة

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی نصرت اور امداد کے لئے پانچ ہزار فرشتے آسمان سے اتارے۔ اہل بدر کے تین سو تیرہ آدمیوں کا گروہ چونکہ حضرات مرسلین کے نقش قدم پر تھا اس لئے ان کے لئے یہ حکم آ گیا کہ تم جو چاہے کرو۔ جو چاہے کرو یہ اجازت ہر کس و ناکس کو نہیں ہو سکتی اس کا خطاب انہیں پاک اور مخلص بندوں کو ہو سکتا ہے جن کے قدم کی جادۂ محبت میں پوری پوری استقامت ثابت ہو چکی ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

(۱) ہم اپنے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں۔ (المومن/۵۱)

عشرہ مبشرہ بھی بدر کی لڑائی میں شریک تھے سوائے عثمان غنیؓ کے کہ وہ شریک ہونے کے لئے تیار تھے مگر حضور پُرنورﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ (جو حضرت عثمان کی زوجیت میں تھیں) کی علالت اور بیماری کی وجہ سے حضورﷺ کے حکم سے مدینہ میں رہے لیکن نبی کریمﷺ نے ان کو اہل بدر میں شمار کیا اور بدر کی غنیمت میں سے ان کو حصہ عطا فرمایا۔

چونکہ اہل بدر کا مرتبہ عشرہ مبشرہ کے بعد ہے اس لئے عشرہ مبشرہ کے لئے صراحت اور وضاحت کے ساتھ نام بنام جنت کی بشارت آئی اور اہل بدر کے لئے مغفرت کے عنوان سے بشارت آئی اور کسی کا نام لے کر بشارت نہیں دی۔ اہل بدر کے بعد اہل احد کا مرتبہ ہے۔ اس غزوہ میں نبی اکرمﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہوا اور سید الشہداء حضرت حمزہ اور ستر صحابی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہم اور عشرہ مبشرہ بھی احد میں شریک تھے۔

اہل احد کے بعد اہلِ بیعت الرضوان کا درجہ ہے۔ بیعت الرضوان اس بیعت کا نام ہے کہ جو مسلمانوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے حضور پُرنورﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ.

البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ راضی ہوا ان اہل ایمان سے جنہوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے اخلاص کو خوب جانتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے دلی اخلاص کی خبر دی ہے اور اسی دلی اخلاص پر خوشنودی کا پروانہ عطا فرمایا ہے لہٰذا شیعوں کا یہ کہنا کہ معاذ اللہ صحابہ کا ایمان محض ظاہری طور پر تھا اور دل سے وہ تقیہ کئے ہوئے تھے عجب نہیں کہ **فعلم مافی قلوبھم**[1] کا لفظ شیعوں کے اسی وسوسہ کے ازالہ کے لئے نازل کیا ہو کہ صحابہ کا ایمان تقیہ سے پاک تھا۔

---

(۱) اور جو کچھ ان کے دلوں میں تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا۔ (الفتح / ۱۸)

فائدہ:

افضلیت کی یہ ترتیب جو اب تک بیان ہوئی وہ مجمع علیہ ہے اس کے بعد تمام صحابہ کا مقام ان کے علم اور تقویٰ کے اعتبار سے ہے۔ کما قال تعالیٰ:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ.(۱)

عقیدۂ پنجم

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں اور امام حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور حضرت فاطمہ کے بعد ان کی والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ان کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور پھر سب امہات المومنین تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ہیں۔

اور صحابہ کرام کی عورتوں کے بارے میں صحابہ کے مراتب کے اعتبار سے اعتقاد رکھیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عن الصحابة الکرام والصحابیات المحصنات المکرمات والتابعین لهم باحسان الی یوم الدین.

عقیدۂ ششم

صحابہ کرام کے درمیان جو باہمی اختلافات اور نزاعات پیش آئے جیسے جمل اور صفین کا جھگڑا ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا وہوس اور حب جاہ اور حب ریاست اور طلب رفعت اور منزلت سے اس کو دور سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ نفس امارہ کی کمینہ اور رذیل خصلتیں ہیں اور ان بزرگوں کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ السلام کی صحبت کیمیا اثر کی برکت سے ہوا وہوس اور حرص اور کینہ اور حب مال اور حب جاہ سے آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو چکے تھے اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ ہزاراں ہزار جنید اور ہزاراں ہزار شبلی اور

(۱) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ (حجرات/۱۳)

بایزیدایک ادنیٰ صحابی کے نقش پا کو نہیں پہنچ سکتے صحابہ کرام کے نفوس اگر چہ حضور کی صحبت کی برکت سے نفس امارہ کی رذیل اور کمینہ خصلتوں سے پاک ہو چکے تھے لیکن صحابہ کرام بشر اور انسان تھے۔ ملائکہ اور انبیاء نہ تھے جو غلطی سے معصوم رہتے۔ بمقتضائے بشریت اجتہادی خطا کا واقع ہو جانا شان تقویٰ اور ورع کے منافی نہیں۔ قال تعالیٰ:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ وَ نَزَعْنَا مَافِیْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ.

تحقیق اور بلاشبہ پرہیز گار لوگ جنت کے باغوں اور چشموں میں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور ان متقی اور پرہیز گاروں کے سینوں میں اگر کوئی رنج اور کدورت ہوگی تو اس کو ان کے دل سے نکال دیں گے مخلص بھائی ہوں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی متقیوں اور پرہیز گاروں کے دلوں میں بھی باہمی رنجش اور کدورت ہوتی ہے اور وہ رنج اور کدورت ان کے لئے مضر نہیں ہوتی نہ ان کے تقویٰ کے منافی ہوتی ہے اور نہ جنت میں جانے کے لئے خارج ہوتی ہے۔ اسی بنا پر حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ میں اور طلحہ اور زبیر انہیں لوگوں میں سے ہوں گے۔ پس مشاجرات صحابہ کو اس آیت کے ماتحت سمجھو۔ دونوں گروہ متقی تھے دونوں جنت میں جائیں گے۔ ان کی صلح بھی حق کے لئے تھی اور ان کی لڑائی بھی حق کے لئے تھی ہر ایک گروہ نے اجتہاد کے موافق عمل کیا پس جو مصیب ہے اس کے لئے دو اجر ہیں اور جو مخطی ہے اس کے لئے ایک اجر ہے بہر حال مصیب ہو یا مخطی ملامت سے ہر طرح دور ہے درجات ثواب اور اجر میں فرق ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ ان لڑائیوں میں حق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب تھا اور ان کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطا خطا اجتہادی تھی جس پر طعن اور ملامت ہرگز ہرگز جائز نہیں چہ جائیکہ کفر یا فسق کو ان کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہم پر بغاوت کی ہے یہ نہ کافر ہیں اور نہ فاسق یعنی غلط فہمی کی وجہ سے کفر اور فسق ان کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اس معاملہ میں حضرت

معاویہ تنہا نہ تھے بلکہ کم وبیش نصف اصحاب کرام ان کے ساتھ شریک تھے پس اگر حضرت امیر کرم اللہ وجہہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے کافر یا فاسق ہوں تو نصف دین سے اعتماد اٹھ جائے گا اور دین کا وہ حصہ جو اس گروہ کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے وہ قابل اعتماد نہ رہے گا اور اس بات کو سوائے زندیق کے کہ جس کا مقصود ہی دین کا برباد کرنا ہے اور کوئی پسند نہیں کرسکتا اس فتنہ کے برپا ہونے کا اصل منشا حضرت عثمان کا قتل اور ان کے قاتلوں سے قصاص کا طلب کرنا تھا۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جو اول مدینہ سے نکلے وہ اسی تاخیر قصاص کے باعث نکلے اور حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کی موافقت کی اور نوبت جنگ تک پہنچی اور اس جنگ کو جنگ جمل کہتے ہیں جس میں تیرہ ہزار آدمی قتل ہوئے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں وہ بھی اس لڑائی میں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ کے ساتھ جنگ صفین ہوئی۔ یہ تمام جھگڑا حضرت عثمان کے قاتلوں کے قصاص کے بارہ میں تھا خلافت کے بارہ میں نہ تھا۔ حضرت علی کی افضلیت اور استحقاق خلافت سب کو مسلم تھا۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

وما وقع من المخالفات والمحاربات لم يكن عن نزاع في خلافة بل عن خطا في الاجتهاد.

حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان جو لڑائی جھگڑے پیش آئے وہ خلافت کے بارہ میں نہ تھے بلکہ اجتہادی خطا کے سبب سے تھے۔

اور حاشیہ خیالی میں ہے:

فان معاوية واحزابه بغوا عن طاعته مع اعترافهم بانه افضل اهل زمانه الاحق بالامامة منه بشبهة هي ترك القصاص عن قتلة عثمان رضي الله عنه.

حضرت معاویہ اور ان کے گروہ نے حضرت علی کی اطاعت سے انحراف کیا باوجودیکہ وہ سب اس کے مقر اور معترف تھے کہ حضرت علی اپنے تمام اہل زمانہ سے افضل ہیں اور سب سے زیادہ خلافت اور امامت کے مستحق ہیں باوجود اس اقرار کے ان کی طاعت سے انحراف ایک شبہ کی بنا پر تھا وہ یہ کہ حضرت علی حضرت عثمان غنی کے

قاتلوں سے فی الفور قصاص کیوں نہیں لیتے۔

اور اس معاملہ میں حضرت معاویہ پر حضرت علیؓ کی معذوریت منکشف نہ ہوئی اور حضرت علی کی اس تاخیر کو تغافل اور تساہل سمجھا اس لئے حضرت معاویہ نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور امام برحق کے قاتلوں سے قصاص لینے کو بیعت پر مقدم سمجھا، معاذ اللہ نفسانیت نہ تھی بلکہ عثمان ذی النورین کا غلبۂ محبت اور جوش عقیدت تھا۔ بہر حال یہ خطا اجتہادی تھی۔نفسانیت نہ تھی اور حق جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً. (۱)

جس سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ قتل خطا میں کوئی گناہ نہیں وقال تعالیٰ

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَا اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّاتَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ. (۲)

اور قرآن کریم میں جا بجا محل عتاب میں بعد ماتبين (۳) اور من بعد ماجآء تهم البينات (۴) اور وهم يعلمون (۵) کی قید مذکور ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ عتاب اس وقت ہے کہ جب جان بوجھ کر ایسی حرکتیں کریں اور اگر کسی غلط فہمی اور خطاء کی بنا پر ہو جائیں تو گناہ نہیں بلکہ آیت

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ. (۶)

---

(۱) کسی مسلمان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرے، الا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ (نساء/۹۲)

(۲) اور تم سے جو غلطی ہو جائے، اس کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، البتہ جو بات تم اپنے دلوں سے جان بوجھ کر کرو (اس پر گناہ ہے) (احزاب/۵)

(۳) بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔ (بقرہ/۱۰۹)

(۴) روشن دلائل آ جانے کے بعد بھی۔ (بقرہ/۲۱۳)

(۵) اور وہ جانتے بوجھتے۔ (مجادلہ/۱۴)

(۶) اور تمہارے پاس (وحی کے ذریعہ) جو علم آ گیا ہے، اگر کہیں تم نے اس کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر لی تو تمہیں اللہ سے بچانے کے لئے کوئی حمایتی ملے گا نہ کوئی مددگار۔ (بقرہ/۱۲۱)

سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالٰی کی مخالفت بھی بوجہ لاعلمی اور بے خبری مضر نہیں تو پھر اگر حضرت علیؓ کی مخالفت بوجہ غلطی اور لاعلمی ہو جائے تو اس کا تو کچھ ذکر ہی نہیں، اس لئے کہ انسان بوجہ خطا ونسیان مورد عتاب نہیں ورنہ روزہ میں بھول کر پانی پینا اور کھانا کھانا اور وضو اور غلطی سے کبھی پانی کا حلق میں اتر جانا موجب عذاب اور سبب کفارہ ہوا کرتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت معاویہ اور حضرت علی کا اختلاف استحقاق خلافت میں نہ تھا۔ حضرت معاویہ کو حضرت علی کی افضلیت اور برتری میں کوئی کلام نہ تھا اختلاف صرف اتنا تھا کہ حضرت معاویہ قصاص کو بیعت پر مقدم سمجھتے تھے اور حضرت علی بیعت خلافت کو قصاص پر مقدم سمجھتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ معاویہ اول میرے ہاتھ پر بیعت کریں اور پھر قصاص کا مطالبہ پیش کریں۔ امام غزالی نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ یہ نزاع خلافت کے بارہ میں نہ تھا بلکہ قاتلین عثمان کے قصاص کے بارہ میں تھا اور یہی جمہور علماء سے منقول ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے صرف شیخ ابوالشکور سالمی نے جو علماء حنفیہ میں سے ہیں لکھا ہے کہ حضرت معاویہ اور حضرت امیر کے درمیانی نزاعات خلافت کے بارہ میں تھے حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ حضرت معاویہ کو فرمایا تھا **اذا ملکت الناس فارفق بھم** جب تو لوگوں کا مالک بنے تو ان کے ساتھ نرمی کرنا۔ شاید یہ ارشاد حضرت معاویہ کے لئے خلافت کی طمع کا باعث بنا ہو۔ واللہ اعلم

حضرت طلحہ سے ثابت ہے کہ اخیر وقت میں اس لڑائی سے ناراض ہوئے اور آخر رمق میں حضرت علیؓ کے ایک دوست پر نظر پڑی تو یہ فرمایا کہ اپنا ہاتھ لاؤ کہ امیر المومنین علی کیلئے بیعت کروں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ہاتھ دیا۔ حضرت طلحہ نے حضرت علی کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات میں ہے کہ آپ جنگ جمل کو یاد کرتیں تو اتنا زار وقطار روتیں کہ اوڑھنی تر ہو جاتی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی حضرت طلحہ اور زبیر کی شہادت کا خاص طور پر صدمہ تھا اور جن لوگوں نے حضرت علی کا مقابلہ کیا حضرت علی جب ان پر غالب آئے تو جو بھاگا اس کا تعاقب نہیں کیا اور نہ ان کے مال کو مباح قرار دیا۔ حضرت علی ان کو مسلمان بھائی سمجھتے تھے یہ تو حضرات صحابہ کے متعلق تھا۔ البتہ صحابہ کے علاوہ جو لوگ دنیاوی غرض کی بنا پر اس لڑائی

میں شامل ہوئے وہ ضرور باغی کہلائیں گے۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی نزاعات اور مشاجرات کے متعلق بالکل سکوت اور خاموشی اختیار کریں جہاں تک ممکن ہو زبان سے بھی ان کا ذکر نہ کریں اور اس آیت پر عمل کریں:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ.

یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی اس کے لئے اس کا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا۔

امام شافعی اور عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے:

تلک دماء طهر الله عنها ایدینا فلنطهر عنها السنتنا.

یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا۔ پس چاہئے کہ ہم اپنی زبانوں کو ان کے تذکروں سے پاک رکھیں۔

معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کی خطا کو زبان پر بھی نہ لانا چاہئے۔ خیر ہی کے ساتھ ان کا ذکر کرنا چاہئے۔ جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کا دست و گریباں ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے لیکن دونوں کو بزرگ سمجھنا فرض ہے اور ان کی غلطی کی تحقیق میں پڑنا کہ کس کا قصور تھا یہ سراسر ناجائز ہے اور قصور عقل کی دلیل ہے۔ ایک بھائی نے اپنے ایک بھائی کے ساتھ جو معاملہ کیا اس میں ہم جیسے نابکار اور ناہنجار غلاموں اور خادموں کو لب کشائی کی اجازت نہیں اسی طرح حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں آپس میں بھی بھائی تھے اور دونوں ہی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بھی بھائی تھے۔ (ایک (علیؓ) اگر برادر نسبی تھے تو دوسرے (معاویہؓ) برادر نسبتی تھے یعنی ام المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان کے بھائی تھے۔ پس جس طرح حضرت موسیٰ و ہارون میں علاقہ اخوت تھا اسی طرح حضرت علی اور حضرت معاویہ میں بھی علاقہ اخوت تھا۔ ہم غلاموں کے لئے یہ روا نہیں کہ اس تحقیق میں پڑیں کہ دونوں میں کیوں لڑائی ہوئی اور طرفین میں سے کس کا قصور تھا اور نہ اس کی ضرورت ہے لایعنی عمل میں شرعاً سکوت لازم اور ضروری ہے اور حضرت علی کو

ام المومنین عائشہ صدیقہ کے ساتھ تو نسبت ابنیت اور امومت کی تھی۔ عائشہ صدیقہ حسب ارشاد باری:

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُه اُمَّهَاتُهُمْ.(۱)

ام المومنین تھیں اور حضرت علیؓ کی والدہ ماجدہ تھیں اور حضرت علی ان کے فرزند ارجمند تھے اور اولاد کے ذمہ والدین کے ساتھ احسان ضروری ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.

اور والدین کا ادب اور احترام اولاد کے ذمہ فرض اور لازم ہے۔

کما قال تعالیٰ:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا.(۲)

لہٰذا حضرت عائشہ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرنا حضرت علی کی والدہ ماجدہ کی شان میں گستاخی کرنا ہے جس کو حضرت علی بھی برداشت نہیں کر سکتے اور تمام امہات المومنین ادب اور احترام کے لحاظ سے نسبی ماؤں سے بڑھ کر ہیں ام المومنین ہونے کی حیثیت سے حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ میں کوئی فرق نہیں اور ماں اور بیٹے کے درمیان اگر کوئی رنجش پیش آ جائے تو غلام کو درمیان میں دخل دینے اور بولنے کی اجازت نہیں جب حضرت علی نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ فرمایا تو اس وقت حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کو جو رنج و ملال ہوا ہوگا اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ (مفصل قصہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے)

---

(۱) ایمان والوں کے لئے یہ نبی ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ قریب تر ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ (احزاب/۶)

(۲) پس انہیں اف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکو بلکہ ان کے ساتھ عزت کے ساتھ بات کیا کرو، اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ اور یہ دعا کرو کہ یارب جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجئے۔ (بنی اسرائیل/۲۳۔۲۴)

پس جب ہم غلامانِ اہل بیت کو حضرت علی اور ان کے اہل وعیال کے بارہ میں لب کشائی جائز نہیں تو حضرت علی اور ان کی والدہ ماجدہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کے بارہ میں لب کشائی کہاں جائز ہوسکتی ہے کیونکہ ماں کا درجہ بیوی سے بڑھ کر ہے اور ام المومنین کا درجہ تو نسبی ماں سے ہزار بار درجہ بلند ہے وہاں تو دم مارنے کی مجال نہیں۔

ضروری تنبیہ:

اہل سیر اور اہل تاریخ نے مشاجرات صحابہ کے متعلق جو واقعات نقل کئے ہیں اگر ان کی صحت تسلیم کر لی جائے تو غایت سے غایت وہ مفید ظن ہوں گے اور آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے جو صحابہ کرام کے فضائل اور مناقب میں ثابت ہیں۔ وہ سب قطعی اور یقینی ہیں اور محض تاریخی خبروں کی بنا پر صحابہ کرام پر لعن وطعن کرنا اور نصوص قطعیہ سے اعراض کرنا بے دینی ہے پس اہل ایمان کو چاہئے کہ تاریخی قصوں اور افسانوں کی بنا پر صحابہ کرام سے بدگمان ہوکر اپنا ایمان خراب نہ کریں قرآن اور حدیث نے صحابہ کرام کے متعلق جو خبر دی ہے وہ حق ہے اور اس کے خلاف جو ہے، وہ غلط ہے۔ قرآن کریم صحابہ کرام کی مدح اور منقبت سے بھرا پڑا ہے۔ معاذ اللہ اگر وہ برے تھے تب بھی اچھے تھے

ہر عیب کہ سلطان بہ پسندد ہنر است (۱)

رضی اللہ عنهم و رضوا عنه.

عقیدہ ہفتم

صحابہ کرام سب کے سب ثقات اور عدول ہیں اور ان کی تمام روایات مقبول ہیں۔ عہد تابعین سے لے کر اس وقت تک امت کے علماء نے دیگر رواتِ حدیث کی طرح صحابہ کرام کی جرح وتعدیل پر کبھی بحث نہیں کی اور بلا کسی تحقیق کے اور بلا کسی تنقید کے صحابہ کی روایات کو قبول کیا۔ یہ صحابہ کرام کے عادل اور ثقہ ہونے کی قطعی دلیل ہے اور قرآن کریم

(۱) ہر وہ عیب کی بات جس کو بادشاہ پسند کرے ہنر ہے۔

صحابہ کرام کی مدح وثناء سے بھرا پڑا ہے اب اس کے بعد کسی تعدیل کی ضرورت نہیں جس گروہ کے اوصاف کی مثالیں قرآن کریم اور توریت اور انجیل میں مذکور ہوں وہ گروہ قطعاً آئمہ حدیث کی تعدیل سے فقط مستغنی ہی نہ ہوگا، بلکہ بالا اور برتر ہوگا۔ جہاں کسی کو لب کشائی کی مجال نہیں۔

نیز اگر صحابہ کی عدالت اور ان کی روایت کی صحت اور وثاقت مسلم نہ ہو تو دین اور شریعت عہد نبوت میں منحصر ہو کر رہ جائے گی۔ یعنی جب تک حضور پُر نور دنیا میں موجود رہے تو دین اسلام اور شریعت موجود رہی اور آپ کے وصال کے بعد دین اور شریعت سب ختم ہوگئی اس لئے کہ دین اسلام اور شریعت کے راوی سب کے سب صحابہ کرام ہی ہیں قرآن کریم کے نزول کا علم ہم کو صحابہ کرام ہی کے ذریعہ سے ہوا ہے۔

عقیدۂ ہشتم

تمام صحابہ کرام کی تعظیم وتکریم ہر مسلمان پر فرض ہے۔ صحابہ کرام کی محبت نبی کریم علیہ السلام کی محبت ہے۔ آنحضرت ﷺ کے حقوق صحبت ونصرت کو ملحوظ رکھ کر تمام صحابہ کو عظمت اور محبت کے ساتھ یاد کرنا چاہئے اور اس بنا پر صحابہ کو دوست اور محبوب رکھنا چاہئے کہ یہ حضرات نبی اکرم ﷺ کے دوست تھے۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوھم من بعدی غرضا فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد آذانی ومن آذانی فقد اذی اللہ ورسولہ فیوشک ان یاخذہ۔

حضور ﷺ نے فرمایا اللہ اللہ میرے اصحاب کے بارہ میں خدا سے ڈرو اور میرے اصحاب کو ملامت کا نشانہ نہ بناؤ جس نے میرے اصحاب سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان کو محبوب رکھا اور جس نے میرے اصحاب کو مبغوض رکھا گویا اس نے میرے بغض کے باعث ان کو مبغوض رکھا اور جس نے ان کو ایذا دی گویا کہ اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دی اللہ تعالیٰ اس سے

مواخذہ کرے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ.

جولوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے۔

شیخ شبلیؒ کا مقولہ ہے:

ماامن برسول من لم یوقر اصحابه.

جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی تعظیم اور توقیر نہ کی وہ فی الحقیقت رسول پر ایمان نہیں لایا۔

عقیدۂ نہم

تمام اہل بیت نبوی اور ازواج مطہرات کی محبت اور عظمت اور حرمت عین ایمان اور اسلام ہے۔

صحابہ کرام نجوم ہدایت ہیں اور اہل بیت کی محبت سفینۂ نوح ہے۔ الحمد للہ کہ اہل سنت سفینۂ نوح میں سوار ہوئے اور نجوم ہدایت کی رہنمائی میں اپنا سفر طے کیا اور منزل مقصود کو پہنچ گئے۔ خوارج تو سفینۂ نوح میں سوار ہی نہ ہوئے اور شیعہ کشتی میں اگرچہ سوار ہو گئے لیکن نجوم ہدایت سے آنکھیں بند کرلیں کشتی چل رہی ہے راستہ معلوم نہیں نجوم ہدایت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے نہیں۔ معلوم نہیں کہ کشتی ڈوبے گی یا پار لگے گی اور منزل مقصود پر پہنچے گی یا کہیں راستہ کی موجوں میں غرق ہو جائے گی۔

عقیدۂ دہم

اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں یعنی اولیاء اللہ سے خوارق عادات افعال کا صادر ہونا جو حضرات انبیاء کرام کے معجزات کا نمونہ اور ان کے خوارق عادات کا عکس اور پرتو ہوں۔ مثلاً ہوا پر اڑنا اور پانی پر چلنا اور بلا موسم کے غیب سے ان کو رزق کا پہنچنا حیوانات اور موذی جانوروں کا ان کے لئے مسخر ہو جانا یا ان کی دعا سے فوراً کسی کی حاجت برآری ہو جانا۔ سب

حق ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اولیاء اللہ کی کرامتوں کا منکر علم عادی اور علم ضروری کا منکر ہے۔ نبی سے جو معجزہ صادر ہوتا ہے وہ دعوائے نبوت کے ساتھ مقرون ہوتا ہے اور ولی سے جو کرامت صادر ہوتی ہے وہ اس نبی کی متابعت کے اقرار کے ساتھ مقرون ہوتی ہے ولی سے جو خوارق عادات ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ نبی ہی کا فیض اور اس کی کمال اطاعت اور کمال متابعت کی برکت ہوتی ہے۔ پس معجزہ اور کرامت کے درمیان کوئی اشتباہ نہیں جیسا کہ منکرین کرامت نے گمان کیا ہے اور جو شخص ایمان اور اعمال صالحہ سے خالی ہو اس سے اگر کوئی خارق عادت صادر ہو جیسے شیطان اور دجال سے بہت سے خوارق کا صدور کتاب وسنت سے ثابت ہے سو وہ کرامت نہیں بلکہ استدراج اور مکر اللہ ہے۔ مومنین کے ایمان کی آزمائش کے لئے کفار نابکار کو اس قسم کے خوارق دیئے جاتے ہیں اور انجام ان کی نکبت اور خذلان ہوتا ہے۔ معتزلہ اولیاء اللہ کی کرامتوں کے منکر ہیں صرف اجابت دعاء کی کرامت کے قائل ہیں۔ اولیاء اللہ کی کرامتیں قرآن کریم اور حدیث نبوی سے ثابت ہیں۔

(۱) حضرت مریم علیہا السلام جو کہ نبیہ نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔ بطور کرامت بے موسم رزق کا ان کے پاس آنا قرآن کریم میں ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقاً قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ.

حضرت زکریا جب کبھی محراب میں مریم کے پاس جاتے تو ان کے پاس عجیب و غریب کھانے کی چیزیں رکھی ہوئی دیکھتے تو پوچھتے اے مریم یہ رزق تیرے پاس کہاں سے آیا، وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیا بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب کے رزق دیتے ہیں۔

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر اور صاحب مشیر یعنی آصف بن برخیا کا جو کہ نبی نہ تھے۔ پلک جھپکنے سے پہلے بلقیس کے تخت کو لا کر سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دینا قرآن کریم میں مذکور ہے۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَ اَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ.

کہا اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس لا کر رکھ دوں گا چنانچہ وہ لے آیا پس سلیمان علیہ السلام نے جب اس کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھ لیا تو یہ فرمایا کہ یہ اللہ کا فضل ہے جس سے مقصود میری آزمائش ہے اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔

(۳) اصحاب کہف کا قصہ بھی قرآن کریم میں مذکور ہے کہ صد ہا سال کروٹیں بدلتے رہے یہ اصحاب کہف کی کرامت تھی۔

کرامات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱) عباد بن بشر اور اسید بن حضیرؓ عشاء کے بعد حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں کچھ باتیں کرتے رہے جب کچھ دیر کے بعد دونوں آپ کے پاس سے گھر واپس ہوئے تو دونوں کے پاس دو عصا تھے ان میں سے ایک کا عصا روشن ہو گیا اور دونوں اس کی روشنی میں چلتے رہے۔ جب دونوں کا راستہ الگ ہوا تو دوسرے کا عصا بھی روشن ہو گیا اور دونوں اپنے اپنے عصا کی روشنی میں اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ (رواہ البخاری عن انسؓ)

(۲) حضرت ابوبکر کا قصہ ہے کہ اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا:

ھما اخوک واختاک.

میرا وارث ایک تیرا بھائی اور دو تیری بہنیں ہیں۔

حالانکہ اس وقت حضرت عائشہ کی ایک بہن تھی اور ان کی والدہ حاملہ تھیں حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد لڑکی پیدا ہوئی۔

(۳) حضرت عمرؓ نے نہاوند کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا ساریہ نامی ایک شخص کو لشکر کا سردار مقرر فرمایا۔ نہاوند مدینہ سے ایک مہینہ کے راستہ پر تھا۔ ایک روز کفار کا لشکر

پہاڑ کے پیچھے مسلمانوں کی گھات میں بیٹھ گیا اور لڑائی شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حال مدینہ منورہ میں حضرت عمر پر منکشف فرمادیا حضرت عمر اس وقت منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے یکا یک بآواز بلند یہ فرمایا:

یا سارية الجبل.

اے ساریہ پہاڑ کے پیچھے دیکھو کہ دشمن تمہاری تاک میں بیٹھا ہے۔

نہاوند میں جو لشکر کافروں سے جہاد کر رہا تھا اس نے حضرت عمر کی یہ آواز اپنے کانوں سے سنی۔ حضرت ساریہ نے اسی وقت دشمن کا سراغ لگایا۔ اس واقعہ میں حضرت عمر کی دو کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو نہاوند کا میدان کارزار ایک مہینہ کی مسافت سے دکھلایا۔ دوسری کرامت یہ ہوئی کہ حضرت عمر کی آواز کو مدینہ منورہ کے منبر سے نہاوند تک اس طرح پہنچادی کہ سارے لشکر نے حضرت عمر کی آواز کو سنا۔

الغرض حضرات صحابہ اور تابعین اور اولیاء امت سے جس قدر کرامتیں ظہور میں آئیں وہ حد تواتر کو پہنچی ہیں سوائے ملحد اور بے دین کے ان متواترات کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

عقیدۂ یازدہم

کوئی ولی کسی وقت بھی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ (۱) انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء معصوم نہیں ہوتے۔ (۲) نیز انبیاء کرام کو برے خاتمہ کا کوئی خطرہ اور اندیشہ نہیں ہوتا۔ (۳) ولایت من وجہ کسبی ہے اور نبوت محض موہبت ربانی اور عطیہ یزدانی ہے۔ (۴) نیز نبی کبھی نبوت سے معزول نہیں ہوسکتا اور ولی فسق و فجور میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ (۵) نبی کا الہام اور خواب سب قطعی ہے امت پر حجت ہے اور ولی کا کشف اور الہام ظنی ہے کسی پر تو کیا خود ولی پر بھی اس کا الہام حجت بمعنی واجب العمل نہیں۔ (۶) نبی کو خود بھی اپنی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہے ولی اگر اپنے کو فاسق سمجھے تو اس کی ولایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ایمان:

ایمان کے معنی لغت میں تصدیق کے ہیں یعنی کسی قائل کو سچا سمجھ کر اس کی بات پر یقین کرنا اور اس کو قبول کرنا اور ماننا۔

اور اصطلاح شریعت میں ایمان ان تمام دینی امور کو دل سے سچا جاننے اور ماننے کو کہتے ہیں جن کا بطریق ضرورت وتواتر دین محمدی سے ہونا ثابت ہے اور زبانی اقرار بھی ایمان کا رکن ہے مگر مجبوری کی حالت میں سقوط کا احتمال ہے۔ اصل ایمان تو تصدیق قلبی ہے اور اقرار لسانی اس کی حکایت ہے پس اگر اقرار لسانی، تصدیق قلبی کے ہمراہ ہو تو قابل قبول ہے۔ ورنہ محض زبانی اقرار بدون قلبی تصدیق کے محض مکر وفریب دھوکہ اور جھوٹ ہے۔

ایمان کی شرط:

کفر اور کافری سے تبری اور بیزاری ایمان کی شرط ہے مثلاً اگر کوئی بت پرست یا عیسائی دین اسلام میں داخل ہو اور دین محمدی کی تمام باتوں کی تصدیق کرے لیکن شرک اور عیسائیت سے بیزاری اور تبری ظاہر نہ کرے تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص دو دینوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو داغ کفر سے داغدار ہے اور اس کا حکم منافق کا سا حکم ہے:

لا الی ھولاء و لا الی ھولاء.

نہ ادھر کا اور نہ ادھر کا۔

پس ایمان کی تصدیق اور تحقیق کیلئے کفر سے تبری اور بیزاری ضروری ہے اور تبری کا ادنی درجہ یہ ہے کہ دل سے ہو اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل اور زبان اور جسم سب سے ہو۔ اور تبری سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دشمنوں سے دشمنی رکھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت جب ہی ثابت ہو سکتی ہے کہ جب اللہ اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھی جائے کسی سے دعویٰ محبت کا ہو اور پھر اس کا محبوب کے دشمنوں سے دشمنی بھی نہ ہو تو عقلاً ایسی محبت غیر مقبول ہے اور دعوائے محبت غیر مقبول ہے اس لئے کہ یہ اجتماع ضدین کو مستلزم ہے۔ اور یہ مصرعہ۔

تولی بے تبری نیست ممکن　　نہیں ہوتی محبت بے تبری

اس جگہ صادق ہے۔

قرآن کریم میں حق جل شانہ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دشمنانِ خدا سے تبری اور بیزاری کو اہل ایمان کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللهِ وَحْدَهُ.

تحقیق تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں ایک بہترین نمونہ ہے جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے یہ کہہ دیا کہ ہم تم سے اور تمہارے تمام معبودوں سے سوائے خدا کے بری اور بیزار ہیں ہم اللہ کے مومن اور تمہارے کافر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بغض اور عداوت ہے یہاں تک تم ایک خدا پر ایمان لاؤ۔

ایمان کے کم اور زیادہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کم وبیش نہیں ہوتا ''الایمان لا یزید و لا ینقص'' اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ''الایمان یزید و ینقص'' ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

امام اعظمؒ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان کہ جو تمام اہل ایمان میں قدر مشترک ہے اور جس پر ایمانی اخوت کا دارومدار ہے اور جس ایمان کی بنا پر تمام مسلمان رشتہ اخوت میں منسلک ہوتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ. (۱)

یہ ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا البتہ طاعات اور حسنات کے اعتبار سے ایمان میں کمی اور بیشی ہوتی ہے جس قدر طاعات زیادہ ہوں گی اسی قدر ایمان زیادہ کامل ہوگا۔ پس عام مومنوں کا ایمان حضرات انبیاء کرام کے ایمان جیسا نہ ہوگا اور نہ ہوسکتا ہے اس لئے کہ حضرات انبیاء کا ایمان بوجہ کمال ایقان وکمال عرفان اور کمال طاعات اس درجہ بلند ہے کہ عام مومنوں کا ایمان وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اگرچہ نفس ایمان میں دونوں مشترک ہیں لیکن

(۱) حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ (حجرات/۱۰)

طاعات کی قوت سے حضرات انبیاء کا ایمان اس درجہ قوی ہوگیا ہے کہ اس کی حقیقت ہی دوسری ہوگئی گویا کہ دوسروں کا ایمان اس ایمان کا فرد ہی نہیں رہا اور نہ ان کے درمیان کوئی مماثلث اور مشارکت باقی رہی۔

عام انسان اگرچہ نفس انسانیت میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شریک ہیں لیکن حضرات انبیاء کمالات انسانیت میں اس درجہ بلند ہیں کہ ان کی انسانیت کی حقیقت عام انسانوں کی انسانیت سے جدا اور ممتاز ہے گویا کہ حقیقت مشترکہ سے بالا اور برتر ہے انسانیت اور بشریت میں جو مشارکت ہے وہ محض اسمی اور لفظی ہے حقیقی مشارکت نہیں بلکہ انسان حقیقی حضرات انبیاء کرام ہیں اور باقی لوگ تو بن مانس کے حکم میں ہے۔ اگر کوئی شخص دو مختلف آئینوں کو دیکھ کر یہ کہہ دے کہ یہ دونوں آئینے حقیقت میں برابر ہیں اور ان میں کسی قسم کی زیادتی اور نقصان نہیں لیکن نورانیت اور صفائی کے اعتبار سے مختلف ہیں تو یہ اس کے صائب النظر اور غائر الفکر ہونے کی دلیل ہوگی مطلب اس کا یہ ہوگا کہ حقیقت مشترکہ اور ماہیت کلیہ ایک ہے اس میں کوئی کمی زیادتی نہیں فرق صفات کا ہے اور جو شخص آئینہ کی نفس حقیقت کو کم وبیش بتلاتا ہے وہ ذات اور صفات میں فرق نہیں کرتا اسی طرح ایمان کو سمجھئے کہ ایمان کی حقیقت میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اس کی صفات میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے کسی کا ایمان نورانی اور روشن ہے اور کسی کا ظلمانی اور مکدر اور زنگ آلود ہے اب اس تقریر سے مخالفین کا یہ شبہ زائل ہوگیا کہ ایمان کے کم وبیش نہ ہونے سے عام مومنوں کے ایمان کا معاذ اللہ، انبیاء کرام کے ایمان کے برابر ہونا لازم آتا ہے۔

یہ تمام تر امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام کی توضیح اور تشریح تھی اور حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ایمان حقیقت میں ایک معاہدہ ہے اللہ سبحانہ تعالیٰ سے التزام طاعت کا اور اعمال صالحہ اس معاہدہ کی دفعات ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ التزام ایک امر بسیط ہے جس میں تجزی اور تبعض اور زیادتی اور نقصان کا امکان نہیں اور قرآن کریم نے جا بجا ایمان کو عہد اللہ سے تعبیر کیا ہے:

اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ.[1]

(۱) وہ جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ (بقرہ/۲۷)

ایمان اور اسلام میں فرق

لفظ ایمان، امن اور امانت سے مشتق ہے لغت میں ایمان ایسی خبر کی تصدیق کو کہتے ہیں جس کا ہم نے بچشم خود مشاہدہ نہ کیا ہو محض مخبر کی امانت اور صداقت کے بھروسہ پر اس کو تسلیم کر لیا۔ طلوع شمس کی خبر دینے والے کو صدقنا اور سلمنا تو کہہ سکتے ہیں مگر امنا نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ طلوع شمس ایک محسوس اور مشاہد چیز ہے اور لغت میں ایمان کا اطلاق غائب اور غیر محسوس چیزوں کی تصدیق پر ہوتا ہے محسوس اور مشاہد چیزوں کے ماننے کو مطلق تصدیق کہیں گے مگر ایمان نہیں کہیں گے۔

اور اصطلاح شریعت میں انبیاء کرام کے بھروسہ اور اعتماد پر احکام خداوندی اور غیب کی خبروں کی دل سے تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔ مثلاً فرشتوں کو بغیر دیکھے محض نبی کے اعتماد پر ماننے کا نام ایمان ہے اور مرتے وقت فرشتوں کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر ماننا یہ ایمان نہیں اس لئے کہ یہ ماننا اپنے مشاہدہ پر مبنی ہے، نبی کریم کے اعتماد اور بھروسہ پر نہیں۔

اسلام

اسلام لغت میں اطاعت اور فرماں برداری کا نام ہے، یا بالفاظ دیگر اپنے آپ کو کسی کے حوالہ اور سپرد کر دینے کا نام اسلام ہے اور اصطلاح شریعت میں نبی برحق کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نام اسلام ہے۔ اپنی رائے اور خیال کے مطابق اللہ کی اطاعت کرنے کا نام اسلام نہیں۔ بادشاہ اور حکومت کی اطاعت اور فرمانبرداری وہی معتبر ہے جو احکام وزارت کے ماتحت ہو۔ احکام وزارت کو واجب العمل نہ سمجھنا یہ حکومت سے بغاوت ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام خداوند ذوالجلال کے خلفاء اور بلاتشبیہ بمنزلہ وزراء کے ہیں ان کی شریعت کے ماتحت جو حق تعالیٰ کی اطاعت ہوگی وہ تو اسلام کہلائے گی ورنہ کفر کہلائے گی۔

فائدہ جلیلہ:

ایمان اگرچہ تصدیق قلبی کا نام ہے مگر ایمان کے لئے اسلام یعنی عملی اطاعت اور فرمانبرداری لازم اور ضروری ہے اور شریعت میں اسلام (اطاعت اور فرمانبرداری) وہی معتبر ہے کہ جس کے ساتھ تصدیق قلبی بھی ہو ورنہ محض ظاہری اطاعت بدوں تصدیق قلبی کے ذرہ برابر معتبر نہیں ایسے شخص کو اصطلاح شریعت میں مسلمان نہیں کہا جا سکتا بلکہ منافق کہا جائے گا۔ شریعت میں مسلم اور مسلمان کا لفظ اسی شخص پر بولا جاتا ہے کہ جو ظاہر اور باطن میں دونوں لحاظ سے خدا تعالیٰ کے تمام حکموں کو مانتا ہو۔

عقیدۂ دوازدہم

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور کارآمد وہی ایمان ہے جو بالغیب ہو یعنی جن چیزوں کی خدا کے پیغمبروں نے خبر دی ہے ان کو بغیر دیکھے انبیاء کرام کے بھروسہ اور اعتماد پر بے چون و چرا قبول کرے۔ حق جل شانہ نے سورہ بقرہ کے شروع ہی میں متقین کی صفت ''اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' بیان فرمائی اور اسی پر ایمان بالغیب پر ہدایت اور فلاح کا وعدہ فرمایا:

اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

لہٰذا جو شخص مرنے کے وقت فرشتوں اور احوال آخرت کو آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لائے تو وہ ایمان معتبر نہ ہوگا۔ کما قال تعالیٰ:

وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْاٰنَ.

ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں کہ جو گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب موت آ گئی تو اس وقت کہتے ہیں کہ میں توبہ کرتا ہوں۔

قال تعالیٰ:

فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا.

یعنی عذاب الٰہی کے دیکھنے کے بعد ایمان لانے نے ان کافروں کو نفع نہیں دیا اس لئے کہ عذاب الٰہی کو دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہیں۔ (ص ۱۲۴)

عقیدۂ سیزدہم

مومن گناہ کرنے سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا اگرچہ گناہ کبیرہ ہو اس لئے کہ ایمان کی اصل حقیقت تصدیق قلبی ہے اور اعمال صالحہ ایمان کی اصل حقیقت میں داخل نہیں اس لئے گناہ کرنے سے اصل ایمان سے تو خارج نہیں ہوتا مگر اس کا ایمان ناقص ضرور ہو جاتا ہے۔

عقیدۂ چہاردہم

ایمان اور کفر کا مدار خاتمہ پر ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تمام عمر ایمان یا کفر پر رہا اور اخیر میں جا کر حالت بدل گئی تو اعتبار خاتمہ کا ہوگا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ. آمین.

عقیدۂ پانزدہم

امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مومن کو چاہئے کہ انا مومن حقاً کہے یعنی میں مومن برحق ہوں، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ انا مومن انشاء اللہ کہے یعنی انا مومن کے ساتھ کلمہ استثناء یعنی کلمہ انشاء اللہ بھی ملانا چاہئے اور درحقیقت یہ نزاع لفظی ہے۔ امام اعظم کا قول فی الحال ایمان کے لحاظ سے ہے امام شافعی کا قول مآل اور استقبال کے اعتبار سے ہے کہ انجام اور عاقبت کا کسی کو علم نہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک فقط انا مومن کہنا بدون کلمہ استثناء کے زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ اس میں ظاہراً ایہام شک کا ہے پس احتیاط اس میں ہے کہ اپنے ایمان کو مشکوک اور مشتبہ ہونے کے ایہام سے بھی محفوظ رکھے۔ دوم یہ کہ ایمان کے متعلق جو سوال کیا جاتا

ہے اس کا تعلق حال سے ہے استقبال اور مآل سے اس کا تعلق نہیں لہٰذا کلمہ استثناء کے داخل کرنے سے جواب اور سوال میں مطابقت نہ رہے گی۔ سوم یہ کہ اگر سوء خاتمہ کے خوف کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر مومن اور کافر کی شناخت کا طریقہ کیا باقی رہے گا اور کسی شخص کو بھی قطعی طور پر مومن اور کافر نہ کہیں گے۔ چہارم یہ کہ شرعی معاملات میں حال کا اعتبار ہے مآل کا اعتبار نہیں۔ پنجم یہ کہ اگر حال کا اعتبار نہ ہو تو جو شخص اپنے مومن ہونے کی خبر دے تو اس کی خبر ضائع اور بیکار ہو جائے گی۔ ششم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو بلا کسی قید اور شرط کے مومن فرمایا ہے۔ ہفتم یہ کہ صحابہ کرام اپنے آپ کو عام طور پر مومن کہتے تھے۔ البتہ جس وقت آخرت کا خوف غالب ہوا تو اس وقت خوف اور خشیت کی حالت میں انا مومن کے ساتھ انشاء اللہ بڑھا لیا تا کہ حاضرین اور سامعین اپنے ایمان پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں اور سوء خاتمہ کے خوف سے اللہ تعالیٰ سے حسن خاتمہ کی دعاء کرتے رہیں:

یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک.

ایمان کے شعبے

حدیث میں ہے:

الایمان بضع و سبعون شعبة افضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذی عن الطریق.

ایمان کی ستر سے زیادہ (یعنی ستتر) شاخیں ہیں۔ سب سے بڑا شعبہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ اور کمتر کسی تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹا دینا ہے۔

اب ہم مختصراً ایمان کے ستتر شعبوں کو بالاجمال ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

شعب ایمان متعلقہ قلب

یعنی ایمان کے وہ شعبے جو قلب سے متعلق ہیں جن کی تعداد تیس ہے:

(۱) **ایمان باللہ** یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کہ وہ خدائے برحق ہے (۲) **اعتقاد حدوث ماسوی اللہ** یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو چیز بھی ہے وہ سب حادث

ہے اور خدا کی مخلوق ہے(۳)ایمان بالملائکہ یعنی فرشتوں پر ایمان لانا(۴)ایمان بکتب اللہ یعنی ایمان لانا ان تمام کتابوں اور صحیفوں پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر اتاریں(۵)ایمان بو سل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ایمان لانا(۶)ایمان بالقدر خیرہ و شرہ. یعنی اللہ کی تقدیر پر ایمان لانا(۷)الایمان بالیوم الآخر. یعنی قیامت کے دن پر ایمان لانا(۸)الوثوق بوعد الجنة والخلود فیھا، یعنی جنت کے وعدہ اور اس کے خلود پر یقین کرنا(۹)الیقین بوعید النار و عذابھا دوزخ اور اس کے عذاب کا یقین کرنا(۱۰)محبة اللہ یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا(۱۱)الحب فی اللہ والبغض فی اللہ، محض اللہ تعالیٰ کی وجہ سے کسی سے محبت یا نفرت رکھنا(۱۲)محبة رسول اللہ ﷺ(۱۳)اخلاص(۱۴)توبہ اور استغفار(۱۵)خوف، یعنی اللہ کے قہر سے ڈرنا(۱۶)رجاء ہ اللہ کی رحمت کی امید رکھنا(۱۷)حیاء (۱۸)شکر (۱۹)وفائے عہد (۲۰)صبر (۲۱)تواضع یعنی دل سے اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر سمجھنا نہ کہ فقط زبان سے اپنے کو حقیر اور ناچیز کہنا۔ تواضع میں اکابر کی توقیر اور احترام بھی داخل ہے(۲۲)رحمت و شفقت، یعنی اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنا اس میں اصاغر پر شفقت کرنا بھی داخل ہے (۲۳)رضاء بالقضاء(۲۴)توکل(۲۵)ترک عجب یعنی خود پسندی کو ترک کرنا جس میں اپنی خود ستائی کا ترک کرنا بھی داخل ہے(۲۶)ترک حسد(۲۷)ترک کینہ و عداوت (۲۸)ترک غضب یعنی غصہ کا ترک کرنا(۲۹)ترک غش یعنی بدخواہی کا ترک کرنا جس میں بدگمانی اور سازش کا ترک کرنا بھی داخل ہے(۳۰)زھد یعنی ترک حبِ دنیا یعنی دنیا کی محبت ترک کرنا اور دنیا کی دو چیزوں کو ترک کرنے کا نام زُہد ہے ایک مال کا اور ایک جاہ کا یعنی وجاہت اور اقتدار۔

یہ تیس شعبے قلب کے متعلق ہیں اب آگے ان شعبوں کو بیان کرتے ہیں جو زبان سے متعلق ہیں جن کی تعداد سات ہے۔

شعبِ ایمان متعلقہ زبان

(۳۱)کلمہ توحید کا تلفظ اور اقرار رسالت(۳۲)تلاوت قرآن کریم(۳۳)تعلم

علم دین یعنی علم دین کا سیکھنا (۳۴) تعلیم علم دین یعنی علم دین کا دوسروں کو سکھانا (۳۵) دعا کرنا (۳۶) ذکر کرنا جس میں استغفار بھی داخل ہے (۳۷) اجتناب لغو، یعنی لغو اور فضول باتوں سے بچنا۔

یہ سات شعبے زبان سے متعلق تھے اب آئندہ ان شعبوں کو بیان کرتے ہیں جو اعضاء اور جوارح سے متعلق ہیں جن کی کل تعداد چالیس ہے جن میں سے سولہ مکلف کی ذات خاص سے متعلق ہیں اور چھ شعبے مکلّف کے اہل وعیال اور خدام سے متعلق ہیں اور باقی اٹھارہ شعبے عام مسلمانوں سے متعلق ہیں۔

شعب ایمان متعلقہ اعضاء وجوارح

(۳۸) طہارت جس میں طہارت بدن اور طہارت لباس اور طہارت مکان اور وضو اور غسل اور تیمّم سب داخل ہیں (۳۹) اقامة الصلوٰة۔ جس میں فرض اور نفل اور قضاء سب داخل ہیں (۴۰) اداء الزکوٰة جس میں صدقہ فطر اور ضیافت مہمان بھی داخل ہے (۴۱) روزہ خواہ فرض ہو یا نفل (۴۲) حج جس میں عمرہ بھی داخل ہے (۴۳) اعتکاف جس میں شب قدر کا تلاش کرنا بھی داخل ہے (۴۴) الفرار بالدین من الفتن۔ اپنے دین کو بچانے کے لئے فتنہ کی جگہ سے بھاگنا جس میں ہجرت فی سبیل اللہ بھی داخل ہے (۴۵) ایفاء نذر یعنی نذر کو پورا کرنا (۴۶) تحری فی الأیمان یعنی اپنی قسم کا خیال رکھنا (۴۷) اداء کفارہ (۴۸) ستر عورت، نماز اور غیر نماز تمام احوال میں ستر عورت (۴۹) قربانی کرنا (۵۰) مسلمان کے جنازہ کی تجہیز وتکفین اور تدفین کرنا (۵۱) اداء دین قرضوں کا ادا کرنا (۵۲) معاملات میں صداقت اور راستبازی کرنا (۵۳) حق بات کی شہادت دینا اور کسی دنیاوی اور نفسانی مصلحت سے اس کو نہ چھپانا۔

یہ سولہ شعبے انسان کی ذات سے متعلق ہیں۔ اب آئندہ ان شعبوں کو ذکر کرتے ہیں جو اہل وعیال اور خدام کے حقوق سے متعلق ہیں ان کی تعداد چھ ہے:

(۵۴) نکاح کرنا تاکہ عفت اور پاکدامنی حاصل ہو (۵۵) اہل وعیال کے حقوق ادا کرنا (۵۶) والدین کے ساتھ احسان کرنا اور ان کی خدمت کرنا (۵۷) اولاد کی

شریعت کے موافق تربیت کرنا (۵۸) صلہ رحمی کرنا، رشتہ داروں کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا (۵۹) آقا کی اطاعت کرنا، یہ حکم غلام کے لئے ہے۔

اس کے بعد وہ شعبے ذکر کئے جاتے ہیں جو عام لوگوں سے متعلق ہیں ان کی تعداد اٹھارہ ہے:

(۶۰) حکومت اور امارت کی حالت میں عدل اور انصاف کرنا (۶۱) مسلمانوں کی جماعت کا اتباع کرنا یعنی صحابہ کرام کی جماعت کا جو طریقہ تھا اس پر چلنا (۶۲) حکام کی اطاعت کرنا بشرطیکہ ان کا حکم شریعت کے خلاف نہ ہو (۶۳) لوگوں کی اصلاح کرنا اور ان میں صلح کرانا جس میں سلطنت اسلامیہ کے باغیوں سے قتال بھی داخل ہے اس لئے کہ مفسدین کے فساد کا رفع کرنا بھی اصلاح ہے (۶۴) خیر اور نیکی کے کام میں اعانت اور امداد کرنا (۶۵) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ یعنی بھلی بات کا حکم دینا اور بری بات سے منع کرنا (۶۶) حدود کا قائم کرنا (۶۷) کافروں سے جہاد کرنا (۶۸) امانت کا ادا کرنا (۶۹) کسی حاجت مند کو قرض دینا (۷۰) پڑوسی کی خبر گیری اور خاطر داری کرنا (۷۱) حسن معاملہ یعنی خوش معاملگی (۷۲) مال کو اپنے محل اور موقعہ پر خرچ کرنا اس میں اسراف اور فضول خرچی سے بچنا بھی داخل ہے (۷۳) سلام کا جواب دینا (۷۴) چھینکنے والے کو جواب دینا یعنی اگر چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا (۷۵) لوگوں کو ضرر اور تکلیف نہ پہنچانا (۷۶) لہو ولعب سے بچنا (۷۷) راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا مثلاً کانٹے اور پتھر وغیرہ کو راستہ سے ایک طرف کر دینا۔

یہ کل ستتر شعبے ہوئے جو عمدۃ القاری شرح بخاری باب امور الایمان میں مذکور ہیں اور اگر ان شعبوں کی پوری تشریح اور تفصیل درکار ہو تو فروع الایمان مصنفہ حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ کی مراجعت کریں جو اس موضوع پر بہترین کتاب ہے۔

کفر کی تعریف

کفر شریعت میں ایمان کی ضد ہے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے کسی ایک چیز کو نہ ماننا یا اس میں شک کرنے کا نام کفر ہے۔

تشریح:

ایمان کی تعریف پہلے گزر چکی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں کو نبی کے بھروسہ اور اعتماد پر بے چون و چرا تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے اور کفر چونکہ ایمان کی ضد ہے۔ لہٰذا کفر کی تعریف یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کسی ایک حکم کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا جو قطعی اور یقینی طور سے آنحضرت ﷺ سے ہم کو پہنچا ہے اس کا نام کفر ہے۔

قطعی اور یقینی کی قید اس لئے لگائی کہ دین کے احکام ہم تک دو طریق سے پہنچے ہیں ایک بطریق تواتر اور ایک بطریق خبر واحد۔ تواتر اس کو کہتے ہیں کہ جو چیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے علی الاتصال اور مسلسل طریق سے ہم تک پہنچی ہے اور عہد نبوت سے لے کر اس وقت تک نسلاً بعد نسل ہر زمانہ کے مسلمان اس کو نقل کرتے چلے آئے ہیں ایسی شئے قطعی اور یقینی ہے جس میں خطا اور نسیان کا احتمال نہیں۔ ایسے قطعی اور یقینی اور متواتر امور کا انکار کفر ہے اور جو امور خبر واحد سے ثابت ہوں ان کا انکار کفر نہیں۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ کا انکار یا شراب اور زنا کی حرمت کا انکار ہے یہ کفر ہے اور شریعت اسلامیہ کی اہانت اور اس کے ساتھ استہزاء یہ بھی کفر ہے۔ کیونکہ یہ امور قرآن اور حدیث متواتر سے اور مسلمانوں کے مسلسل تعامل سے ثابت ہیں لہٰذا ان کا انکار کفر ہوگا۔

کفر کے اسباب یا اقسام

تمام کفریات کا منشا پانچ چیزیں ہیں اول (دھریت و مادیت)۔ یعنی عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ مادہ کی حرکت اور زمانہ کی گردش سے ہو رہا ہے اور یہ کارخانہ عالم ایک خودرو کارخانہ ہے کوئی اس کا بنانے والا اور چلانے والا نہیں۔

دوم (تعلیل وتعطیل) بعض فلاسفہ جو خدا کے وجود کے قائل ہیں ان کا قول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محض واجب الوجود ہے اور اس عالم کی علت ہے، جب سے خدا ہے اسی وقت سے یہ عالم ہی ہے، خدا تعالیٰ واجب الوجود اور قدیم بالذات ہے اور یہ عالم ممکن بالذات اور قدیم بالزمان ہے اور تعطیل کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں کے نزدیک خدا تعالیٰ صفات کمال سے عاری ہے۔

سوم (تشبیہ وتمثیل) تشبیہ وتمثیل کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے لئے مخلوق جیسے اوصاف اور عوارض مانتے ہیں جیسا کہ فرقہ مجسمہ اور مشبہہ کے عقائد۔

چہارم (تشریک فی الذات) یعنی وجوب وجود میں ذات خداوندی کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جیسے مجوس۔

پنجم (تشریک فی التدبیر) یعنی غیر اللہ کو خدا تعالیٰ کی تدبیر اور تصرف میں شریک ماننا ہے جیسا کہ مشرکین اور مجوس اور صائبین جو کواکب اور نجوم کی تاثیر کے قائل ہیں۔

کافر کی تعریف اور اس کی قسمیں

علامہ تفتازانی شرح مقاصد صفحہ ۲۶۸ جلد ۲ میں فرماتے ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کافر:

وہ ہے کہ جو مومن نہ ہو۔ یعنی جن چیزوں کا ماننا مومن ہونے کے لئے ضروری ہے ان میں سے کسی ایک کو نہ مانتا ہو۔

منافق:

جو ظاہر میں ایمان کا مدعی اور مقر ہو اور دل سے منکر ہو۔

مرتد:

وہ ہے جو اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسلام سے پھر گیا ہو۔

مشرک:

وہ ہے کہ جو دو یا دو سے زیادہ معبودوں کی پرستش کا قائل ہو۔

کتابی:

وہ ہے کہ جو ادیان منسوخہ جیسے یہودیت اور عیسائیت وغیرہ میں کسی آسمانی کتاب کو مانتا ہو۔

دہری یا دہریہ:

وہ ہے کہ جو عالم کو قدیم مانتا ہو اور عالم کے واقعات اور حوادث کو دھر یعنی زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہو اور وجودِ خداوندی کا قائل نہ ہو۔

ملحد اور زندیق:

وہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کا اقرار کرتا ہو اور شعائر اسلام نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ بھی بجالاتا ہو مگر دل میں ایسے عقائد رکھتا ہو جو باتفاق کفر ہیں تو ایسے شخص کو زندیق کہا جاتا ہے۔ شرح مقاصد صفحہ ۲۶۸ جلد ۲

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ زندیق حکم میں منافق کے ہے اس لئے کہ یہ شخص اسلام کے پردہ میں اپنے کفر کو چھپاتا ہے۔ ظاہراً اسلام کا اقرار کرتا ہے اور معناً نصوص شرعیہ میں ایسی تاویلیں کرتا ہے جس سے اس کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے۔

مسئلہ تکفیر اہلِ قبلہ

اہل قبلہ اصطلاح شریعت میں وہ لوگ کہلاتے ہیں کہ جو تمام ضروریات دین اور تمام قطعیات اسلام کے قائل ہوں مثلاً حدوث عالم اور حشر اجساد اور خدا تعالٰی کے عالم کلیات اور جزئیات ہونے کے قائل ہوں اور جو احکام قرآن کریم اور احادیث متواترہ کی عبارت النص سے ثابت ہوں ان سب کو مانتے ہوں۔

اور اگر کوئی شخص پانچ وقت قبلہ رخ ہو کر نمازیں ادا کرتا ہو مگر عالم کو قدیم سمجھتا ہو یا مثلاً حشر اجساد کا قائل نہ ہو یا مثلاً شراب اور زنا کو حلال سمجھتا ہو تو یہ شخص ہرگز ہرگز اہل قبلہ میں سے نہیں۔

(۱) قال تعالیٰ:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ.

تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی کی اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

(۲) **اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ.**

پھر بھلا کیا جب تمہارے پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگو۔ پھر ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی ہے اللہ نے ان کے کفر کرنے کے سبب سو بہت کم ایمان لائے ہیں۔

(۳) **اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَّاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا.**

جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے

بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور جدا نہ کیا ان میں سے کسی کو ان کو دے گا ان کا ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

علماء میں یہ مشہور ہے کہ جس میں ۹۹ وجہیں کفر کی ہوں اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو اس کی تکفیر نہ کی جائے۔ سو جاننا چاہئے کہ اس کلام کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو شخص اسلام اور دین کی ۹۹ باتوں کا منکر اور مکذب ہو اور ایک بات دین کی مانتا ہو اس کو کافر نہ کہا جائے یہ سراسر غلط اور مہمل ہے۔ کیونکہ اس معنی پر تو یہود اور نصاریٰ کو بھی کافر کہنا جائز نہ رہے گا۔ کیونکہ یہود اور نصاریٰ کم از کم ۵۰ فیصدی اسلام کی باتوں کو مانتے ہیں بلکہ دنیا میں کوئی کافر ایسا نہیں کہ جو اسلام کی تمام باتوں کا منکر ہو۔

علماء کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی مجمل اور محتمل کلمہ کفر زبان سے نکالا جس کے معنی میں ۹۹ احتمال کفر کے ہیں اور ایک احتمال ایمان کا بھی ہے تو ایسے محتمل اور مشتبہ قول کی بنا پر اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص شریعت کے تین سو حکموں کو مانتا ہے اور صرف تین حکموں کو نہیں مانتا مثلاً زنا کاری اور شراب خواری اور رشوت ستانی کو حلال سمجھتا ہے تو کیا یہ شخص کافر نہ ہوگا، کیونکہ سو میں ننانوے کا قائل ہے اور صرف ایک حکم کا منکر ہے۔ جو شخص حکومت وقت کے ۹۹ قوانین کو مانتا ہو اور سو میں سے صرف ایک حکم کو ناقابل عمل قرار دیتا ہو تو حکومت کے نزدیک ایسا شخص باغی ہے اور تختہ دار یا حبس دوام کا مستحق ہے حالانکہ یہ شخص حکومت کے ۹۹ احکام کو مانتا ہے صرف ایک حکم نہیں مانتا اور اس کے خلاف تقریریں کرتا ہے۔

ضروریاتِ دین کی تعریف

ضروریاتِ دین اصطلاح شریعت میں ان امور کو کہا جاتا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ

سے بطریق تواتر ثابت ہوں اور عام طور پر مسلمان ان امور کو جانتے ہوں یعنی ان چیزوں کا علم علماء تک محدود نہ ہو بلکہ عوام کے علم میں بھی وہ چیز آ چکی ہو ایسی چیزوں کو ضروریات دین کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو شامی صفحہ ۲۴۷ باب الامامۃ۔

مثلاً خدا تعالیٰ کا ایک ہونا اور تمام کائنات کا خالق اور مربی ہونا قرآن شریف اور تمام آسمانی کتابوں کا کلامِ الٰہی ہونا۔ تمام پیغمبروں کا برحق ہونا جنت اور جہنم کا برحق ہونا اور انبیاء کرام سے جو معجزات صادر ہوئے وہ سب حق اور سچے تھے۔ معاذ اللہ کوئی دھوکا اور شعبدہ اور طلسم نہ تھے اور جن چیزوں کا حلال اور حرام ہونا قطعی طور پر ثابت ہو چکا ہے اور ان کو حلال اور حرام سمجھنا مثلاً چوری اور زنا کو حرام سمجھنا اور ماں اور بیٹی اور بہن اور باپ کی منکوحہ سے نکاح کو حرام سمجھنا اگر کوئی شخص ان باتوں میں سے کسی ایک بات کا انکار کرے یا اس میں شک کرے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے اور اسلام کے لئے تمام ضروریات دین اور قطعیات اسلام کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ دین کی سو باتوں میں صرف ایک بات کا ماننا مومن ہونے کے لئے کافی نہیں۔

حکومت کا وفادار وہی ہے کہ جو حکومت کے تمام احکام اور قوانین کو مانتا ہو اور اگر کوئی شخص حکومت کے ننانوے احکام کو مانتا ہو مگر ایک حکم کے متعلق یہ کہتا ہے کہ حکومت کا یہ حکم میرے نزدیک قابلِ قبول نہیں اور طرح طرح سے اس حکم میں شکوک اور شبہات پیش کرتا ہے یا اس حکم کی ایسی تاویلات اور توجیہات کرتا ہے کہ جواب تک ارکان دولت اور حکام عدالت کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں گزریں تھیں تو ایسا شخص حکومت کا وفادار نہیں بلکہ باغی ہے۔

ضروریاتِ دین اور متواترات میں تاویل بھی کفر ہے

جس طرح ضروریات دین اور متواترات اسلام میں سے کسی ایک امر کا انکار کفر ہے اسی طرح ضروریاتِ دین اور متواترات اسلام میں تاویل کرنا بھی کفر ہے کیونکہ قطعی امور کی تاویل بھی انکار کے حکم میں ہے۔

جس طرح نماز اور روزہ کی فرضیت کا انکار کفر ہے اسی طرح نماز اور روزہ اور زکوٰۃ

کے حکم میں کسی قسم کی تاویل بھی کفر ہے۔ تاویل وہاں مسموع ہے جہاں کوئی اشتباہ ہو اور جو امور قطعی اور صاف اور روز روشن کی طرح واضح ہوں ان میں تاویل کرنا انکار کے مترادف ہے بلکہ تمسخر اور استہزاء کے ہم معنی ہے۔

عقائد متعلقہ بہ امامت وخلافت

خلافت اور امامت کی بحث اہل سنت والجماعت کے نزدیک اگرچہ اصول دین سے نہیں۔ لیکن چونکہ روافض اور اہل بدعت نے اس میں بہت افراط وتفریط کی ہے اس لئے علماء حق نے اس بحث کو علم کلام میں داخل کر دیا تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے اور اہل سنت اور اہل بدعت میں امتیاز ہو جائے۔

عقیدۂ شش دہم

مسلمانوں[1] پر واجب ہے کہ جس شخص کو دینی اور دنیوی اور سیاسی اور انتظامی امور میں ممتاز دیکھیں اس کو باہمی اتفاق سے اپنا امام اور امیر مقرر کریں تاکہ وہ مسلمانوں کے دینی اور دنیوی امور کا انتظام کرے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے باہمی نزاعات کا شریعت کے مطابق فیصلہ اور حدود اور قصاص کا جاری کرنا اور اسلامی سلطنت کی حدود کی حفاظت کرنا اور کافروں سے جہاد کیلئے لشکر تیار کرنا اور چوروں اور بدمعاشوں کا انتظام کرنا اور ضعیف اور کمزور معذور اور مجبور مسلمانوں کے معاش اور پرورش کا انتظام کرنا مظلوم کا ظالم سے انصاف کرنا۔ کمزور کا زور آور سے حق دلانا وغیرہ وغیرہ یہ تمام امور عقلاً وشرعاً واجب ہیں۔

اور یہ کام بدون کسی امیر اور بادشاہ کے انجام نہیں پا سکتے معلوم ہوا کہ امیر کا مقرر کرنا فرض اور واجب ہے تاکہ مسلمان اجتماعی اور انفرادی حیثیت سے ہلاکت اور تباہی سے محفوظ ہو جائیں۔

---

(۱) تفصیل کے لئے شرح مواقف صفحہ ۳۴۴ جلد ۸ وشرح عقیدہ سفاریدیہ صفحہ ۴۰۰ جلد ۲ ونبراس صفحہ ۵۱۱ و تمہید لابی الشکور السالمی صفحہ ۱۷۲ ملاحظہ کریں۔

صحابہ کرام نے حضور پُر نور کے وصال کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ابوبکر صدیق کو اپنا امیر مقرر کیا تا کہ مسلمانوں کے دینی اور دنیوی امور خیر وخوبی کے ساتھ انجام پاسکیں۔ اگر خلیفہ اور امیر کا مقرر کرنا شرعاً فرض اور لازم نہ ہوتا تو صحابہ کرام انتخاب امیر کے مسئلہ کو آنحضرت ﷺ کے دفن پر مقدم نہ کرتے اور صحابہ کرام کا اجماع ایک مستقل حجت ہے جس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

اسلامی حکومت کی تعریف

اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس حکومت کا نظام مملکت شریعت اسلامیہ کے ماتحت اور اس کے مطابق ہو اور حکومت کا مذہب من حیث الحکومت اسلام ہو اور اس حکومت کا دستور اور آئین قانون شریعت ہو اور حکومت من حیث الحکومت دل وجان سے دین اسلام کے اتباع کو فرض اور لازم سمجھتی ہو اور زبان سے بھی اس کا اقرار کرتی ہو اور خلیفہ اسلام اور بادشاہ اسلام وہ شخص ہے کہ جو نبی کا نائب ہونے کی حیثیت سے شریعت اسلامیہ کے مطابق ملک میں ملکی اور ملی نظام جاری اور نافذ کرے۔

خلافت راشدہ کی تعریف

پس اگر حکومت کا ملکی اور ملی تمام نظام منہاجِ نبوت پر ہو تو ایسی حکومت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں اس لئے کہ جو حکومت سراسر منہاج نبوت پر ہوگی تو وہ یقیناً راشدہ (یعنی سراپا رشد وہدایت) ہوگی۔ اور خلیفہ راشدہ وہ ہے کہ جو علم اور عمل صالح اور ورع اور تقویٰ میں نبی کا نمونہ ہو ظاہر میں بادشاہ فرمانروا ہو اور باطن میں وہ اعلیٰ درجہ کا ولی ہو اور اس کی ولایت نبی کی نبوت کا عکس اور پرتوہ ہو پس جس تن اور بدن میں بادشاہت اور ولایت دونوں جمع ہوجائیں تو وہ تن اور بدن خلیفہ راشد ہے اور اگر حکومت وسلطنت کا نظم ونسق منہاج نبوت پر نہ ہو تو اگر اس میں عدل وانصاف اور امانت اور دیانت غالب ہو تو وہ حکومت حکومتِ عادلہ کہلائے گی ورنہ حکومت ظالمہ اور جابرہ اور جائرہ کہلائے گی۔

تشریح:

اسلامی حکومت کی تعریف میں جو یہ قید لگائی گئی کہ حکومت کا مذہب من حیث الحکومت اسلام ہوسو یہ قید اس لئے لگائی گئی کہ اسلامی حکومت ہونے کے لئے حاکم کا ذاتی طور پر مسلمان ہونا کافی نہیں جب تک خود حکومت کا مذہب من حیث الحکومت اسلام نہ ہواور حکومت کے دستور کی اولین دفعہ یہ نہ ہو کہ حکومت کا مذہب اسلام ہے۔ اس لئے کہ جو حکومت من حیث الحکومت اپنے اساسی دستور میں علی الاعلان اس بات کا اقرار اور اعتراف نہ کرے کہ اس حکومت کا مذہب، دین اسلام ہے تو وہ اسلامی حکومت نہیں کہلاسکتی۔ جیسے آج کل قومی اور عوامی اور نیشنل حکومت کا چرچا ہے سوایسی حکومت اسلامی حکومت نہیں کہلاسکتی جو حکومت اللہ کی حاکمیت اور قانون شریعت کی برتری اور بالادستی کو نہ مانتی ہو بلکہ یہ کہتی ہو کہ حکومت عوام کی اور مزدوروں کی ہے اور ملک کا قانون وہ ہے کہ جو عوام اور مزدور مل کر بنالیں سوایسی حکومت بلاشبہ حکومت کافرہ ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰه. وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْن. اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ. وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْمِنُوْن.

جوفرد یا جماعت قانون شریعت کے اتباع کو لازم نہ سمجھے اس کے کفر میں کیا شبہ ہے ایمان نام ماننے کا ہے اور کفر نام نہ ماننے کا ہے۔

بادشاہ اسلام

بادشاہ اسلام وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو ملک کا مالک حقیقی اور حاکم اصلی جانے اور مانے اور خدا کا بندہ اور رسول خدا ﷺ کے نائب اور قائم مقام ہونے کی حیثیت سے قانون شریعت کے مطابق ملک کا انتظام کرے۔ لہٰذا اسلامی حکومت کے فرمانروا کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو اور نبی آخر الزمان پر ایمان رکھتا ہو اور ظاہر ہے کہ نبی کا کافر اور منکر نبی کا نائب اور قائم مقام نہیں ہوسکتا۔

جس طرح اشتراکی اور مغربی حکومت میں صدارت اور وزارت کے منصب پر وہ شخص فائز نہیں ہوسکتا کہ جو اشتراکی یا مغربی نظریہ کا قائل نہ ہو اور حکومت کے بنیادی نظریہ کو اور حکومت کے دستور اور قانون نہ مانتا ہو یا حکومت کا باغی ہو تو ایسا شخص کسی قومی اور جمہوری حکومت میں کسی عہدہ کا مستحق نہیں اور خلیفہ اسلام کی تعریف میں نائب نبی ہونے کی حیثیت سے انتظام کرنے کی قید اس لئے لگائی تاکہ حضرات انبیاء کرام اور خلفاء اسلام میں فرق ظاہر ہوجائے اس لئے کہ انبیاء کرام خداوند ذوالجلال کے خلیفہ اور نائب کہلاتے ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے خلیفہ تھے۔ کما قال تعالیٰ:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. (1)

اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے خلیفہ تھے۔ کما قال تعالیٰ:

یٰا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی. (2)

اور خلیفہ اسلام اور شاہانِ اسلام آنحضرت ﷺ کے خلیفہ ہیں۔ حضور پُرنور ﷺ کے نائب اور قائم مقام ہونے کی حیثیت سے آپ کی شریعت کے مطابق حکم چلاتے ہیں اور اگر حکومت زبان سے تو اسلام کا اقرار کرتی ہے مگر در پردہ دیدہ و دانستہ بے دین لوگوں کے مشورہ سے ملک میں ایسے قوانین اور احکام جاری کرتی ہے کہ جو صریح کتاب وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہیں تو ایسی حکومت حکومتِ نفاق ہے اور ایسی حکومت کے ارباب اقتدار فی الحقیقت جنس کفار سے ہیں احکام آخرت کے اعتبار سے ان میں اور کفار میں کوئی فرق نہیں لیکن چونکہ اپنی زبان سے دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں پس ان کا کفر پوشیدہ ہے ان کا ظاہری اسلام اس امر کا مقتضی ہے کہ ان کے ساتھ معاملہ مسلمانوں کا سا کریں گو وہ آخرت

---

(1) اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ (بقرہ/30)

(2) اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان برحق فیصلہ کرو اور نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلو۔ (ص/26)

ہیں کفار اشرار کے ساتھ درکات نار میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ مگر ہمیں نہ کسی کے دل کا حال معلوم ہے اور نہ آخرت کا حال معلوم ہے اس لئے ایسی صورت میں مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے دل کا اور ان کی آخرت کا معاملہ تو خداوند علام الغیوب کے سپرد کریں اور ظاہری معاملات میں ان کے زبانی دعوائے اسلام کی وجہ سے مسلمانوں جیسا معاملہ کریں۔

ایسی ریاست دین اسلام کے لئے سم قاتل ہے ایسی سلطنت ضالہ کی مخالفت اور منازعت بقدر استطاعت شرعاً وعقلاً فرض اور لازم ہے بشرطیکہ اس ریاست اور اقتدار کے ختم ہو جانے کے بعد سلطنت عادلہ اور ریاست صالحہ کے قائم ہو جانے کا یقین یا ظن غالب ہو کہ اس حکومت کے خاتمہ کے بعد دوسری آنے والی حکومت یقیناً یا بظنِ غالب اسلام اور اہل اسلام اور ملک اور ملت اور عام رعایا کے لئے نفع بخش اور راحت رساں ہوگی۔ شرعاً و عقلاً ایسے بے دینوں اور گمراہوں کو ذلیل اور رسوا کرنا آئندہ آنے والوں کے باعث عبرت ہوگا یہ وقت نہایت نازک ہے جس میں غایت درجہ احتیاط واجب ولازم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک ظالم سے نجات ملے اور اس سے بڑھ کر دوسرے ظالم کے پنجہ میں جا پھنسیں اور پھر بصد حسرت یہ شعر پڑھیں۔

گر از چنگال گرگم در ربودی چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی (۱)

مگر سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ نہ ملے آج کل کے زعماء سیاست کا یہی حال ہے اے اللہ مسلمانوں کو اور اسلامی حکومتوں کو ان حریصانِ اقتدار کے شر اور فتنہ سے محفوظ رکھ آمین یا ارحم الراحمین و یا اکرم الاکرمین۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. (۲)

---

(۱) اگر چہ تو نے مجھے بھیڑیئے کے پنجوں سے چھڑایا ہے مگر جب میں نے دیکھا تو آخرکار آپ خود بھیڑیئے تھے۔

(۲) اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈالئے، اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے دیجئے۔ (یونس/ ۸۵،۸۶)

شرائطِ امارت

شرطِ اول (اسلام)

انتخاب امیر اور استحقاق امارت کی پہلی شرط یہ ہے کہ امیر مملکت مسلمان ہو۔
(ا) اس لئے کہ اسلامی سلطنت کی تعریف میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جو شخص نبی کے نائب اور قائم مقام ہونے کی حیثیت سے شریعتِ اسلامیہ کے مطابق، ملکی اور ملی نظام کو جاری و نافذ کرے اور ظاہر ہے کہ نبی کا قائم مقام وہی شخص ہوسکتا ہے جو اس نبی پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ ناممکن ہے کہ نبی کا منکر اور کافر ہو اور پھر اس کا قائم مقام اور جانشین بنے جو شخص روسی اور اشتراکی عقیدہ رکھتا ہو وہ امریکی حکومت کا صدر جمہوریہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص کانگرسی عقیدہ رکھتا ہو وہ پاکستان کا امیر اور وزیر نہیں بن سکتا۔ پس اسی طرح نبی کی مسندِ حکومت کا وارث اور جانشین وہ شخص نہیں ہوسکتا کہ جو شخص اس نبی کی نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو یعنی غیر مسلم ہو۔

۲۔ نیز تمام امت کا یہ اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے کہ اگر خلیفہ یا امیر مرتد ہو جائے یعنی مسلمان سے عیسائی یا ہندو ہو جائے تو اس کا عزل اور قتل واجب ہے۔ لہٰذا جو شخص ابتدا ہی سے کافر ہو وہ بدرجہ اولیٰ امیر مملکت نہ بنایا جائے گا۔

۳۔ نیز اسلامی سلطنت کا اصل مقصد دین اسلام کو قائم کرنا اور شریعتِ اسلامیہ کو رائج کرنا اور کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کو علماً اور عملاً مسلمانوں میں پھیلانا اور غیر مسلموں کو اس کے محاسن سمجھانا اور ان کے شبہات کو دور کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد مسلمان ہی سے پورا ہوسکتا ہے۔

۴۔ نیز غیر مسلم کبھی بھی اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا اور امیر مملکت کے

لئے یہ ضروری ہے کہ وہ حکومت اور حکومت کے مذہب کا دل و جان سے خیر خواہ ہو۔

۵۔ نیز اسلامی مملکت کے بہت سے وہ امور جو خالص شعائر اسلام سے متعلق ہیں وہ غیر مسلموں سے سرانجام نہیں پا سکتے۔

۶۔ نیز غیر مسلم حاکم ہونے کی وجہ سے اسلامی حکومت کا کوئی راز غیر مسلم حکومتوں سے پوشیدہ نہ رہے گا۔

۷۔ تاریخ اور تجربہ شاہد ہے کہ جن مسلمان وزراء اور حکام نے عیسائی عورتوں سے نکاح کیا وہ بھی اسلامی حکومت کے لئے غایت درجہ مضر ثابت ہوا اور اخیر میں یہ منکشف ہوا کہ یہ عیسائی عورتیں درحقیقت مسلمان وزراء کی منکوحہ عورتیں نہ تھیں بلکہ یورپین حکومتوں کی جاسوس تھیں۔ پس جب کہ مسلمان حاکم اور مسلمان وزیر کی بیوی کا غیر مسلم ہونا اسلامی سلطنت کے لئے مضر ہے تو خود وزیر اور حاکم کا غیر مسلم ہونا بدرجہ اولیٰ اسلامی سلطنت کے لئے مضر ہوگا بلکہ سمِ قاتل ہوگا۔

۸۔ نیز اپنے ہم مذہب اور ہم مشرب کی نصرت اور حمایت کا جذبہ ایک فطری امر ہے اور اپنی قوم کی بہتری اور برتری ایک طبعی اور جبلی امر ہے۔ لہٰذا جس صورت میں اسلامی حکومت کی کسی غیر اسلامی حکومت سے جنگ ہوگی تو اس غیر مسلم حاکم کی تمام دلی تمنائیں اور تمام ہمدردیاں غیر مسلم حکومت کے ساتھ ہوں گی اور جو غیر مسلم حکومت اسلامی حکومت سے اس وقت برسر پیکار ہوگی وہ ایسے نازک وقت میں اسلامی سلطنت کے اس غیر مسلم حاکم کے وجود کو اپنے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تصور کرے گی اور اس غیر مسلم کے ذریعہ سے جو ریشہ دوانی ممکن ہوگی اس سے دریغ نہ کرے گی۔

پس جس طرح ایک ہندو سے مسلمانوں کی خیر خواہی کی امید رکھنا کھلی ہوئی نادانی ہے اسی طرح ایک یورپین سے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی توقع بے عقلی کی دلیل ہے۔

۹۔ یورپین اور ہندو دونوں ہی مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

اِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا

اے مسلمانو! تمام کافر بلاشبہ تمہارے لئے بمنزلہ ایک دشمن کے ہیں۔

بے شک خداوند ذوالجلال نے سچ فرمایا اور خدا تعالیٰ نے جو خبر دی اس کو تمام

مسلمانوں نے دیکھا انگریزوں نے تقسیم ہند میں جو کھلی ہوئی بے ایمانی مسلمانوں کے ساتھ کی وہ سب کے سامنے ہے اور علیٰ ہذا فلسطین کی تقسیم میں بھی جو صریح بے ایمانی کی وہ بھی سب کے سامنے ہے اور ہندو ہندوستان میں مسلمانوں پر جو ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں وہ بھی تمہارے سامنے ہیں فرق اتنا ہے کہ یورپین اس قدر ہوشیار اور عیار ہے کہ اپنی دشمنی دوستی کے لباس میں چھپالیتا ہے اور ہندو کم عقلی کی وجہ سے مسلم عداوت کو چھپانے پر قادر نہیں۔

۱۰۔ غیر مسلم کو اپنا امیر اور حاکم بنانا فقط عقل اور شریعت ہی کے خلاف نہیں بلکہ تدبر اور سیاست حتیٰ کہ غیرت کے بھی خلاف ہے۔ بہت سے نادانوں نے اس بے غیرتی کو جمہوریت سمجھا ہے۔ خدا ان بے عقلوں کو غیرت دے اور ہدایت دے۔ آمین

کسی کافر کو اسلامی سلطنت کا امیر بنانا تو در کنار کافر کو تو وزارتی یا فوجی یا افسری کسی قسم کا کلیدی عہدہ دینا بھی جائز نہیں اور نہ کافروں سے سلطنت کے سیاسی اور مہم امور میں مشورہ لینا جائز ہے جیسا کہ ہم عنقریب فاروق اعظم اور ابوموسیٰ اشعری کا مکالمہ ہدیہ ناظرین کریں گے۔

شرطِ دوم

امیر مملکت کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ عاقل اور بالغ ہو بیوقوف اور نابالغ تو اپنا ہی انتظام نہیں کرسکتا۔ بیوقوف اور نابالغ کا کوئی تصرف اور کوئی معاملہ شرعاً بغیر ولی کے معتبر نہیں۔ بے وقوف کو امیر بنانا بے وقوفی ہے۔

شرطِ سوم

امیر اور حاکم کیلئے ایک شرط یہ ہے کہ وہ متکلم اور سمیع اور بصیر ہو یعنی گونگا اور اندھا اور بہرا نہ ہوتا کہ رعایا کے دعووں اور استغاثوں کو خود سن سکے اور مدعی اور مدعا علیہ کو پہچان سکے اور حقیقت حال کے سمجھنے میں اس کو کوئی اشتباہ نہ رہے۔

شرطِ چہارم

امیر کے لئے ایک یہ بھی شرط ہے کہ وہ شجاع اور بہادر ہو اور مدبر اور صاحب رائے ہو۔ آرام طلب اور ناتجربہ کار نہ ہو کیونکہ بزدل اور غیر ذی رائے آدمی صلح اور جنگ کے وقت گھبرا جاتا ہے اور مشکلات اور مہمات میں حیران اور پریشان ہو جاتا ہے۔ کوئی صحیح رائے قائم نہیں کرسکتا۔ نیز ایسا آدمی دشمن سے صلح اور معاہدہ کرتے وقت بسا اوقات دھوکا کھاتا ہے۔ ایک اعرابی کا کسی عیسائی سلطنت پر گزر ہوا تو وہاں کے امیر نے حضرت عمرؓ کے متعلق اس اعرابی سے دریافت کیا کہ تمہارا امیر کیسا ہے تو اس اعرابی نے یہ جواب دیا:

امیرنا لا یخدع ولا یخدع.

ہمارا امیر (حضرت عمرؓ) نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے اور نہ کسی کے دھوکے میں آتا ہے۔

اس اعرابی نے پہلے جملہ میں حضرت عمرؓ کی امانت اور دیانت کو بیان کیا۔ اور دوسرے جملہ میں حضرت عمرؓ کی فراست اور سیاست کو بتلایا۔

شرطِ پنجم

امیر مملکت کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ مرد ہو، عورت نہ ہو۔ شریعت کی نظر میں جو جنس قابل ولادت ہے وہ جنس ہی قابلِ حکومت نہیں اس لئے کہ عورتیں ناقصات العقل والدین ہوتی ہیں۔ عقل اور دین دونوں ہی کے اعتبار سے ناقص ہوتی ہیں۔ اس لئے وہ حکومت کے قابل نہیں۔ حدیث میں ہے کہ عورت کی عقل مرد کی عقل سے نصف ہے اسی لئے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے اور دین میں بھی عورت مرد سے نصف ہے اس لئے کہ عورت ایام حیض اور نفاس میں نماز اور روزہ اور تلاوت قرآن نہیں کرسکتی۔ نزاکت اور بزدلی عورت کا خاص طرہ امتیاز ہے اور حکومت وسلطنت کے لئے شجاعت اور بہادری شرط لازم ہے۔

دارالحرب اوردارالاسلام میں فرق

دارالاسلام اس اسلامی حکومت کو کہتے ہیں کہ جس حکومت کا مذہب من حیث الحکومت دین اسلام ہو۔ جس طرح مسلمان وہ شخص ہے کہ جس کا مذہب اور عقیدہ اسلام ہو اور دل و جان سے احکام اسلام کے اتباع کو فرض اور لازم جانتا ہو اسی طرح اسلامی حکومت وہ ہے کہ جس حکومت کا مذہب اسلام ہو اور وہ حکومت احکام اسلام کی پیروی کو اپنا فریضہ سمجھتی ہو اور اسلام کا حکم اور قانون شاہانہ اور حاکمانہ طریقہ پر جاری اور نافذ کرتی ہو اور ملک کے نظم ونسق میں قانون شریعت کو برتری اور بالادستی کو ملحوظ رکھتی ہو ایسی حکومت اسلامی حکومت کہلائے گی۔ اور جس حکومت میں اسلام مغلوب اور محکوم ہو اور قانونِ شریعت کو برتری اور بالادستی حاصل نہ ہو بلکہ کفر اور اہل کفر غالب اور حاکم ہوں اور مسلمان بغیر ان کی اجازت کے احکام اسلام بجالانے پر قادر نہ ہوں تو وہ دارالحرب ہے دارالاسلام نہیں اگرچہ اس ملک میں مسلمان آباد ہوں اور کافروں کی اجازت سے شعائر اسلامیہ بجالا سکتے ہوں۔

فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ دارالحرب تھا اس لئے کہ مسلمان اس وقت اگرچہ کچھ شعائر اسلام بجالاتے تھے مگر وہ بجا آوری کفار کی اجازت پر موقوف تھی اپنی قوت اور غلبہ اور قہر کے بنا پر نہ تھی کفر قاہر اور غالب تھا اور اسلام مقہور اور مغلوب تھا محض کافروں کی اجازت سے احکام اسلام کی بجا آوری دارالاسلام ہونے کے لئے کافی نہیں جیسے آج کل امریکہ اور برطانیہ میں رہنے والے مسلمان حکومت کی اجازت سے احکام اسلام بجالاتے ہیں بغیر ان کی اجازت کے احکام اسلام بجالانے پر قادر نہیں تو امریکہ اور برطانیہ کی حکومت دارالحرب ہوگی۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ دارالحرب اور دارالاسلام میں فرق یہی ہے کہ جس حکومت میں اسلام حاکم ہو اور قانونِ شریعت کو برتری اور بالادستی حاصل ہو اور اس کے فرامین اور قوانین کی عزت اور سربلندی کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہو وہ دارالاسلام ہے اور جس حکومت میں غیر اسلامی مسلک کی برتری کو ملحوظ رکھا گیا ہو وہ دارالحرب ہے۔

قانون کی برتری اور بالا دستی

تمام متمدن حکومتوں کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ حکمرانی کے لئے قانونِ حکومت کی بالا دستی نہایت ضروری ہے اور قانون کی بالا دستی کے معنی یہ ہیں کہ یہ قانون امیر وفقیر سب کے لئے یکساں ہے اور کسی کو اس کے رد اور قبول کا اختیار نہیں۔ شریعتِ اسلامیہ بھی یہی کہتی ہے کہ دارالاسلام اور اسلامی حکومت وہ ہے کہ جہاں قانون شریعت کو برتری اور بالا دستی حاصل ہو اور کسی کو اس میں رد و بدل کا اختیار نہ ہو اور عدل اور انصاف میں امیر اور فقیر دوست اور دشمن سب برابر ہوں عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا جائے۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ اسلامی حکومت سے مقصد یہ ہے کہ دین اسلام کی حکومت قائم ہو اور قانون شریعت کو بالا دستی حاصل ہو۔ ورنہ اگر مسلم اور غیر مسلم سب برابر کے حکومت میں شریک ہوں اور بلا لحاظ شریعت اکثریت جو پاس کردے اس کے مطابق حکومت چلائیں تو یہ اسلام کی حکومت نہیں۔

اسلامی حکومت کا آغاز کیسے ہوا؟

آنحضرت ﷺ پر جہاد کا حکم نازل ہوا تعمیل حکم کے لئے صحابہ کرام جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین یہ تمام علاقے حضور پُر نور ﷺ کی زندگی میں فتح ہوئے جن پر اسلام کی حکومت قائم ہوئی اور گورنر اور قاضی مقرر ہوئے۔ آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین نے جہاد کیا اور قیصر و کسریٰ کا تختہ الٹا اور شام اور عراق اور مصر اور ایران کے تمام علاقے اسلام کے زیر نگین آئے۔ یہ تمام علاقے صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانہ میں دارالحرب سے دارالاسلام بنے اور پھر حضرت عثمان کے دور خلافت میں کابل اور افریقہ فتح ہوئے اور دارالحرب سے دارالاسلام بنے اور مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ کے خزانہ میں پہنچا۔ اس کے بعد خلفاء بنی امیہ کا دور آیا اور پھر ان کے بعد خلفاء عباسیہ کا

دور آیا اور دن بدن اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ پھر ہندوستان میں مغلوں کی حکومت قائم ہوئی اور ترکستان میں شاہانِ ترک کی حکومت قائم ہوئی اور یہ تمام حکومتیں عہد صحابہ سے لے کر اس وقت تک تمام اہل سنت والجماعت کے سلاطین کے جہاد سے قائم ہوئیں جس میں کسی رافضی اور خارجی کا کوئی حصہ نہیں۔

اس چودہ سوسال کی مدت میں سوائے اہل سنت وجماعت کے کسی اسلامی فرقہ نے کافروں سے جہاد کر کے دارالحرب کو دارالاسلام نہیں بنایا۔ ایران جس پر آج فرقہ شیعہ حکمران ہے وہ دراصل فاروق اعظمؓ کا فتح کردہ ہے۔ عرصہ تک ایران میں اہل سنت کی حکمرانی رہی اب دو تین صدیوں سے شیعہ حکمران ہیں۔ بہر حال سوائے اہل سنت و الجماعت کے کسی اسلامی فرقہ نے کافروں سے جہاد نہیں کیا۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ[1]

امیر سلطنت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مرکز شجاعت اور پیکر عزم وہمت ہو اور عورت تو مرکز شہوت ہے اور اس کی بے حجابی موجب فتنہ ہے اس میں حکومت کی صلاحیت ہی نہیں عورت کا وجود میدان کارزار میں بالکل بے کار ہے پردہ کی وجہ سے عورت مجلسوں اور محفلوں میں حاضر ہونے کے قابل نہیں کسی مدعی اور مدعی علیہ کو دیکھ نہیں سکتی اور نہ خود ان کا بیان سن سکتی ہے اور نہ کسی مظلوم کی فریاد کو پہنچ سکتی ہے اور نہ کسی ظالم کو اپنے ہاتھ سے پکڑ سکتی ہے اور نہ اسے مار سکتی ہے اور اگر پس پردہ کسی کا بیان سنے تو وہ قابل اطمینان نہیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ سنا کہ اہلِ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا ہے تو آپ نے یہ فرمایا:

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ.

وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے اپنے ملک اور سلطنت کی باگ ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی۔

امام قرطبی اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

---

(۱) یہ سعادت بازو کی طاقت سے نہیں ہے جب تک بخشنے والا اللہ نہ بخشے۔

قال القاضی ابوبکر بن العربی هذا نص فی ان المرأة لا تکون خلیفة ولا خلاف فیه. تفسیر قرطبی ص ۱۸۳ ج ۱۳ سورہ نمل

قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بارہ میں نص صریح ہے کہ عورت بادشاہ اور امیر نہیں ہوسکتی اور اس میں کسی کا خلاف نہیں یعنی یہ مسئلہ اجماعی ہے دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۸۳ ج ۱۳ سورہ نمل

امام شافعی فرماتے ہیں کہ کوئی عورت بغیر ولی مرد کے خود اپنا نکاح بھی نہیں کرسکتی لہٰذا جو اپنے نکاح میں ایک ولی اور سرپرست کی محتاج ہے تو ایک قلمرو کی ولایت اور حکومت کیسے کرسکتی ہے جس طرح ایک نوعمر اور نابالغ بچہ ولی کا محتاج ہے اسی طرح عورت بھی ولی اور سرپرست کی محتاج ہے۔ فقہاء کرام نے سلطنت اور امارت کو امامت کبریٰ کہا ہے اور نماز کی امامت کو امامت صغریٰ کہا ہے اور تصریح کی ہے کہ عورت میں امامت صغریٰ کی بھی اہلیت نہیں چہ جائیکہ وہ امامت کبریٰ کی اہل بن سکے عورت کی اذان اور اقامت اور خطبہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ لہٰذا عورت کی تقریر بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی عورت کو بلاضرورت گھر سے باہر نکلنا ناجائز اور حرام ہے۔ کما قال تعالیٰ ''وقرن فی بیوتکن[1]'' عورت کا کام شوہر کی خدمت اور اطاعت ہے اور شوہر کے لئے اولاد کی ولادت اور ان کی رضاعت اور تربیت ہے کیونکہ عورتیں مردوں کی کھیتیاں ہیں اور اولاد ان کی پیداوار ہے۔ کما قال تعالیٰ: ''نساء کم حرث لکم[2]'' اس لئے شرعاً عورت کی امارت اور صدارت اور اس کی وزارت اور مجلس شوریٰ کی رکنیت سب ناجائز اور حرام ہے۔

رہا ملکہ سبا[3] کا قصہ سو وہ کافروں کا عمل تھا جہاں حکومت بطور وراثت چلی آرہی تھی۔ ایسی حکومت میں تو شیرخوار بچے بھی بادشاہ ہوتے رہے ہیں لہٰذا اس سے عورت اور

---

(۱) اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو۔ (احزاب/۳۳)

(۲) تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں۔ (بقرہ/۲۲۳)

(۳) قال الالوسی ولیس فی الایة مایدل علی جواز ان تکون المرأة ملکة ولاحجة فی عمل قوم کفرة علی مثل هذا المطلب۔ الخ تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۷ اج ۱۹

شیر خوار بچہ کی بادشاہت کے شرعی جواز پر استدلال صحیح نہیں۔ اور اگر کوئی کافر مرد یا کافرہ عورت اپنی کسی قوت وشوکت یا حیلہ وتدبیر سے سلطنت پر قبضہ کر لے تو ایسی حکومت کے متعلق فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ اس حکومت کو تسلیم کر لیا جائے اور فتنہ سے بچنے کے لئے اس کی اطاعت کی جائے دیکھو فتح الباری صفحہ ۱۰۹ جلد ۱۳ بذیل شرح حدیث و ان استعمل علیکم عبد حبشی [۱] اور فتح الباری صفحہ ۱۰۴ جلد ۱۳ بذیل شرح حدیث لایزال هذا الامر فی قریش [۲] خلاصہ کلام یہ کہ شریعت میں جبراً وقہراً تسلط وتغلب کے احکام علیحدہ ہیں اور کسی کو اپنے اختیار سے امیر اور وزیر بنانے کے احکام جدا ہیں۔ اپنے اختیار سے کسی عورت کو امیر اور وزیر بنانا یا مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے اس کو منتخب کرنا یہ قطعاً حرام ہے۔

جس طرح مسلمانوں کے لئے یہ امر کسی طرح جائز نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے کسی غیر مسلم یا کسی ملحد اور زندیق کو اپنا امیر بنائیں۔ کما قال تعالیٰ:

لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا۔ [۳]

اسی طرح مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے کسی عورت کو اپنا امیر بنائیں۔ عورتیں دین اور عقل کے لحاظ سے بھی ناقص ہیں اور جسمانی قوتوں میں ان کی کمزوری اظہر من الشمس ہے تنہا عورتوں کی فوج کسی سرحد کی حفاظت نہیں کر سکتی۔ پس جو جنس نہ ملک کی حفاظت کر سکے اور نہ اس کی مدافعت کر سکے اور اپنے فطری ضعف اور نزاکت کی وجہ سے وصف شجاعت سے یکسر خالی ہو اور عقلی کمزوری کی وجہ سے آئے دن اوباشوں کے اغواء کا شکار ہوتی رہتی ہو اس کو اسلامی حکومت میں شرعاً کوئی عہدہ نہیں دیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مردوں کی کھیتی بنایا ہے۔ کما قال تعالیٰ "نسآء کم حرث لکم "عورتیں تمہاری کھیتی ہیں جن کی پیداوار اولاد ہے تاکہ توالد اور تناسل کا سلسلہ جاری رہے پس جبکہ عورتوں کی وضع ہی ولادت اور رضاعت اور تربیت یعنی بچوں کی پیدائش اور

---

(۱) اگرچہ تمہارے اوپر حبشی غلام کو امیر بنایا گیا ہو۔

(۲) یہ معاملہ ہمیشہ قریش میں رہے گا۔

(۳) اور اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہرگز کوئی راستہ نہیں رکھے گا۔ (نساء/۱۴۱)

ان کو دودھ پلانے اور گود کھلانے کے لئے ہوتی ہے تو ان کو حکومت کے لئے استعمال کرنا وضع الشی فی غیر محلہ ہے یعنی ان کو بے محل استعمال کرنا ہے اور بے محل استعمال یہی حقیقت ظلم کی ہے اور حکومت کا قیام عدل کے لئے ہوتا ہے پس جس حکومت کا آغاز ہی ظلم سے ہوگا تو آئندہ عدل کی کیا توقع ہوگی بلکہ اگر امیر سلطنت مرد بھی ہو اور عورتیں اس پر ایسی حاوی ہوجائیں کہ اپنی منشاء کے مطابق اس سے احکام نافذ کرائیں تو ایسا امیر بھی قابل معزولی ہے جیسا کہ فقہاء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی طاقتور دشمن کے ہاتھ قید ہوجائے کہ اب اس کی رہائی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اس کی امارت باطل ہوجاتی ہے اور مسلمانوں پر فرض ہوتا ہے کہ کسی آزاد کو اپنا امیر بنائیں۔ اسی طرح جو امیر سلطنت عورتوں کے ہاتھ میں قید ہوجائے اور ان کی خواہش کے مطابق احکام جاری کرنے لگے تو وہ مسلمانوں کا امیر نہیں رہ سکتا۔

شرطِ ششم

استحقاق امارت کی ایک شرط یہ ہے کہ امیر اور حاکم عادل اور امین ہو۔ عادل سے یہ مراد ہے کہ منصف ہو اور اس کا عادل اور منصف ہونا لوگوں میں مسلم ہو اور امین سے یہ مراد ہے کہ سراپا امانت ہو خیانت سے پاک ہو امانت کا سب سے اہم جزو یہ ہے کہ حکومت کا کوئی عہدہ اور کوئی منصب کسی نااہل اور غیر مستحق کو نہ دے۔ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ.

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو ادا کرو اور لوگوں میں جب کوئی فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔

شرطِ ہفتم

اسلامی سلطنت کے امیر کے لئے ایک نہایت ضروری شرط یہ ہے کہ وہ عالم دین ہو اور متقی اور پرہیزگار بامروت اور صاحبِ اخلاق ہو۔ اس لئے کہ اسلامی سلطنت کا سب سے

اہم اور مقدم فریضہ شعائر اسلام کا اعزاز اور احترام اور ملت اسلامیہ اور شریعت محمدیہ کی ترویج اور علوم اسلامیہ کو زندہ رکھنا ہے اور یہ باتیں بغیر عالم دین کے سرانجام نہیں پاسکتیں اور جو شخص خود متقی اور پرہیزگار نہ ہوگا وہ ملک سے حکام کے ظلم وستم اور رشوت ستانی کی بلاء کو دور نہیں کر سکے گا۔

مذہب شیعہ دربارۂ امامت

شیعہ کہتے ہیں کہ امامت کے لئے عصمت بھی ضروری ہے یعنی یہ ضروری ہے کہ امام ہاشمی اور فاطمی ہو اور امام حسن اور امام حسین کی اولاد میں سے ہو اور معصوم اور صاحب وحی اور الہام ہو۔ کیونکہ بغیر معصوم دنیا کے فتنہ اور فساد کا انسداد نہیں ہوسکتا۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ عصمت نبوت کا خاصہ لازمہ ہے۔ سوائے نبی کے کوئی شخص معصوم نہیں۔ خاتم الانبیاء کے بعد کسی کو معصوم اور صاحب وحی والہام اور واجبُ الاطاعت ماننا درپردہ ختم نبوت کے انکار اور اجراء نبوت کے ہم معنی ہے۔ عصمت فقط نبوت کے لئے لازم ہے۔ امام کا کام خاتم الانبیاء کی شریعت کو جاری اور نافذ کرنا ہے لہٰذا امام کیلئے نبی کی شریعت کا عالم باعمل اور متقی اور پرہیزگار ہونا ضروری ہوگا تاکہ صحیح علم اور صحیح معرفت اور امانت اور دیانت کے ساتھ ملک میں اس کی شریعت کو جاری کر سکے۔ نیز امام تمام اقلیم میں ایک ہی ہوگا۔ اگر وہ معصوم بھی ہوا تو باقی عمال اور حکام تو غیر معصوم ہی ہوں گے امام تک خبر پہنچانے والے اور احکام کے لانے والے وہ بھی سب غیر معصوم ہوں گے تو ایک شخص کے معصوم ہونے سے دنیا کے فساد کا انسداد نہیں ہوسکتا۔

نیز آئمہ اہل بیت نے کبھی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے متعدد مسائل میں حضرت ابن عباس کے کہنے سے رجوع کیا۔ نیز شیعوں کی کتابوں میں ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے بھائی امام حسن سے اس بات پر ناراض تھے کہ حضرت معاویہ سے کیوں صلح کی۔ حضرات شیعہ کے نزدیک جب امام حسن امام معصوم اور صاحب وحی اور الہام تھے تو ان کی صلح پر دل وجان سے ایمان لانا چاہیئے۔

پھر عجیب بات یہ ہے

کہ شیعوں کے نزدیک امامت کے لئے اگرچہ عصمت شرط ہے مگر شیعوں کے نزدیک امام بلکہ نبی کے لئے بطور تقیہ جھوٹ بولنا جائز ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ باوجود عصمت کے خلفاء ثلاثہ کی مدح کرتے رہے اور ان کی اقتداء میں نمازیں ادا فرماتے رہے وغیرہ وغیرہ شیعوں کے نزدیک یہ سب بطور تقیہ تھا۔ اہل عقل غور کریں کہ جس مذہب میں تقیہ ہو اس پر اطمینان اور اعتماد کی کیا صورت ہے جس چیز کو وہ حقیقت بتلاتا ہو ممکن ہے کہ اس میں تقیہ ہو اور اگر یہ کہے میں نے تقیہ نہیں کیا تو ممکن ہے کہ اس نے اس تقیہ کی نفی میں تقیہ کیا ہو۔ کیونکہ شیعوں کے نزدیک بغیر تقیہ کے ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

ناظرین کرام اس پر غور کریں کہ حضرات شیعہ ایک طرف تو امام کے لئے عصمت کو شرط قرار دے رہے ہیں اور دوسری طرف سے بطور تقیہ جھوٹ بولنے کی اجازت دے کر راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ ایسی عصمت سے کیا فائدہ کہ جس میں بطور تقیہ جھوٹ بولنا بھی جائز ہو۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرات شیعہ کے نزدیک امامت کے لئے نہ شجاعت شرط ہے اور نہ کوئی شان وشوکت اس لئے کہ شیعوں کے نزدیک امام کے لئے تقیہ بھی جائز ہے۔

بلکہ

حضرات شیعہ کے نزدیک امام کا ظاہر ہونا بھی ضروری نہیں کسی غار میں مخفی اور پوشیدہ رہ کر بھی امام ہوسکتا ہے۔ شیعوں کے نزدیک اس کو امام غائب کہتے ہیں۔ سبحان اللہ عجب مذہب ہے جو عقل اور نقل سب کے ہی خلاف ہے نہ معلوم شیعوں کو اس امام غائب سے کیا فائدہ۔ نیز امام کے تقرر سے غرض اور غایت یہ ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت کا انتظام کرے عمال اور حکام کو مقرر کرے۔ فوج اور لشکر کو مرتب کرے حدودِ سلطنت کی حفاظت کرے۔ دشمنوں سے جہاد کرے۔ اسلام اور شعائر اسلام کو بلند کرے ملک میں جو خرابیاں اور برائیاں رائج ہیں ان کا انسداد کرے اور ظاہر ہے کہ یہ امور بغیر امام کے ظہور کے میسر نہیں ہوسکتے ایک غائب شخص کو اپنا امام بنانا محض عبث ہے اور ایک قسم کا کھیل اور تماشہ ہے ایسے

امام سے لوگوں کو کیا فائدہ جس کو نہ کوئی جانتا ہو نہ دیکھ سکتا ہو اور نہ اس سے کوئی فریاد کر سکتا ہو۔ مسلمانوں پر طرح طرح کی مصیبتیں آئیں اور آ رہی ہیں مگر امام صاحب پہاڑ میں چھپے بیٹھے ہیں اور بہت سے ان کے انتظار میں مر بھی گئے ہوں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ امام غائب خوف کی وجہ سے مستور ہو گئے اور ایک غار میں جا کر چھپ گئے تو اول تو یہ شجاعت اور بہادری کے خلاف ہے۔

دوم یہ کہ اگر کسی وقت خوف کی وجہ سے مستور ہو گئے تھے تو کم از کم لکھنو اور ایران میں کچھ دنوں ہی کے لئے ظاہر ہو جاتے جہاں شیعوں کی سلطنت تھی اور ایران میں تو اب بھی امام کو اپنی جان کا خوف نہیں اور اگر کسی پر اس درجہ خوف غالب ہو کہ باوجود سلطنت کے بھی وہ ظاہر نہ ہو سکتا ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی بزدل نہیں اور ایسے شخص کو جو امام مانے اس سے زیادہ کوئی بے عقل اور بد عقل نہیں۔

نیز شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ امام اپنے اختیار سے مرتے ہیں پس جب موت ان کے اختیار میں ہے تو ان کو خوف کس چیز کا ہے جو غار میں چھپے بیٹھے ہیں۔

اور حضور پُر نور ﷺ کا غار ثور میں تین رات کے لئے چھپنا اس لئے تھا کہ کفار ہجرت میں مزاحم نہ ہوں اور مدینہ منورہ پہنچ کر علی الاعلان حق کی دعوت اور تبلیغ کر سکیں اور اعداء اللہ سے جہاد اور قتال کر سکیں۔ یہ اخفاء محض ایک وقتی تھا جو ایک تدبیر اور مصلحت کے لئے تھا۔ لہٰذا غار ثور کی سہ روزہ غیوبت پر امام غائب کی دائمی غیوبت کو قیاس کرنا غائب العقل لوگوں کا کام ہے جس امامت میں دائمی غیوبت ہو وہ امامت کیا ہوئی وہ تو قیامت ہوئی۔

حضرات شیعہ انصاف کریں

کہ ان کے نزدیک تو حضرت علی اس لئے مستحق خلافت تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور داماد اور رشتہ دار تھے اور اہل سنت کے نزدیک وہ اس لئے خلیفہ بنائے گئے کہ عثمان غنیؓ کے بعد اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے ان سے بڑھ کر کوئی خدا کا مقرب اور برگزیدہ بندہ نہ تھا اور یہی تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ حضرات شیعہ بتلائیں کہ کس نے حضرت علیؓ کی تعظیم کی اور کس نے ان کی تنقیص اور تحقیر کی۔

اہلِ سنت یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حقیقت میں اسد اللہ الغالب تھے ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا اور ان کی زبان صادق البیان اور ان کے دل کی ترجمان تھی۔ حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا ظاہر و باطن یکساں نہ تھا۔ زبان سے خلفاء ثلاثہ کی مدح اور محبت ظاہر فرماتے اور دل ان کی عداوت سے لبریز تھا۔ حضرت علیؓ جو کچھ فرماتے تھے وہ سب بطور تقیہ تھا۔ دل میں اس کے برعکس تھا۔ معاذ اللہ حضرت علیؓ کی زبان اور دل یکساں نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ شیعوں کو عقل دے اور ہدایت دے۔ آمین

فرائض امیر مملکت

قال اللہ تعالیٰ:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَاب.

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے داؤد تحقیق ہم نے بنایا ہے تم کو زمین میں بادشاہ، پس حکومت کرو تم لوگوں میں حق کے مطابق اور نفسانی خواہش کی کبھی پیروی نہ کرنا مبادا کہ ہوائے نفسانی کا اتباع تم کو راہ حق سے ہٹا دے تحقیق جو لوگ خدا کی راہ سے یعنی دین اور شریعت سے منحرف ہوئے ان کے لئے سخت عذاب ہوگا، اس لئے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ کا فریضہ یہ ہے کہ ہر امر میں حکم خداوندی کا اتباع کرے اور خواہش نفس کی پیروی سے پرہیز کرے نفسانی خواہش کا اتباع گمراہی کا سبب ہے اسلامی حکومت کے امیر کو ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں۔ اس کا فرض یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کے مطابق حکومت کرے اور شریعت کے احکام کو نافذ کرے۔ یہ اجمال ہے۔ اب ہم اسلامی مملکت کے امیر کے فرائض کی تفصیل میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ کا کلام ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

(۱) واجب است بر خلیفہ نگاہ داشتن دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بر صفتے کہ بسنت مستفیضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت شدہ واجماع صالح برآں منعقد گشتہ۔

(۱) بادشاہ اسلام پر دین محمدی کا اسی طرح محفوظ رکھنا واجب اور ضروری ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کی سنت مشہورہ سے ثابت ہوا اور جس پر سلف صالحین کا اجماع اور اتفاق منعقد ہو چکا ہو۔ خلاصہ یہ کہ امیر مملکت کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ شریعت کے اصول مستقرہ اور اجماع سلف کے مطابق دین کی حفاظت کرے۔

(۲) وانکار بآں وجہ تواند بود کہ قتل کند مرتدین وزنادقہ را وزجر نماید مبتدعہ را۔

(۲) اور اسی طرح بادشاہِ اسلام پر خلاف شرع امور کا مٹانا بھی لازم اور فرض ہے مثلاً بادشاہ اسلام کے فرائض میں سے ہے کہ مرتدین وزندیقین اور ملحدین کو قتل کرے اور اہل بدعت کو سزا دے تاکہ دین میں کسی قسم کا خلل نہ آنے پائے۔

(۳) دیگر اقامت ارکان اسلام نمودن از جمعہ وجماعات وزکوٰۃ وحج وصوم بآنکہ در محفل خود بنفس خود اقامت نماید ودر مواضع بعیدہ آئمہ مساجد ومصدقاں را نصب فرماید و امیر حج معین نماید۔

(۳) نیز بادشاہِ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ ارکان اسلام اور شعائر دین کو قائم کرے مثلاً جمعہ اور جماعت اور روزہ زکوٰۃ اور حج کو اپنی جگہ میں بذات خود قائم کرے اور مقامات بعیدہ میں آئمہ مساجد اور مصدقین کو مقرر کرے اور مسلمانوں کو حج کرانے کے لئے ایک امیر حج معین کرے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ۹ھ میں ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا تھا۔

(۴) واحیاء علوم دین کند بنفس خود قدرے کہ میسر شود ومقرر سازد مدرسین را در ہر بلدے چنانچہ حضرت عمرؓ عبداللہ بن مسعود را با جماعت در کوفہ نشانند ومعقل بن یسار وعبداللہ بن معقل را بہ بصرہ فرستاد۔

(۴) اور بادشاہِ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ جس قدر ممکن ہو بذات خود علوم دینیہ کو زندہ کرے اور زندہ رکھے اور ہر شہر میں علوم دینیہ کے درس کے لئے مدرسین کا تقرر کرے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ

کوفہ میں علوم دین کی تعلیم کیلئے مقرر فرمایا اور معقل بن یسار اور عبداللہ بن معقل کو بصرہ میں علوم دینیہ کی تعلیم دینے کے لئے مدرس بنا کر بھیجا اور دعوت اسلام اور تبلیغ اسلام کے لئے دعاۃ اور مبلغین کا تقرر بھی اس میں داخل ہے۔

(۵) وفیصل کند میانِ اہل خصومت یعنی قضا کند در دعاوی ونصب قضاۃ نماید برائے آں۔

(۵) نیز بادشاہ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ اہل خصومت اور اہل دعویٰ کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور جا بجا فیصلوں کے لئے قاضی اور حاکم مقرر کرے تا کہ عدل اور انصاف کا دور دورہ ہو اور کوئی طاقتور کسی کمزور پر کوئی تعدی نہ کر سکے۔

(۶) ونگہدارد بلاد اسلام را از شر کفار وقطاع طریق ومتغلبان۔

(۶) نیز بادشاہ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ تمام بلاد اسلام کو کافروں اور رہزنوں اور غاصبوں کے شر اور فساد سے ان کو محفوظ رکھے تا کہ تمام لوگ اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں اور اطمینان سے سفر کر سکیں اور اطمینان سے اپنے کاروبار کر سکیں۔ مطلب یہ کہ حدود شرعیہ کو قائم کرے تا کہ جن باتوں کو اللہ نے محارم قرار دیا ہے ان کا کوئی ارتکاب نہ کر سکے۔

(۷) وسرحد ہائے دار الاسلام را با فوج وآلات جنگ مشحون سازد۔

(۷) نیز بادشاہ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ دار الاسلام کی تمام سرحدوں کی دشمنوں سے حفاظت کرے بایں طور کہ فوجوں اور آلات جنگ سے ہر وقت سرحدوں کو معمور اور بھرپور رکھے تا کہ دشمن اچانک حملہ نہ کر سکے اور مسلمانوں اور ذمیوں کے جان و مال محفوظ رہیں۔

(۸) وجہاد نماید با اعداء اللہ ابتداء ودفعا بشرط قدرت۔

(۸) نیز بادشاہ اسلام کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ (بشرط قدرت) دشمنان خدا سے جس طرح ممکن ہو جہاد کرے خواہ اس جہاد کی ابتداء مسلمانوں کی طرف سے ہو یا ابتدا کافروں کی طرف سے ہو اور مسلمانوں کی طرف سے مدافعت ہو۔

نبی اکرم ﷺ کے اکثر غزوات اقدامی تھے اور دفاعی کم تھے اور علی ہذا خلفاء اسلام اور شاہان اسلام کے اکثر حملے اقدامی اور ہجومی تھے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام

میں اقدامی جہاد نہیں صرف دفاعی جہاد ہے وہ کتاب و سنت میں تحریف کرنے والے اور اپنے بزرگوں کی تاریخ کو چھپانے والے اور مرعوب ذہنیت والے ہیں جن کی کسی تقریر اور تحریر پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۹) وترتیب دہد جیوش را وفرض ارزاق کند برائے مقاتلہ۔

(۹) نیز بادشاہ اسلام کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ جہاد کے لئے لشکروں کو مرتب کرے اور مجاہدین کے لئے وظیفہ اور تنخواہ مقرر کرے۔

(۱۰) واخذ جزیہ وخراج وقسمت آں نیز بر غزاۃ بعمل آرد۔

(۱۰) نیز بادشاہ اسلام کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ وہ کافروں سے جزیہ اور خراج وصول کرے اور مجاہدین پر اس کو تقسیم کرے۔

(۱۱) وتقدیر عطایائے قضاۃ ومفتیان ومدرسان وواعظان وآئمہ مساجد باجتہاد خود نماید بغیر اسراف وتقتیر۔

(۱۱) نیز بادشاہ اسلام پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ قاضیوں اور مفتیوں اور مدرسوں اور آئمہ مساجد کے مشاہرے اور وظیفے اور تنخواہیں اپنی رائے سے ایسے مقرر کرے کہ اسراف اور بخل دونوں سے خالی ہوں اور وقت پر ادا کئے جائیں۔

(۱۲) ونائب گیرد در کارہا امناء عدول را واہل نیک خواہی را۔

(۱۲) نیز بادشاہ اسلام کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ امور سلطنت کے لئے جن عمال اور حکام کا تقرر کرے وہ امانت دار اور دیانتدار اور عدل کردار ہوں اور سلطنت اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہوں تاکہ سلطنت ایسے لوگوں کے انتظام سپرد کرنے سے مضبوط ہو اور خیانت سے محفوظ رہے۔

(۱۳) وہمیشہ در مشارفہ امور وتصفح احوال رعیت وافواج وامراء امصار وجیوش غزاۃ وقضاۃ وغیر ایشاں مقید باشد تا خیانتے وحیفے درمیان نیاید۔

(۱۳) نیز بادشاہ اسلام کے لئے یہ بھی واجب ہے کہ خود رعایا اور فوج اور حکام اور امراء لشکر اور قاضیوں وغیرہ کے حالات کی پوری نگرانی اور خبرداری رکھے تاکہ سلطنت میں کسی قسم کی کوئی خیانت اور ظلم نہ ہونے پائے۔

(۱۴) وسپردن کارہائے مسلمین بکفار اصلا درست نیست حضرت عمر ازیں امر نہی شدید فرمود۔ اخرج شیخ الشیوخ العارف السہر وردی قدس سرہ فی العوارف

عن وثیق الرومی قال کنت مملوکا لعمر فکان یقول لی اسلم فانک ان اسلمت استعنت بک علی امانة المسلمین فانه لاینبغی ان استعین علی امانتهم بمن لیس منهم قال فابیت فقال عمر لااکراه فی الدین فلما حضرت الوفاة اعتقنی فقال اذهب حیث شئت. (ازالة الخفاء)

(۱۴) نیز بادشاہ اسلام کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کام اور کوئی عہدہ کسی کافر کے ہرگز سپرد نہ کرے حضرت عمر نے اس سے نہایت سخت ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ عارف سہروردی نے عوارف میں وثیق رومی (نصرانی) سے روایت کیا ہے کہ میں عمر کا غلام تھا پس حضرت عمرؓ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ اے وثیق تو اسلام قبول کرلے کیونکہ اگر تو مسلمان ہوجائے تو میں تجھ سے مسلمانوں کے کام میں مدد لوں، اس لئے کہ یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ مسلمانوں کے کاموں میں ایسے شخص سے مدد لوں جو مسلمانوں میں سے نہ۔ وثیق کہتے ہیں کہ میں نے اسلام لانے سے انکار کردیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا دین میں زبردستی نہیں پھر جب حضرت عمرؓ کی وفات کا وقت آیا تو حضرت عمرؓ نے مجھ کو آزاد کردیا اور فرمایا کہ جہاں تیرا جی چاہے چلا جا۔ (ازالۃ الخفاء)

غرض کہ بادشاہ اسلام کیلئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ کافر کو کوئی وزارتی یا افسری یا کسی قسم کا کلیدی عہدہ اس کے سپرد کرے بلکہ کافروں سے مملکت کے سیاسی امور میں مشورہ لینا بھی جائز نہیں۔ اس بارہ میں ہم فاروق اعظمؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کا مکالمہ نقل کرتے ہیں:

ابوموسیٰ اشعریؓ: **قلت لعمر ان لی کاتبا نصرانیا**

ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے فاروق اعظم سے عرض کیا کہ میرے پاس ایک نصرانی کاتب ملازم ہے۔

فاروق اعظمؓ: **مالک قاتلک الله اما سمعت الله یقول یاایها الذین امنوا**

لاتتخذو الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض الا اتخذت حنیفا۔

فاروق اعظمؓ نے فرمایا اے ابوموسیٰ تجھے کیا ہوا خدا تجھ کو ہلاک و برباد کرے کیا تو نے حق تعالیٰ کا یہ حکم نہیں سنا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست اور معین و مددگار نہ بناؤ تمام کافر آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تمہارا کوئی دوست نہیں۔ کسی مسلمان کو کیوں نہ ملازم رکھا۔

ابوموسیٰ: یاامیر المومنین ان لی کتابته وله دینه

ابوموسیٰ نے عرض کیا اے امیر المومنین مجھ کو تو فقط اس کے حساب و کتاب سے مطلب ہے اس کا دین اس کے لئے ہے۔

فاروق اعظم: لااکرمھم اذاھا نھم الله ولا اعزھم اذا ذلھم الله ولا ادنیھم اذا قصاھم الله تعالیٰ۔

فاروق اعظم نے فرمایا خدا کی قسم میں ان لوگوں کا ہرگز اعزاز و اکرام نہ کروں گا جن کو خدا نے ذلیل اور حقیر قرار دیا اور ان لوگوں کو ہرگز اپنے قریب جگہ نہ دوں گا جن کو اللہ نے دور رکھنے کا حکم دیا۔ (اقتضاء الصراط المستقیم)

ایک اور روایت میں ہے کہ فاروق اعظم نے ابوموسیٰ کو اس پر زجر و توبیخ کی اور فرمایا:

لاتدنھم و قد اقصاھم الله ولا تکرمھم وقد اھانھم الله ولاتامنھم وقد خونھم الله۔

کافروں کو اپنے قریب جگہ مت دو تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کو دور رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ان کا اعزاز و اکرام نہ کرو۔ اللہ نے ان کی اہانت کا حکم دیا ہے ان کو امین اور امانت دار نہ سمجھو۔ اللہ نے ان کو خائن بتلایا ہے۔

وقال لا تستعملوا اهل الکتاب فانھم یستحلون الرشاء استعینوا علی امورکم وعلی رعیتکم بالدین. (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۱۷۹ جلد ۴)

اور یہ بھی فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ کو کوئی عہدہ نہ دو یہ لوگ مسلمانوں کے مقابلہ میں رشوت لینے کو حلال سمجھتے ہیں امور سلطنت اور امور رعیت میں ایسے لوگوں سے امداد

لو جو خدا ترس ہوں۔

امام ابوبکر رازی احکام القرآن صفحہ ۳۷ جلد ۲ میں لکھتے ہیں:

وقدروی عن عمر انه بلغه ان ابا موسیٰ استکتب رجلا من اهل الذمة فکتب الیه یعنفه وتلا یایها الذین امنوا لاتتخذوا بطانة من دونکم. الایة.

ایک روایت میں ہے کہ فاروق اعظم کو یہ خبر پہنچی کہ ابوموسیٰ نے ایک نصرانی کو اپنا کاتب مقرر کیا ہے۔ فاروق اعظم نے اسی وقت ان کو ایک تنبیہی اور تہدیدی خط لکھا اور اس میں یہ آیت لکھی: یایھا الذین امنوا الخ

مسئلہ کی حقیقت واضح کرنے کے لئے ہم پوری آیت مع ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَایَاْلُوْنَکُمْ خَبَالاً وَدُّوْا مَاعَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ. ھٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّہٖ وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ. اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِھَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَایَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئاً اِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ.

اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے جی میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے ہم نے بتا دیئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے سن لو تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے۔ تو کہہ مرو تم اپنے غصہ میں اللہ کو خوب معلوم ہیں دلوں کی باتیں۔ اگر تم کو ملے کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے

ان کو اور اگر تم پر پہنچے کوئی برائی تو خوش ہوں اس سے۔ اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ان کے فریب سے۔ بے شک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فاروق اعظمؓ کا وہ اثر (جو ہم نے نقل کیا ہے) ذکر کر کے فرماتے ہیں:

ففي هذا الاثر مع هذه الاية دليل على ان اهل الذمة لايجوز استعمالهم في الكتابة التي فيها استطالة على المسلمين واطلاع على دواخل امورهم التي يخشى ان يفشوها الى الاعداء من اهل الحرب ولهذا قال تعالىٰ لايالونكم خبالا ودوا ماعنتم. (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۷۲ جلد ۲)

فاروق اعظمؓ کے اس قول میں مع آیت کریمہ اس امر پر دلیل ہے کہ اہل ذمہ کو ایسے تحریری کاموں پر ملازم رکھنا جائز نہیں جس کی وجہ سے اہل اسلام پر ان کی تعدی لازم آتی ہو اور مسلمانوں کے داخلی امور پر مطلع ہونے کے بعد کفار اور دشمنانِ اسلام کی طرف جاسوسی کا خطرہ ہو، لہٰذا غیر مسلم کو کسی خدمت پر مقرر کرنا ناجائز ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَايَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا[1]۔ الخ

فاروق اعظمؓ کے اس بصیرت افروز اور سیاست آموز مکالمہ سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ غیر مسلم کو ملازمت دینے کے لئے یہ عذر کہ ہم کو صرف اس کی خدمات درکار ہیں۔ ان کے مذہب سے کوئی سروکار نہیں۔ مگر اس کافر کو تو اپنے مذہب سے سروکار ہے اور تمہارے مذہب سے اس کو خصومت و پیکار ہے۔ تم بے خبر اور غافل ہو اور وہ بڑا ہوشیار ہے۔ اس کافر کو ہر وقت یہ فکر ہے کہ اس کی قوم عزیز اور سربلند ہو اور اسلام اور مسلمان ذلیل و خوار ہوں۔ قال تبارک وتعالیٰ:

اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا۔

---

(۱) یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ (آل عمران/۱۱۸)

ساری دنیا کے کافر تمہارے حق میں بمنزلہ ایک دشمن کے ہیں یعنی تمہاری دشمنی میں سب ایک ہیں۔

(۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ولی من امر المسلمین شیئا ثم ولی رجلاوھویجد اصلح فی المسلمین فقد خان اللہ و رسولہ والمومنین. (رواہ الحاکم)

(۱) نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو مسلمانوں کے کسی کام کا ولی اور سرپرست بنایا جائے پھر وہ کسی شخص کو عہدہ سپرد کرے حالانکہ اس سے زیادہ صالح اور لائق آدمی مسلمانوں میں موجود ہو تو بے شک اس شخص نے خدا اور رسول اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا۔ (حاکم)

(۲) وقال امیر المومنین عمر بن الخطابؓ من ولی من امر المسلمین شیئا فولی رجلا لمودۃ اوقرابۃ بینھما فقد خان اللہ ورسولہ والمومنین کذا فی العقیدۃ السفارینیہ صفحہ ۴۰۷ جلد ۲

(۲) امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہو اور وہ کسی شخص کو محض دوستی یا رشتہ داری کی بنا پر حاکم بنادے تو اس نے بلاشبہ حق تعالیٰ اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی (العقیدۃ السفارینیہ)

(۳) عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتزال ھذہ الامۃ بخیر ما اذا قالت صدقت واذا حکمت عدلت واذا استرحمت رحمت.

(۳) حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ امت اس وقت تک خیر اور بھلائی پر قائم رہے گی جب تک کہ اس کا شعار یہ رہے گا کہ جب بات کرے تو سچ بولے اور جب فیصلہ کرے تو انصاف کرے اور جب اس سے رحم کی درخواست کی جائے تو رحم کرے۔

(۴) وعن الحسن قال ان اللہ اخذ علی الحکام ثلاثا ان لایتبعوا الھویٰ وان یخشوہ ولا یخشو الناس وان لایشتروا بایاتی ثمنا

قلیلا ثم قرأ یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی الخ. وقال تعالیٰ انزلنا التوراة فیھا ھدی ونور یحکم بھا النبیون الذین اسلمو. الی قولہ تعالیٰ فلاتخشو الناس واخشون ولا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون. (احکام القرآن ص ۲۱۰ ج ۲)

(۴) حضرت حسن سے مروی ہے کہ بلاشبہ حق تعالیٰ نے حکام پر تین عہد لئے ہیں۔ اول یہ کہ خواہش نفسانی کا اتباع نہ کریں دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ سے ڈریں اور لوگوں سے نہ ڈریں تیسرے یہ کہ میری آیتوں کو دنیا کے مال و دولت کے بدلے نہ فروخت کریں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔ پس آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش نفسانی کا اتباع نہ کریں اور دوسری آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا بے شک ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت اور نور ہے۔ فیصلے فرماتے تھے اس سے انبیاء علیہم السلام جو کہ اللہ کے فرمانبردار تھے۔ دوسری جگہ حق تعالیٰ نے فرمایا پس نہ ڈرو تم لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور نہ خریدو میری آیتوں کے بدلے دنیا کا قلیل مال۔ اور جو شخص اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے ساتھ فیصلہ نہ کرے پس وہی لوگ کافر ہیں۔

(۵) **واخرج ابن ابی شبیة عن علی ابن طالب قال حق علی الامام ان یحکم بما انزل اللہ وان یودی الامانة فاذا فعل ذالک کان حق علی المسلمین ان یسمعوا و یطیعوا ویجیبوا اذا دعوا واخرج ابن سعد والبیھقی عن انس بن مالک قال امرنا اکابرنا من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لا نسب امراء نا ولا نغشھم ولا نعصیھم وان نتقی اللہ ونصبر فان الامر قریب.**
(درمنثور صفحہ ۱۷۸ جلد ۲)

(۵) ابن ابی شبیہ نے علی ابن ابی طالبؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے اتارے ہوئے احکام کے ساتھ فیصلہ کرے اور امانت کو ادا

کرے پس جب اس نے یہ کام کر لئے تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں اور جب اس کی طرف سے بلائے جائیں تو اس پر لبیک کہیں اور ابن سعد اور بیہقی نے انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ ہمارے اکابر یعنی صحابہؓ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اپنے امیروں اور حاکموں کو برا بھلا نہ کہیں اور ان سے عداوت اور کینہ نہ رکھیں اور ان کی نافرمانی نہ کریں اور یہ کہ ہم تقویٰ اختیار کریں اور صبر کریں کیونکہ حق تعالیٰ کی نصرت اور فیصلہ کا وقت قریب ہے۔

طریقہ انتخاب امیر

انتخاب امیر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اہل حل وعقد یعنی علماء اور صلحاء اور ملک کے امراء اور روسا اور سردار اور نامور لوگ اور عقلاء اور اہل الرائے جو اسلام اور مسلمانوں کے سچے خیر خواہ بھی ہوں اپنے اتفاق اور رضامندی سے کسی کو اپنا امیر منتخب کریں تو وہ مسلمانوں کا امیر ہو جاتا ہے اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اور امارت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا اور یہی طریقہ سب سے بہتر ہے۔

دوسرا طریقہ:

انتخاب کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسا امیر مملکت جس کی امانت اور دیانت اور خیر خواہی لوگوں میں مسلم ہو وہ اپنی صواب دید سے کسی کو نامزد کر دے جیسے حضرت ابوبکر نے وفات کے وقت فاروق اعظم کو خلافت کے لئے نامزد فرما دیا تھا اور عمر بن الخطاب کو نامزد کرنے سے پہلے صدیق اکبر نے اکابر صحابہ سے مشورہ بھی کر لیا تھا جیسا کہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اس کی تفصیل کی ہے۔

تیسرا طریقہ:

انتخاب کا ایک طریقہ شوریٰ ہے۔ یعنی امیر مملکت، امارت اور صدارت کو کسی معین

جماعت میں دائر کردے کہ جو امارت اور حکومت کی اہل ہو اور یہ کہہ دے کہ اس جماعت میں سے کسی کو امیر منتخب کرلیا جائے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے وفات کے وقت چھ آدمیوں کی ایک مجلس بنادی جن کے حسب ذیل ہیں:

۱۔حضرت عثمانؓ ۲۔حضرت علیؓ ۳۔حضرت طلحہؓ ۴۔حضرت زبیرؓ

۵۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ۶۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

اور یہ وصیت کردی کہ ان چھ آدمیوں سے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کر لینا۔ حضرت عثمان غنی کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا اور حضرت عثمان کے بعد حضرت علی خلافت کے لئے متعین ہو گئے اور نیز اہل حل وعقد[1] نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی مدینہ منورہ میں اس وقت جس قدر مہاجرین اور انصار تھے ان سب نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی گویا کہ حضرت علی کی خلافت کا انعقاد دو طریقہ سے ہوا ایک شوریٰ کے طریقہ سے اور ایک اہل حل وعقد کے اتفاق سے۔

چوتھا طریقہ:

انعقاد وامارت کا چوتھا طریقہ استیلاء یعنی غلبہ اور تسلط ہے یعنی بغیر اہل حل وعقد کے بیعت ہوئے یا بغیر کسی بادشاہ یا بغیر مجلس شوریٰ کے انتخاب کے امیر بن جائے اور تالیف قلوب یا اپنی شوکت اور ہیبت سے یا کسی حیلہ اور تدبیر سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملالے تو یہ شخص بھی مسلمانوں کا امیر ہو جائے گا۔ ایسے امیر کی اطاعت بھی مسلمانوں پر واجب ہے۔ اور اس کے ان احکام کی تعمیل واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں۔

حتی الوسع ایسے امیر کو معزول نہ کیا جائے۔ اصلاح کی کوشش کی جائے معزول کرنے میں سخت فتنہ اور فساد ہوگا۔ مسلمانون کی بہت سی جانین تلف ہوں گی اور آئندہ کے متعلق یقین نہیں کہ کیا انجام ہوگا یہ بھی احتمال ہے کہ اس فتنہ اور فساد میں ایسا شخص غالب

---

(۱) علماء اور روساء اور امراء لشکر اور ملک کے نامور اہل الرائے کو اہل حل وعقد کہتے ہیں۔ اس لئے کہ حل کے معنی کھولنے کے ہیں اور عقد کے معنی باندھنے اور گرہ لگانے کے ہیں۔ ملک کے مہم امور کی گرہ ایسے ہی لوگوں کے کھولنے سے کھلتی ہے اور ایسے ہی لوگوں کے لگانے سے لگتی ہے۔

آ جائے جو اس سے بھی زیادہ بدتر ہو۔ امیر کے معزول کرنے کے بعد کی مصلحت موہوم اور محتمل ہے اور فتنہ اور فساد اور خونریزی یقینی ہے اور موہوم اور محتمل مصلحت کی وجہ سے یقینی فتنہ اور فساد کا دروازہ کھولنا خلاف عقل ہے۔

عبد الملک بن مروان اور خلفاء عباسیہ کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا۔ اس زمانہ کے تمام علماء اور صلحاء نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے مظالم پر صبر کیا اور خلاف شرع امور پر ان کو نصیحت کی مگر مسلمانوں کو ان سے بغاوت کرنے کی اجازت نہیں دی۔

اطاعتِ امیر

امیر مملکت خواہ عادل ہو یا ظالم ہو مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہے جب تک خلاف شرع کوئی حکم نہ دے اور اس کی بغاوت حرام ہے۔ مگر بادشاہ اسلام ضروریاتِ دین اور قطعیات اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے صریح کفر پر اتر آئے تو اس کا مقابلہ اور مقاتلہ واجب ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے۔

اور اگر بادشاہِ اسلام محض ظالم ہے تو حتی الوسع صبر کریں اور نرمی کے ساتھ اس کو نصیحت کریں اور نصیحت سے مقصود ان کی اصلاح اور خیر خواہی ہو تذلیل مقصود نہ ہو جہاں تک ممکن ہو نصیحت خلوت اور تنہائی میں ہو تاکہ ملک میں فتنہ اور فساد نہ اٹھے اور حکومت ذلیل اور خوار نہ ہو۔ حکومت کا جب رعب اٹھ جاتا ہے تو چور و قزاق، مفسد اور رہزن ہر طرف سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ملک کا امن خطرہ میں پڑھ جاتا ہے۔

خلافت راشدہ اور اس کے لوازم اور خصوصیات

خلافت راشدہ اس حکومت اور ریاست کو کہتے ہیں جس کا تمام ملکی اور ملی نظام منہاج نبوت پر ہو اور راشدہ کے معنی یہ ہیں کہ توفیق ربانی اور تائید آسمانی اس کو کشاں کشاں رشد اور ہدایت اور صواب ہی کی طرف لے جا رہی ہو۔

خلافت راشدہ کا یہ رشد اور ہدایت نبی کی عصمت کا ایک عکس اور پرتو ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس شاہراہ پر خلافت راشدہ چلتی ہے شیطان اس راہ سے نہیں گزر سکتا۔

قدم قدم پر تائید غیبی اس کی معین ومددگار ہوتی ہے۔

یہ خلافت راشدہ کی تعریف ہوئی اب ہم اس کے لوازم اور خصوصیات ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں جو تقریباً تمام تر شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ کی ازالۃ الخفاء سے ماخوذ اور مقتبس ہیں۔

۱۔ خلافت راشدہ کے لوازم میں سے یہ ہے کہ خلیفہ امت کے طبقہ اعلیٰ میں سے ہو یعنی صدیق یا شہید یا صالح ہو اور محدث من اللہ (یعنی جس کے دل میں عالم غیب سے القاء اور الہام ہوتا ہو اور باطنی طور پر فرشتے اس سے کلام کرتے ہوں) صدیق کی تعریف میں داخل ہے یہ صفت یعنی محدث من اللہ ہونے کی صفت احادیث صحیحہ میں حضرت عمرؓ کے لئے آئی ہے۔

اور خلیفہ کا امت کے طبقہ اعلیٰ میں ہونا اس لئے ضروری ہے کہ ظاہری حکومت و ریاست کے ساتھ باطنی حکومت اور ریاست بھی جمع ہو جائے اور خلفاء اربعہ کا امت کے طبقہ اعلیٰ میں سے ہونا اظہر من الشمس ہے۔

۲۔ خلافت راشدہ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ خلیفہ کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ نبی کی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ کے فطرۃً اور جبلۃً ہمرنگ ہو اور ملکات اور اخلاق اور عادات اور اعمال اور احوال میں نبی کے ساتھ اس کو خاص تشبہ حاصل ہو جس طرح آئینہ آفتاب کے اثر اور پرتو کو قبول کرتا ہے اسی طرح اس خلیفہ کے قلب نے آفتاب نبوت کے عکس اور پرتو کو قبول کیا ہو۔

قوت عاقلہ میں نبی کے ساتھ تشبہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص محدث اور ملہم من اللہ ہو اور نبی کی باتوں کو اس طرح سمجھتا ہو کہ گویا ان چیزوں کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور اس کے قلب کی کیفیت یہ ہو کہ جس طرح آفتاب کے سامنے آئینہ رکھ دیا جائے اور اس کی شعاعیں اس میں منعکس ہوں اور قوتِ عاملہ اور عملیہ میں نبی کے ساتھ تشبہ کے یہ معنی ہیں کہ ایمان اور اخلاص اور احسان اور تقویٰ اس کے دل میں اس درجہ مستحکم اور راسخ ہو گیا ہو کہ اعمال صالحہ اس سے بلا اختیار صادر ہوتے ہوں۔ چنانچہ خلفاء راشدین قوۃ عاقلہ میں نبی اکرم ﷺ کی قوت عاقلہ کا ظل اور عکس تھے اگرچہ

صاحب وحی نہ تھے لیکن ملہم من اللہ اور صاحب فراست اور صاحب کشف وکرامت تھے۔ فہم اور فراست تدبیر ملکی اور سیاست اور زہد اور درویشی اور فقر اور عبادت اور علم وحکمت میں نبی اکرم ﷺ کا نمونہ تھے۔

تمام مسلمان خلفاء راشدین کی زیارت اور صحبت اور ان کی خلافت اور اطاعت کو سرمایہ سعادت اور ذخیرہ آخرت سمجھتے تھے۔

۳۔ خلافت راشدہ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ اس خلیفہ کو بارگاہ نبوت سے رضا خداوندی اور جنت کی بشارت کا پروانہ مل چکا ہو اور بلا کسی تعلیق اور شرط کے نبی نے یہ کہہ دیا ہو کہ یہ شخص جنتی ہے۔ کیونکہ اس بشارت سے یہ اطمینان ہو جائے گا کہ یہ شخص صالح اور متقی اور پرہیزگار ہے صدور کبائر سے محفوظ رہے گا اور انجام اس کا نجات اور سعادت پر ہوگا۔

اور خلفاء اربعہ کے حق میں رضاء خداوندی اور جنت کی بشارت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

۴۔ خلافت راشدہ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کا معاملہ اس شخص کے ساتھ ایسا ہو جیسا کہ بادشاہ کا ولی عہد اور وزیر باختصاص اور مشیر خاص کے ساتھ ہوا کرتا ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کا معاملہ خلفاء اربعہ کے ساتھ تھا کہ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں جاتے وقت ابوبکر کو امامت کیلئے معین فرمایا اور ۹ھ میں ابوبکر کو امیر الحج مقرر کیا اور مہمات امور میں ابوبکر اور عمر سے حضور کا مشورہ کرنا مشہور و معروف ہے حتیٰ کہ آیت ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ'' کا نزول ابوبکر اور عمر کے بارہ میں ہوا۔ اور صلح حدیبیہ میں حضرت عثمان کو اپنی طرف سے اہل مکہ کی طرف بھیجا اور حضرت علی کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔

۵۔ خلافت راشدہ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ اس خلیفہ کی صحبت اور معیت کے انوار و برکات نبی کی صحبت کے انوار و برکات کا نمونہ ہوں اور اس کی کرامتیں نبی کے معجزات کا نمونہ ہوں اور اس کے پند اور مواعظ نبی کے پند اور مواعظ کا نمونہ ہوں یہ صفت بھی خلفاء راشدین میں علی وجہ الکمال والتمام تھی۔ حضرات خلفاء

راشدین کی ظاہری اور باطنی فتوحات اوران کی برکتیں اور کرامتیں بیان کرنے کیلئے ایک دفتر چاہئے۔

خلافتِ راشدہ کی مثال

خلیفہ راشد کی مثال بانسری کے مانند ہے کہ جس طرح بانسری بجانے والا آواز بلند کرنے کے لئے یا آواز میں کوئی شدت یا خاص کیفیت پیدا کرنے کیلئے بانسری کو اپنے منہ سے لگالیتا ہے۔تو اصل آواز بجانے والے کی ہوتی ہے اور آواز کی نسبت اسی کی طرف ہوتی ہے۔اسی طرح رحمت خداوندی نے جو کام پیغمبر ﷺ کے لئے رکھا تھا۔مگر پیغمبر خدا اس کام کی تکمیل سے پہلے خدا سے جا ملے تو جو کام بطور نیابت اور خلافت خلفاء کے ہاتھ سے پورا ہوگا وہ درحقیقت تمام کا تمام پیغمبر علیہ السلام ہی کی طرف منسوب ہوگا اور وہ تمام آواز نبی ہی کی ہوگی اور خلیفہ بمنزلہ بانسری کے ہوگا یا خلفاء راشدین کو نبی اکرم ﷺ کے حق میں بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے سمجھو کہ اصل فرماں روا قلب اور دماغ یعنی ذات بابرکات رسالت مآب ہے اور خلفاء راشدین اس کے لئے دست و بازو ہیں جن کی حرکت نظر آرہی ہے پس خلافت راشدہ وہ ہے کہ جس سے ان امور کی تکمیل ہو کہ جن کا افتتاح رسالت مآب سے ہو چکا ہے۔اور ذَالِکَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ (۱) میں اشارہ اسی طرف ہے کہ دین کا آغاز اور افتتاح حضور پرنور ﷺ سے ہوا اور دین کی تکمیل اور استحکام خلفاء راشدین کے ہاتھ سے ہوئی جیسے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا افتتاح داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا اور تکمیل اس کی سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوئی اور حضرت سلیمان کا یہ عمل صالح حضرت داؤد کی حسنات میں شمار ہوا اور سلیمان علیہ السلام اس کے لئے وسیلہ بنے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں یہ مقدر تھا کہ حضور پرنور ﷺ کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت ہو مگر اس حکومت کا افتتاح اور آغاز حضور پرنور ﷺ سے ہوا اور تکمیل ابوبکر و عمر کے ہاتھ پر ہوئی۔

---

(۱) یہ ہیں ان کے وہ اوصاف جو توراۃ میں مذکور ہیں اور ان کی مثال انجیل میں ہے۔(فتح/۲۹)

اور یہی وجہ ہے

کہ خلافت راشدہ کا ہر عمل شرعی حجت ہے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں پر اس کا اتباع واجب اور لازم ہے اس لئے کہ خلافت راشدہ بارگاہ نبوت کی بانسری ہے اصل آواز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے مگر سننے والے اور دیکھنے والے بانسری سے سن رہے ہیں اور اسی کو دیکھ رہے ہیں اور اصل آواز والانظروں سے پوشیدہ ہے۔

اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتداء کرنا اور خلفاء راشدین کی سنت اور طریقہ کو لازم پکڑنا جس طرح رسول ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اسی طرح خلافت راشدہ کا اتباع اتباع نبوی ﷺ ہے اور امت کے تمام فقہاء اور علماء کا اس پر اجماع ہے۔

نکتہ:

آنحضرت ﷺ کے ظہور پُر نور سے پیشتر نبوت و رسالت مختلف اوقات میں مختلف صورتوں اور شکلوں میں ظاہر ہوتی رہی۔ کبھی نبوت و رسالت کا ظہور بصورت بادشاہی ہوا اور کبھی بصورت علم و حکمت یعنی عالمیت اور جبریت اور کبھی بصورت زہد و درویشی مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی نبوت بصورت بادشاہت تھی اور حضرت زکریا علیہ السلام کی نبوت بصورت علم و حکمت تھی یعنی بنی اسرائیل کے سب سے بڑے حبر اور عالم تھے اور حضرت یونس اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کی نبوت بصورت زہد و عبادت تھی دونوں بزرگ بے مثال عابد و زاہد نبی تھے۔ بہرحال جس صورت میں بھی نبوت ظاہر ہوئی ہر صورت میں اللہ نے ان حضرات کو عزت اور وجاہت اور غلبہ عطا فرمایا اور امت کو انقیاد اور اطاعت کی توفیق عطا کی اور طرح طرح کی عنایاتِ الٰہیہ سے سرفراز ہوئے۔

آنحضرت ﷺ چونکہ افضل الرسل اور خاتم الانبیاء تھے اس لئے من جانب اللہ آپ کی نبوت و رسالت ان تمام صورتوں کی جامع ہوئی یعنی آپ کی نبوت میں بادشاہت اور علم و حکمت یعنی جبریت اور عالمیت اور زہد و درویشی سب ہی صورتیں جمع ہوئیں۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت کی ابتداء علم وحکمت، فقر ودرویشی اور زہد وعبادت سے ہوئی جیسا کہ:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ. (۱)

میں اس طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ آپ کی نظر کیمیا اثر نے جہلاء عرب کو علم وحکمت میں رشک حکماء یونان بنادیا اور ایسا عابد وزاہد اور درویش بنادیا کہ درہم ودینار اور سنگریزے ان کی نظر میں برابر ہوگئے لوگ اس بے مثال علم وحکمت اور فقر ودرویشی کو دیکھ کر آپ کے حلقہ میں داخل ہونے لگے اور روز بروز بڑھنے لگے یہاں تک آپ کی نبوت ایک رئیس شہر کی صورت میں نمودار ہوئی۔ بعد ازاں بحکم خداوندی آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی اور سلسلہ غزوات شروع ہوا یہاں تک مکہ مکرمہ فتح ہوا اور "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ"(۲) کا وعدہ پورا ہوا اور بعد ازاں آپ نے غزوہ تبوک کا ارادہ فرمایا اس وقت چالیس ہزار یا ستر ہزار شخص حضور ﷺ کے ہمرکاب تھے پھر ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اس وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار شمع نبوت کے پروانے ساتھ تھے۔

اس وقت آپ کی نبوت بشکل بادشاہت تھی اور مدینہ منورہ ایک دارالسلطنت کی صورت میں تھا شیر خوار بچہ کی طرح دین اسلام کی یہ ابتدائی حالت تھی مگر لحظہ بلحظہ ترقی پر تھی۔ ترقی کے مدارج ابھی پورے نہ ہوئے تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے اس عالم سے رحلت فرمائی، تا کہ حق تعالیٰ کے وہ وعدے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے کئے تھے وہ آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر پورے ہوں اور وہ درجہ جو ابھی باقی تھا وہ ذوالقرنین جیسی سلطنت تھی کہ تمام سلاطین ان کے لواء سلطنت کے مطیع اور منقاد تھے اور یہ وہ سلطنت تھی کہ جس کا بادشاہ شہنشاہ کہلاتا تھا یہ مرتبہ حضور پُرنور ﷺ کی وفات کے بعد فارس اور روم کی فتح سے

(۱) وہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کو بھیجا ہے جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں، اور ان کو پاکیزہ بنائیں اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیں۔ (الجمعۃ/۲)

(۲) جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ (نصر/۱)

خلفاء راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا اور خلافت راشدہ چونکہ حضور پرنور ﷺ کی نبوت جامعہ کی خلافت ہے اور اس کی صورت جامعہ کا عکس اور پرتو تھی۔ اس لئے حضور پرنور ﷺ کی طرح حضور ﷺ کے خلفاء بھی تینوں صورتوں کے جامع ہوئے یعنی بادشاہ بھی ہوئے اور عالم اور حکیم بھی اور عابد و زاہد اور مرشدِ کامل اور صاحب کرامات و برکات بھی ہوئے، کیونکہ جب حضور ﷺ ان تینوں صفتوں کے جامع تھے تو حضور کے سچے جانشین بھی ان تینوں صفتوں کے جامع ہوئے۔

خلفاء راشدین کے دور میں قرآن کریم بین الدفتین جمع ہوا اور تمام آفاق و بلاد اور امصار میں اس کے نسخے بھیجے گئے اور جیسے جیسے حالات اور واقعات پیش آئے ان کے متعلق احادیث نبویہ کی تحقیق اور تفتیش کر کے ان کے مطابق احکام جاری کئے اور مختلف فیہ مسائل میں اجماع کی بنیاد ڈالی اور جو امور ایسے پیش آئے کہ جن کا حکم کتاب و سنت میں منصوص نہ تھا ان میں قیاس اور استنباط کا طریقہ جاری کیا کیونکہ ادلہ شرعیہ چار ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع اور قیاس آخر الذکر دو دلیلوں کی تکمیل خلفاء راشدین کے دور میں ہوئی۔

کتاب و سنت کے بعد سب سے بہتر اور ادلہ شرعیہ اجماعیات خلفاء ہیں جو فقہاء صحابہ کے مشورہ اور اتفاق سے منعقد ہوئے اور تمام امت نے ان کو دل و جان سے قبول کیا اور ظاہر ہے کہ زمانہ نزول وحی میں کسی مسئلہ کا مشورہ اور اتفاق سے طے کرنا ناممکن تھا اس لئے اجماع اور اتفاق کی بنیاد حضور ﷺ کی وفات کے بعد پڑی۔

اور علیٰ ہذا حضور ﷺ کے زمانہ میں قیاس بھی ممکن نہ تھا۔ نیز خلفاء راشدین نے مسلمانوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دینے کے لئے معلم مقرر کئے اور بڑے بڑے شہروں میں صحابہ کو معلم بنا کر بھیجا۔ ناسخ اور منسوخ کی تحقیق ہوئی اور جو آیات اور نصوص قرآنیہ مختلف معانی کی محتمل تھیں ان کے صحیح معنی اور صحیح مراد کی تعیین اور تشخیص کی۔ اس طرح نبوت کی ابتدائی شان علم اور حکمت اور جبریت اور عالمیت کے معنی خلفاء راشدین کے ہاتھ پر مکمل ہوئے اور آنحضرت ﷺ کی صورت زاہدیت اور عابدیت اور صورت ارشاد و تلقین کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ خلفاء نے حضور پرنور ﷺ کے اذکار و اوراد اور انواع احسان اور وظائف

عبادات اور حفظ لسان اور حفظ واردات کی تعلیم و تلقین کو قولاً اور عملاً جاری رکھا۔

اور جس طرح حضور پُر نور ﷺ اپنی فیض صحبت سے صحابہ کا تزکیہ اور تربیت فرماتے تھے اسی طرح خلفاء راشدین بھی امت کے قلوب کا تزکیہ اور تصفیہ کرتے رہے اور بادشاہت کی تکمیل اسی طرح سے ہوئی کہ فارس اور روم کی سلطنتیں اسلام کی باج گزار بنیں اور جس طرح آج امریکہ کو تمام روئے زمین پر اقتدار اعلیٰ حاصل ہے اس سے ہزار درجہ بڑھ کر خلفاء راشدین کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہوا۔

امریکہ کو جو آج اقتدار حاصل ہے اس کی علت ان کی مادی طاقت اور ہماری غفلت ہے اور خلفاء راشدین کو جو بے مثال غلبہ حاصل ہوا وہ مادی طاقت کی بنا پر نہ تھی بلکہ روحانی طاقت اور تائید غیبی کی بنا پر تھا۔ نیز سلاطین عالم خلفاء راشدین کو خدا کا پاکباز اور راست باز اور برگزیدہ گروہ سمجھتے تھے۔ ظاہر سے بڑھ کر لوگوں کے قلوب خلفاء راشدین سے مرعوب تھے اور دلوں سے یہ یقین رکھتے تھے کہ تائید ربانی ان کے ساتھ ہے۔ اور امریکہ اور برطانیہ کو دنیا میں کوئی دل پاکباز اور راست باز نہیں سمجھتا۔

خلفاء راشدین کی حکومت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام اور ذوالقرنین کی حکومت کا نمونہ تھی اور امریکہ اور برطانیہ کی حکومت نمرود اور فرعون اور بخت ونصر کی حکومت کا نمونہ ہے۔ یورپ کی مادی طاقت سے مرعوب ہو کر ان سے معاہدے کر رہے ہیں اور دل سے ان کو مکار اور عیار سمجھ رہے ہیں۔

غرض یہ کہ جس طرح حضور پُر نور ﷺ کی نبوت تینوں صورتوں کی جامع تھی۔ اسی طرح حضور ﷺ کے خلفاء کی خلافت بھی تینوں صفتوں کی جامع ہوئی یعنی بادشاہی اور علم و حکمت اور فقیری اور درویشی کا مجموعہ ہوئی۔

نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ جو تائید غیبی نبی کی پشت پر تھی وہی تائید آپ کے خلفاء کے پشت پر رہی اور خدائے عزوجل نے جو وعدے آنحضرت ﷺ سے فرمائے تھے وہ خلفاء کے زمانہ میں پورے ہوئے۔

مثلاً دین کی تمکین اور دین اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ (جس کا ''اَلَّذِیْنَ اِنْ

مَکَّنَّاهُمْ فِی الْاَرْض ''(۱) اور ''لیظهره علی الدین کله ''(۲) میں ذکر ہے۔ وہ خلفاء راشدین کے ہاتھ پر پورا ہوا جس کو پوری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور علی ہذا فتنہ ارتداد کا استیصال جس کی ''وَمَنْ يَّرْتَدَّ مِنكُمْ عَنْ دِيْنِه ''(۳) میں خبر دی گئی تھی اس کا ظہور صدیق اکبر کے زمانہ میں ہوا اور حسبِ ارشاد باری ''سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْد ''(۴) کا ظہور حضرت عمر کے زمانہ میں ہوا کہ فارس اور روم کی سلطنت فتح ہوئی اور حسب ارشاد نبوی ''هلک کسرىٰ و هلک قیصر ''(۵) اور ''لتفتحن كنوز کسرىٰ و قیصر ''(۶) قیصر وکسریٰ کے خزائن مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ''اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْآنَه ''(۷) کی پیشین گوئی خلفاء ثلاثہ کے عہد میمنت مہد میں پوری ہوئی اور خوارج اور روافض کے خروج کی جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ حضرت عثمان اور حضرت علی کے دور خلافت میں پوری ہوئی تا کہ فقہاء امت کو باغیوں کے احکام معلوم ہوں۔ شیخین یعنی ابوبکر اور عمر کے زمانہ میں جہاد وقتال تنزیل پر تھا اور ختنین یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں جہاد وقتال تاویل پر تھا کہ خوارج اور باغی لوگ نصوص کی غلط تاویل کرتے تھے اور اسلام کے اندرونی دشمن تھے جس سے حکومت اسلامیہ کے باغیوں کے احکام معلوم ہوئے اور شیخین کے جہاد سے اہلِ حرب اور اہل ذمہ اور مال غنیمت کے احکام معلوم ہوئے جو اسلام کے بیرونی دشمن تھے۔ ابوبکر وعمرؓ کے عہد خلافت میں ابواب جہاد مکمل ہوئے اور عثمان اور علی کے دور خلافت میں بغاۃ یعنی باغیوں کے احکام اور مسائل مکمل ہوئے۔

---

(۱) یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں۔ الخ (حج/۴۱)

(۲) تاکہ اسے ہر دوسرے دین پر غالب کر دے۔ (فتح/۲۸)

(۳) اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا۔ الخ (مائدہ/۵۴)

(۴) عنقریب تمہیں ایسے لوگوں کے پاس (لڑنے کے لئے) بلایا جائے گا جو بڑے سخت جنگجو ہوں گے۔ (فتح/۱۶)

(۵) کسریٰ اور قیصر ہلاک ہوئے۔

(۶) قیصر وکسریٰ کے خزانے کھولے جائیں گے۔

(۷) یقیناً اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔ (قیمۃ/۱۷)

الحمدللہ آج یہ تحریر پوری ہوئی جو بحمداللہ عقائد اسلامیہ کی تحقیق پر مشتمل ہے اور حضرات متکلمین کے علم کا خلاصہ ہے یہ زمانہ بڑا پُر خطر ہے ہر طرف سے الحاد اور زندقہ کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور بے دین لوگ اسلام کی آڑ میں مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں اس لئے اس ناچیز نے یہ مختصر رسالہ لکھ دیا ہے جو عقائد اہل سنت والجماعت کی تفصیل پر مشتمل ہے اور اصل عقیدہ کے بیان کے بعد دلیل عقلی اور نقلی سے اس کو مدلل کر دیا اور فلاسفہ اور ملاحدہ کے قدیم اور جدید شبہات کا جواب بھی دے دیا تا کہ حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے اور اہل اسلام گمراہوں کے دام فریب میں گرفتار نہ ہوں اور طالبان حق کو یہ معلوم ہو جائے کہ صراط مستقیم جس پر صحابہ وتابعین اور سلف صالحین چلے وہ یہی راستہ ہے جن پر اللہ کا خاص انعام ہوا اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس صراط مستقیم پر استقامت نصیب فرمائے اور غضب اور ضلال سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ اور اس تالیف کو اہل اسلام کے لئے مشعل ہدایت بنائے اور اس ناچیز کے لئے ذخیرہ آخرت اور سرمایہ سعادت بنائے۔ آمین

(یارب العالمین)

وصیت

ایمان سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ نجاتِ اخروی کا دارومدار ایمان پر ہے اس لئے میں اپنی اولاد کو اور اہل وعیال کو اور اپنے اعزاء واقارب کو اور شاگردوں کو خاص طور پر اس کی وصیت کرتا ہوں کہ عقائد اسلام کو بار بار پڑھیں اور اس کے مطابق اپنے اعتقاد کو قائم کریں اور اس پر قائم رہیں۔

اس کتاب میں اس ناچیز نے جو لکھا ہے وہ سب حضرات متکلمین اور علماء ربانیین کے علم کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ خاص کر امام غزالی اور امام رازی کی کتابیں مشعل راہ ہیں۔ کسی مسئلہ میں اس ناچیز کی کوئی ذاتی رائے نہیں جو کچھ بھی ہے وہ سب سلف صالحین کی ترجمانی ہے جس سے مقصود قلعہ ایمان کی پاسبانی ہے اور نگہبانی ہے کہ مبادا کوئی چور اور قزاق کسی طرح نقب لگا کر اس قلعہ میں داخل ہو سکے حتی الوسع دلائل عقلیہ اور نقلیہ کی آہنی

دیواروں سے اس قلعہ کو مضبوط کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور اصل محافظ اور نگہبان خداوند ذوالجلال ہے۔ فَاللّٰہُ خَیْرًا حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔[1]

دعاء اور التجاء اور استدعا

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ یہ ایمان اور اسلام سب تیرا عطیہ ہے بلا کسی استحقاق کے محض اپنے فضل و کرم سے آپ نے عطا فرمایا ہے۔ آپ کے فضل واحسان اور وجود و کرم سے امید ہے کہ اپنے اس عطیہ کو واپس نہ لیں گے اور تادم حیات اس کو ہر آفت و فتنہ سے محفوظ رکھیں گے۔ آمین اور برادران اسلام سے یہ استدعا ہے کہ دعاء مغفرت سے اس غریق معصیت کی دستگیری فرمائیں گے۔

سبحان ربک رب العزت عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم.

ماہ ذی الحجہ الحرام ۱۳۷۳ھ یوم سہ شنبہ بعد العصر

جامعہ اشرفیہ لاہور

محمد ادریس کان اللہ لہ وکان ہو للہ۔ آمین

---

(۱) پس اللہ سب سے بڑھ کر نگہبان ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (یوسف/۶۴)



تکملہ عقائد اسلام

الحمد للہ رب العلمین والعاقبة للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین آمین یارب العالمین۔

امابعد بندہ ناچیز محمد ادریس کان اللہ لہ وکان ھو للہ آمین۔ اہل اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اس ناچیز نے آج سے انیس سال قبل خداتعالیٰ کی توفیق سے یہ کتاب مسمی عقائد الاسلام لکھی جس میں اسلام کے عقیدوں کو اہل سنت والجماعت کے مسلک کے موافق بیان کیا۔ بحمد اللہ اس عرصہ میں یہ کتاب بار بار طبع ہوئی۔ اب دل چاہا کہ اصل کتاب میں بعض ضروری مسائل اور دلائل کا جو پہلی بار کی تالیف میں رہ گئے ہیں ان کا اضافہ کردیا جائے۔

اور آخر میں ایک تکملہ کا اضافہ کردیا جائے جس میں اول تو اختلاف امت والی حدیث کی شرح کردی جائے جس میں یہ آیا ہے کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جو سب نار میں جائیں گے مگر ایک فرقہ آگ میں جانے سے نجات پائے گا اور وہ فرقہ ناجیہ وہ ہوگا کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا اور بعدہ مشہور گمراہ فرقوں کا کچھ مختصر حال بیان کردیا جائے اور بتلا دیا جائے کہ یہ فرقے اخیر زمانہ صحابہ میں پیدا ہوئے جب اکثر صحابہ

اور اکابر تابعین دنیا سے رخصت ہو گئے فرقہ ناجیہ وہ ہے کہ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر ہو اور یہ فرقہ اہل سنت و جماعت کا ہے پس جو ان عقائد پر چلے گا اس کی نجات ہو گی۔

اس لئے دل چاہا کہ کتاب عقائد الاسلام کا ایک مختصر سا تکملہ لکھ دیا جائے جس میں فرقہ ناجیہ اور اس کے بالمقابل کچھ گمراہ فرقوں کو بتلا دیا جائے تا کہ فرق واضح ہو جائے اور اس کے علاوہ اور چند ضروری مضامین کا اضافہ کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ اس تالیف کو اس ناچیز کے لئے اور اس کے اہل وعیال کے لئے اور خویش واقارب کے لئے اور عام اہل اسلام کے لئے ذریعہ ہدایت اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔



شرح حدیث افتراقِ امت

افتراق امت کی حدیث مختلف طریقوں اور مختلف الفاظ سے مروی ہے مگر مطلب سب کا ایک ہے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملة وتفترق امتی علی ثلاث و سبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا ومن هی یا رسول الله قال ما انا علیه و اصحابی.

رواه الترمذی و فی روایة احمد و ابی داؤد عن معاویة ثنتان و سبعون فی النار و واحدة فی الجنة وهی الجماعة. الحدیث.

تحقیق بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ وہ سب ناری اور دوزخی ہوں گے مگر ایک فرقہ۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! وہ ایک فرقہ کونسا ہے جو دوزخ سے محفوظ رہے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا، وہ فرقہ ناجیہ وہ فرقہ ہے جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر ہوگا۔

معلوم ہوا کہ فرقہ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو سنت نبوی اور جماعت صحابہ کے متبع اور پیرو ہوں اور یہ امر سوائے اہل سنت والجماعة کے کسی اور گروہ میں نہیں پایا جاتا اس لئے کہ اتباع سنت سے حدیث نبوی کا اتباع مراد ہے اور جماعت سے جماعت صحابہ کی پیروی مراد ہے۔

جاننا چاہئے کہ اس حدیث میں افتراق سے اصول اور عقائد کا اختلاف مراد ہے اعمال اور عملیات کا اختلاف مراد نہیں۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل کا اور آپ کی امت کا عملی اور فروعی اختلاف بہتر اور تہتر کے عدد میں منحصر نہیں دنیا کی بداعمالیوں کی کوئی حد اور شمار نہیں۔ معلوم ہوا کہ افتراق سے عقائد اور اصول کا اختلاف مراد ہے اور دخول نار کا سبب وہی

اعتقاد فاسد ہوگا۔ اور امتی سے امتِ اجابت مراد ہے یعنی وہ لوگ جو حضور پُر نور ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے حدیث میں امتی کو اپنی طرف مضاف فرمایا یعنی میری امت اور اکثر و بیشتر حدیث میں جہاں کہیں بھی امت کو اپنی طرف مضاف فرمایا وہاں اہلِ قبلہ اور امت اجابت مراد ہے۔ امتِ دعوت مراد نہیں۔ اس لئے کہ امت دعوت میں تمام دنیا کے کافر شامل ہیں۔ اور ان کا عدد بے شمار ہے۔

دوم یہ کہ الا واحدۃ کا استثنا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ الا واحدۃ کے لفظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ منشاء نجات اس فرقہ ناجیہ کے تمام آحاد اور افراد میں مشترک ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایک فرقہ کے تمام افراد اعتقادات ہی میں متحد اور مشترک ہو سکتے ہیں۔ مگر ایک فرقہ کے تمام افراد کا اعمال اور افعال میں متحد اور مشترک ہونا ناممکن اور محال ہے۔

سوم یہ کہ حضور اکرم ﷺ کا فرقہ ناجیہ کی تعریف میں یہ فرمانا، ماانا علیہ واصحابی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چیز تمام صحابہ کرام کے درمیان مشترک ہوگی۔ اور یہ امر بالبداہت معلوم ہے کہ تمام صحابہ کرام میں ایسا امر مشترک جس پر تمام صحابہ متفق ہوں وہ سوائے عقائد کے اور کوئی شے نہیں عملیات اور فروعی مسائل میں صحابہ کرام کے مابین بھی اختلاف تھا۔ حضرات صحابہ کرام میں جو اختلاف تھا وہ فقط فروعی اور عملی مسائل میں تھا کہ عبادت کا کون سا طریقہ بہتر ہے۔ مثلاً نماز میں رفع یدین بہتر ہے یا ترک رفع یدین۔ آمین اور بسم اللہ کا جہر بہتر ہے یا اخفاء۔ اصل نماز میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ فقط طریق ادا میں اختلاف تھا۔ ہر ایک کتاب و سنت کا عاشق تھا۔ ہر ایک کو فکر یہ تھی کہ عبادت اس طریقہ سے ادا کی جائے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک سب سے بہتر ہو۔ یہ اختلاف فکر و نظر کا اختلاف تھا جو شائبہ نفس اور ریاء سے پاک تھا اور کینہ اور حسد اور اختصام اور جدال سے کوسوں دور تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام باوجود ان اختلافات کے بلاتردد ایک دوسرے کی نماز میں اقتدا کرتے تھے اور باہمی محبت اور مودت پر ذرہ برابر اس اختلاف کا کوئی اثر نہ تھا اور ایسا اختلاف بلاشبہ رحمت ہے۔ صحابہؓ کے اختلاف سے دین پر عمل کرنے کی مختلف صورتیں اور مختلف شکلیں سامنے آئیں۔ غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کے طریقے معلوم ہوئے امت کے لئے سہولت ہوئی کہ ان نجومِ ہدایت میں سے جس کی بھی اقتداء کریں گے ہدایت پائیں گے۔

غرض یہ کہ صحابہ کرام کا باہمی اختلاف فقط فروعی اور اجتہادی مسائل میں تھا اصول اور عقائد میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ صحابہ کرامؓ کی طرح اصول دین اور عقائد میں متفق تھے اور صحابہؓ کی طرح فروعی اور اجتہادی مسائل میں مختلف تھے۔

جس طرح تمام انبیاء کرام کا دین ایک ہے اور شریعتیں مختلف ہیں اسی طرح فقہاء کرام کا فروعی مسائل میں اختلاف انبیاء کرام کی مختلف شریعتوں کے اختلاف کا نمونہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ میری امت کے علماء انبیاء کے وارث ہیں۔

اور جس طرح انبیاء کی شریعتوں کا اختلاف عین رحمت ہے جو بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں اور رحمتوں پر مبنی ہے اسی طرح فقہاء کا فروعی مسائل میں اختلاف بھی رحمت ہے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

یہ تو ناممکن ہے کہ دنیا میں اختلاف نہ ہو۔لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ اختلاف کیسا اور کس قسم کا ہے۔اگر وہ اختلاف اغراض اور نفسانی خواہشوں پر مبنی ہے تو بلاشبہ مذموم اور زحمت ہے جیسے اسمبلی اور الیکشن میں دو پارٹیوں کا اختلاف۔ جو خودغرضیوں اور کینوں اور عداوتوں کا پورا پورا آئینہ ہوتا ہے۔الیکشن کے اختلاف کو جس لڑائی سے تشبیہ دیدی جائے تو ان شاءاللہ دنیا کا کوئی جھگڑا گندگی اور پلیدی میں الیکشن کے اختلاف کے پاسنگ بھی نہ ہوگا اور اگر وہ اختلاف، اختلاف فکر ونظر ہے جیسے وزراء اور ارکانِ دولت اور خیر خواہان سلطنت کسی ملکی مسئلہ پر غور وفکر کرتے ہیں اس وقت بھی رائیں مختلف ہوتی ہیں، لیکن یہ اختلاف سراسر رحمت ہوتا ہے۔مختلف انظار اور افکار کے جمع ہونے سے مسئلہ کا مالہ و ما علیہ اور مسئلہ کے تمام اطراف اور جوانب اور اس کے تمام پہلو سامنے آجاتے ہیں اور حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور مشکلات سے نکلنے کا راستہ نظر آجاتا ہے۔ایسی مجلس عجیب مجلس ہوتی ہے۔نظر وفکر کی جولانگاہ اور عقل اور تدبر کی نمائش گاہ ہوتی ہے۔فقہاء کرام کا اختلاف اسی قسم کا تھا۔

صحابہ اور تابعین سے جو عقائد ثابت ہیں وہ صراحۃً کتاب اور سنت سے ثابت ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں اور یہی عقائد مدارِ نجات ہیں اور انہی پر ایمان اور کفر کا فیصلہ ہوتا ہے۔

اصول دین اور عقائد اسلام میں ائمہ اربعہ کا کوئی اختلاف نہیں فروعی مسائل میں اختلاف ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف ایسا ہے کہ اندھیری رات میں قبلہ مشتبہ ہو جائے اور قبلہ کے بارے میں رائیں مختلف ہو جائیں تو ایک بے خبر آدمی یہ سوچتا ہے کہ ان میں سے قبلہ کی شناخت میں کون افضل اور اکمل ہے۔ جو افضل ہوگا اسی کا اتباع کرے گا اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اس وقت تک نماز نہ پڑھوں گا جب تک یہ سب لوگ قبلہ کے بارے میں متفق الرائے نہ ہو جائیں۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص نماز پڑھنا نہیں چاہتا۔ نماز نہ پڑھنے کے لئے ایک بہانہ تراشا ہے۔

اسی طرح فقہی اور دینی مسائل میں سمجھنا چاہیئے جو تمہارے اعتقاد میں سب سے زیادہ علم اور فہم رکھتا ہو اس کی تقلید اور اتباع کرو۔

اگر تم بیمار ہو جاؤ اور شہر میں متعدد طبیب رہتے ہوں تو ایسے طبیب کا علاج پسند کرو گے جو تمہارے خیال میں سب سے زیادہ علم طب کا ماہر ہے۔

تم کو یہ اختیار ہے کہ جس طبیب کا چاہو علاج کرو مگر یہ اختیار نہیں کہ چار طبیبوں کے تجویز کردہ نسخوں میں سے جونسی دوا تم کو لذیذ معلوم ہو اس کو لے لو اور باقی کو چھوڑ دو۔

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر طبیب کا طریق علاج مختلف ہے مگر اصول طب میں کوئی اختلاف نہیں۔ پس اگر کوئی مریض یہ کہے کہ میں اس وقت تک علاج نہ کراؤں گا جب تک تمام طبیب ایک طریق پر متفق نہ ہو جائیں تو اہل عقل سمجھ جائیں گے کہ یہ مریض کا بہانہ ہے۔ اس بہانہ سے یہ مریض اپنا علاج ہی کرانا نہیں چاہتا۔ جو مریض اطباء کے اختلاف کو علاج نہ کرنے کا بہانہ بناتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا انجام سوائے ہلاکت اور موت کے کچھ نہیں۔

اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ میں اس وقت تک دین پر عمل نہ کروں گا جب تک ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کا اختلاف ختم نہ ہو جائے تو خوب سمجھ لو کہ یہ شخص بے دین ہے۔ فقہاء کے اختلاف کو بہانہ بنا رہا ہے۔ وہ دنیا کا کون سا فن ہے جس میں اس فن کے ماہرین کا اختلاف نہ ہو۔ مسائل طبیہ میں اطباء کا اختلاف ہے اور مسائل فلسفہ میں حکماء کا اختلاف ہے۔ مگر سب جانتے ہیں کہ یہ اختلاف، اختلافِ نظر و فکر ہے اور ایسا اختلاف عالم کے لئے رحمت

ہے۔ اسی طرح فقہاء کرام کے اختلاف کو سمجھو کہ وہ اختلاف بھی رحمت ہے بلکہ اطباء اور حکماء کے اختلاف سے ہزاروں درجہ بڑھ کر رحمت ہے۔

لہٰذا کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں احکام شرعیہ پر اس لئے عمل نہیں کرتا کہ فقہاء میں اختلاف ہے یہ بعینہ ایسا ہی ہے کہ کوئی مریض شدید بیماری میں مبتلا ہو اور کوئی طبیب اس کے لئے دوا تجویز کرے تو وہ مریض یہ کہے کہ چونکہ بعض دواؤں کے گرم اور سرد ہونے میں اطباء مختلف الرائے ہیں۔ لہٰذا میں اس وقت تک علاج نہ کروں گا، جب تک اطباء کا یہ اختلاف رفع نہ ہو جائے۔ یا کم از کم مجھ کو کوئی شخص یہ بتلا دے کہ یہ اختلاف کیونکر رفع ہو سکتا ہے۔ اختلاف ایک امر ازلی اور ضروری ہے۔ جب تک عالم ہے اس وقت تک اختلاف بدستور قائم رہے گا۔

وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَ تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ.

ہمیشہ لوگ مختلف رہیں گے مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائیں اور اسی واسطے لوگ پیدا کئے گئے اور تیرے پروردگار کا حکم تمام اور پورا ہوا۔

الغرض اختلافِ خلق اور اختلافِ کائنات، حق تعالیٰ کی قضاء ازلی ہے۔ اس کی قضاء کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اور نہ یہ کسی کی قدرت میں ہے کہ وہ باہمی اختلافات کو رفع کر سکے یا کوئی ایسا طریقہ قائم کر دے جس سے ہمیشہ کے لئے اختلاف رفع ہو جائے۔

اگر امور دینیہ میں اختلاف ہے تو امور دنیویہ میں اس سے ہزار درجہ بڑھ کر اختلاف ہے لیکن باایں ہمہ کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ میں دنیا کا کام اس وقت تک نہ کروں گا جب تک تمام لوگ متفق الرائے نہ ہو جائیں۔

پس اگر فقہاء اور علماء کے اختلاف آراء کی وجہ سے دین کا ترک جائز ہے تو اہل دنیا کے اختلاف کی وجہ سے پہلے دنیا کا ترک ضروری ہونا چاہئے۔ معلوم ہوا کہ دین تو چھوڑ چکے ہیں اور اختلاف کا ذکر محض بہانہ ہے۔

پس جس طرح دنیا میں اختلافِ آراء کے وقت احتیاط کا طریقہ اختیار کرتے ہو اسی طرح مسائل دینیہ میں اختلاف کے وقت احتیاط کا طریقہ اختیار کرو۔ مثلاً ایک امام کہتا ہے

کہ عورت کے ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور دوسرا امام کہتا ہے کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔ ایسی صورت میں آپ جس امام کو علم اور تقویٰ میں بڑھا ہوا سمجھیں اس کی پیروی کریں یا جس میں احتیاط سمجھیں۔ اس پر عمل کریں۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ سرے سے وضو ہی کو چھوڑ بیٹھیں اور یہ کہنے لگیں کہ جب تک فقہاء متفق الرائے نہیں ہو جائیں گے اس وقت تک میں وضو ہی نہ کروں گا۔ یہ عذر نہیں بلکہ گریز اور پہلو تہی ہے۔

فرقہ ناجیہ کی تعیین

نبوت ختم ہوگئی اور دین مکمل ہو گیا اور حضور پُر نور ﷺ نے پیشین گوئی فرما دی کہ میرے بعد میری امت میں اختلاف ہوگا اور مختلف فرقے پیدا ہوں گے وہ سب ناری ہوں گے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا اور یہ بھی بتلا دیا کہ حق اور صداقت اور نجات کا معیار کیا ہوگا ''ما انا علیه و اصحابی ''یعنی جو فرقہ میرے طریقہ پر اور میرے صحابہ کے طریقہ اور ان کے نقشِ قدم پر چلے گا وہ ناجی ہوگا۔ اس لئے کہ کتاب وسنت کا مفہوم اور جو علوم کتاب و سنت سے ماخوذ اور مستفاد ہوں گے وہ وہی ہوں گے جو صحابہ کرامؓ نے سمجھے ہیں ہر بدعتی اور گمراہ اپنے فاسد عقائد کو اپنے زعم اور خیال میں کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ہونے کا مدعی ہے لہٰذا کتاب وسنت کے وہی معانی اور مفاہیم معتبر ہوں گے جو حضرات صحابہؓ نے سمجھے ہیں اس کے خلاف کسی مفہوم کا اعتبار نہ ہوگا۔ جو شخص صحابہ کرامؓ کے خلاف کتاب وسنت کا کوئی مفہوم بیان کرے بس یہی اس کے گمراہ اور بے عقل ہونے کی دلیل ہے۔ اگر صحابہؓ نہیں سمجھے تو یہ نیم عربی داں اور یہ نیم انگریزی خواں کہاں سے سمجھ گیا؟ یہ نیم کی قید اس لئے لگائی کہ پورا عربی داں تو وہی سمجھے گا جو صحابہؓ و تابعین اور سلفِ صالحین نے سمجھا اور پورا انگریزی داں جو عربی سے بالکل بے خبر ہوگا سو اگر وہ عاقل ہوگا وہ کتاب وسنت کے بارے میں کچھ لب کشائی نہ کرے گا۔ اس لئے عاقل اور دانا اس کتاب کے مطلب بیان کرنے پر کبھی جرأت نہیں کرسکتا جس کتاب کی وہ زبان نہ جانتا ہو جس طرح ایک عربی زبان کا فاضل اور ادیب انگریزی قانون کی شرح کے بارے میں لب کشائی نہیں کرسکتا اسی طرح ایک انگریزی داں قرآن وحدیث کی تفسیر پر لب کشائی نہیں کرسکتا اور محض ترجمہ دیکھ کر اپنے کو

قانون دان سمجھنا بھی نادان ہونے کی دلیل ہے۔

جس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، حق تعالیٰ کی اطاعت کا نمونہ ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ نبی اکرم ﷺ کا نمونہ ہیں۔ لہٰذا جس طرح سنت نبوی اور اسوہ پیغمبری کو طریقہ خداوندی سے جدا نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اسوہ صحابہ کو اسوہ نبوی سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ خدا تعالیٰ کا دین اور اس کے احکام ہم تک انہیں دو واسطوں سے پہنچے ہیں۔ قرآن کریم نبی کریم اور رسول عظیم کے صحابہ کی مدح سے بھرا پڑا ہے۔ بغیر ان دو واسطوں کے مانے ہوئے دین باقی نہیں رہ سکتا۔

لہٰذا فرقہ ناجیہ وہ فرقہ ہوگا جو ان دو واسطوں کو مانتا ہو۔ یعنی نبی کریم ﷺ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ کو مانتا ہو۔ وہ اہل سنت والجماعت کا گروہ ہے۔ شیعوں نے تو صحابہؓ کو کافر اور گمراہ قرار دیا اور خارجیوں نے صحابہ کرامؓ کی نصف جماعت کو کافر قرار دیا۔ اہل سنت والجماعت نے سنتِ نبوی کو بھی لیا اور تمام صحابہؓ اور اہل بیت کو اپنا اسوہ اور قدوہ بنایا اور جن سے خدا اور اس کا رسول راضی ہوا ان سے یہ بھی راضی ہوئے اور ان کے طریقہ پر چلنے کو خدا اور اس کے رسول کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھا۔ اللہ تعالیٰ تو صحابہ کرامؓ سے راضی ہے۔ قرآن کریم رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے بھرا پڑا ہے۔ اگر کوئی بدنصیب صحابہؓ سے راضی نہیں تو بلا سے راضی نہ ہو۔ خدا کی رضامندی کے بعد کسی کی رضامندی کی ضرورت نہیں۔ یہ شخص اپنے لئے سوچے کہ خدا کو کس طرح راضی کرے گا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اہل ہوا اور اہل بدعت کے اصل سرگروہ چھ فرقے ہیں:

۱۔ خوارج ۲۔ شیعہ ۳۔ قدریہ (جس کی ایک شاخ معتزلہ ہے)

۴۔ مرجیہ ۵۔ مشبہہ ۶۔ جہمیہ

پھر ان چھ فرقوں کی شاخیں ہیں جو مل کر بہتر تک پہنچ جاتی ہیں اور ان تمام فرقوں کی اعتقادات حضرات صحابہ کے اعتقادات سے ہٹے ہوئے ہیں، اس لئے ان کو فرق ضالہ گمراہ فرقے کہا جاتا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ جن بہتر فرقوں کے بارے میں کلہم فی النار آیا ہے (سب دوزخ میں جائیں گے) اس سے دوزخ کا دائمی عذاب مراد نہیں۔ اس لئے

کہ دوزخ کا دائمی عذاب ایمان کے منافی ہے۔ دائمی عذاب کفار کے ساتھ مخصوص ہے اور چونکہ یہ بدعتی فرقے سب اہل قبلہ ہیں اس لئے ان کی تکفیر میں جرأت نہ کرنی چاہئے جب تک کہ دینی ضروریات کا انکار اور احکام شرعیہ کے متواترات کو رد نہ کریں اور ان احکام کے جو دین سے ضروری اور بدیہی طور پر ثابت ہو چکے ہوں منکر نہ ہوں۔ انتہیٰ ملخصاً مکتوب ۳۸ از دفتر سوم۔

فائدہ جلیلہ

جاننا چاہئے کہ علماء متکلمین نے ان بہتر ۷۲ فرقوں کو اپنی کتابوں میں شمار کیا ہے لیکن تکلف سے خالی نہیں اس لئے کہ اگر ظاہر اور مشہور فرقوں کی تعداد دیکھی جائے تو بہتر سے بہت کم ہے اور اگر مشہور اور غیر مشہور سب کو شمار کیا جائے تو تعداد بہتر سے بڑھ جاتی ہے۔

لہٰذا احتیاط کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرقہائے امت کے افتراق کو کسی زمان اور مکان کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا۔ ممکن ہے کہ بعض فرقے ابھی پیدا بھی نہ ہوئے ہوں اور آئندہ چل کر پیدا ہوں۔ نیز دو فرقے جب کہلاتے ہیں کہ جب ان کے اصول مذہب مختلف ہوں۔ لیکن اگر دو فرقے ایسے ہوں کہ ظاہراً تو باہم مختلف ہوں لیکن اصول دونوں فرقوں کے ایک ہوں تو وہ دو فرقے ملا کر ایک ہی فرقہ سمجھے جائیں گے۔ اسی طرح ان تمام شاخ در شاخ فرقوں کی تعداد اصولی اختلاف کے لحاظ سے انشاء اللہ تعالیٰ بہتر سے متجاوز نہ ہوگی۔

اور چونکہ یہ بہتر فرقے سب اہل قبلہ ہیں اس لئے ان کے لئے یہ شرط ہوگا کہ ضروریات اسلام اور قطعیات دین کے منکر نہ ہوں۔ اس لئے کہ جو شخص ضروریاتِ دین کا منکر ہو وہ اہل قبلہ میں سے نہیں۔ مثلاً اگر کوئی رافضی حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہو یا تحریفِ قرآن کا قائل ہو یا حضرت جبرئیلؑ سے وحی لانے میں غلطی کا قائل ہو تو اس قسم کا عقیدہ رکھنے والا ہرگز اہل قبلہ سے نہ ہوگا۔

فرقہ خوارج

اسلام میں سب سے پہلا فرقہ خوارج کا ہے جو حضرت عثمان غنیؓ کے اخیر زمانۂ خلافت میں ظاہر ہوا جس کا آغاز حضرت عثمان غنی کی طرز حکومت پر نکتہ چینی سے ہوا۔ یہ گروہ صحابۂ کرامؓ کے عقائد سے ہٹا ہوا تھا اور پھر عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد اسی فرقہ نے حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا اور ان کی اطاعت سے خروج کیا حضرت علیؓ نے ان کے ساتھ قتال کیا۔ اور اس فرقہ کے آدمیوں کو بہت قتل کیا۔ مگر بایں ہمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس فرقہ کے خروج اور ظہور کی خبر دی تھی۔ یہ احادیث صحاح ستہ میں مذکور ہیں۔ یہ فرقہ حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت معاویہ سب کو برا جانتا ہے اور ان سب کو ان آیات اور احادیث کا مصداق بتاتا ہے کہ جو باہمی قتل وقتال اور جنگ وجدال کی مذمت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور عجیب عجیب تاویلیں کر کے ان آیات اور احادیث کو ان حضرات پر منطبق کرتا ہے۔ تمام خوارج کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان اور حضرت زبیر اور حضرت طلحہ اور حضرت عائشہ اور حضرت معاویہ سب کافر ہیں۔ معاذ اللہ معاذ اللہ جب یہ حضرات بھی کافر ہو جائیں تو پھر دنیا میں مسلمان کون رہے گا۔

فرقہ شیعہ اور روافض

اسی زمانہ میں فرقہ خوارج کے بالمقابل ایک فرقہ شیعہ پیدا ہوا جو اپنے کو حضرت علیؓ کا طرفدار بتاتا تھا ان لوگوں نے طرفداران علی کا نام شیعیان علی رکھ لیا تھا۔ بعض شیعوں کو حضرت علی کی محبت میں اس قدر غلو ہوا کہ حضرت علی کو خدا سمجھنے لگے۔ یہ لوگ دراصل زندیق تھے ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے ورنہ در پردہ کافر تھے۔ حضرت علی نے اولاً ان کو سمجھایا اور منع کیا مگر جب نہ مانے تو ان کو قتل کیا اور قتل کرنے کے بعد عبرت کے لئے آگ میں جلایا۔ اس فرقہ کا نام فرقہ سبائیہ ہے۔ جس کا سرگروہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ یہ فرقہ حضرت علی کی الوہیت کا اعتقاد رکھتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ حضرت علی سے جو عجیب وغریب علوم و

معارف ظاہر ہو رہے ہیں وہ سب خواص الوہیت سے ہیں جو لباس بشریت میں جلوہ گر ہو رہے ہیں۔ یہ فرقہ بلاشبہ ملتِ اسلامیہ اور امت اسلام سے خارج ہے۔

عام طور پر شیعوں کا مشترک عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد امام برحق حضرت علیؓ ہیں اور امامت حضرت علی کی اولاد سے باہر نہیں جاسکتی۔ اور اگر جائے گی تو وہ بوجہ ظلم و ستم اور بطور غصب کے ہوگی۔ شیعوں میں بہت فرقے ہیں سب سے زیادہ غالی یہ فرقہ سبائیہ ہے جو عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب ہے۔ عبداللہ بن سبا نے اول یہ کہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی تھے بعد میں یہ کہا کہ حضرت علی خدا تھے۔ اور کچھ اس کے پیرو ہو گئے۔ جب حضرت علی کو اس کی خبر ہوئی تو ان لوگوں کو جلانے کا حکم دیا۔ دیکھو کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۲۳ (للامام عبدالقاہر البغدادی المتوفی ۴۲۹ھ)

حضرت علی کے طرفداروں میں ایک فرقہ وہ تھا جو حضرت ابوبکر کی افضلیت میں کلام کرتا تھا اور حضرت علی کو سب سے افضل سمجھتا تھا اس فرقہ کا نام فرقہ تفضیلیہ ہے جو شیعوں کے سب فرقوں میں بسا غنیمت ہے۔ حضرت علی نے اس فرقہ کی اصلاح کے لئے اپنے دارالخلافۃ کوفہ میں برسرِ منبر اور برسرِ مجالس اس کا اعلان فرمایا کہ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر تمام امت میں سب سے افضل ہیں اور جلوت اور خلوت میں شیخین کی فضیلت کو ظاہر فرمایا اور یہاں تک فرمایا کہ جو شخص مجھ کو ابوبکر اور عمر پر فضیلت دے گا تو میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جو مفتری کی سزا ہے۔ پھر شیعوں میں بہت سے فرقے پیدا ہو گئے۔

(۱) فرقہ سبائیہ جو حضرت علی کی الوہیت کا اعتقاد رکھتا تھا اس گروہ کا سرغنہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ وہ حضرت علی کو خدا کہتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ ابن ملجم نے حضرت علی کو قتل نہیں کیا بلکہ ان کی شکل میں شیطان نمودار ہوا تھا اس کو قتل کیا اور حضرت علی تو بادلوں میں رہتے ہیں اور بجلی کی چمک ان کا تازیانہ ہے اس فرقہ کے لوگ بادل کی کڑک سن کر علیک السلام یا امیر المومنین کہتے ہیں۔

(۲) دوسرا فرقہ غرابیہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل کو وحی دے کر علی کے پاس بھیجا تھا ان سے غلطی ہوگئی کہ وحی لے کر محمد ﷺ کو پہنچادی۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ علی اور محمد صورت اور شکل میں ایک دوسرے کے ایسے مشابہ تھے جیسے ایک غراب (کوا)

دوسرے غراب (کوے) کے مشابہ ہوتا ہے اس صوری مشابہت کی وجہ سے جبریل کو اشتباہ ہوگیا اور دونوں میں امتیاز نہ کر سکے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

جبرئیل کہ آمد ز بر خالقِ بے چوں در پیش محمد شد و مقصود علی بود[1]

یہ فرقہ بلاشبہ کافر ہے۔ لعنۃ اللہ علیہا عدد غرابیب العالم۔

(۳) تیسرا فرقہ امامیہ ہے جو اپنے آپ کو آئمہ اثنا عشر (بارہ اماموں) کی طرف منسوب کرتا ہے اور ان کی محبت کا مدعی ہے۔ جن کو سبیہ اور تبرائیہ بھی کہتے ہیں۔ سبیہ سب بمعنی دشنام سے مشتق ہے۔ اس گروہ کے نزدیک صحابہ کرام کو سب وشتم اعلیٰ ترین عبادت ہے بلکہ ذکر الٰہی سے بھی افضل ہے اور صحابہ سے تبری اور بیزاری ان کے نزدیک ایمان کا جزء ہے۔ یہ فرقہ صحابہ کو ظالم اور غاصب بلکہ کافر اور منافق جانتا ہے اور قرآن کریم کو محرف سمجھتا ہے۔

پس روافض کے جو فرقے صحابہ کرام کو کافر اور منافق جانتے ہیں اور قرآن کریم کو محرف سمجھتے ہیں اور عائشہ صدیقہ اور دیگر ازواج مطہرات کی عفت اور نزاہت کے قائل نہیں۔ بظاہر ایسے لوگوں کو مسلمان کہنا بہت دشوار نظر آتا ہے اور اگر بالفرض انتہائی احتیاط کی بنا پر اس قسم کے لوگوں کو کافر نہ کہا جائے تو اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ کفر کے کنارہ پر تو ضرور کھڑے ہوئے ہیں۔

(۴) چوتھا فرقہ تفضیلیہ ہے جو صحابہ کرام کو برا تو نہیں کہتا لیکن حضرت علی کو سب سے افضل بتاتا ہے۔ شیعوں میں یہ فرقہ سب فرقوں سے افضل اور بہتر اور غنیمت ہے اور اسلام کے قریب ہے غرض یہ کہ شیعوں کے بہت سے فرقے جن کی تفصیل تحفہ اثناعشریہ میں مذکور ہے اور ہر فرقہ کا حکم اس کے اعتقاد کے مطابق ہے اور یہ فرقہ جو حضرت علی کو صدیق اکبر سے افضل بتاتا ہے اگر چہ دوسرے شیعہ فرقوں سے غنیمت ہے مگر اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اس لئے کہ اس فرقہ کے نزدیک تمام صحابہ خاطی ہیں یعنی خطا پر ہیں کہ انہوں نے افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کو کیوں خلیفہ بنایا۔ اور یہی اس شخص کے خطا کار ہونے کی دلیل ہے۔

---

(۱) جبرئیل علیہ السلام اللہ کی طرف سے بغیر کہے آئے محمد کے پاس اترے جبکہ مقصود حضرت علی تھے۔

فرقہ قدریہ اور جبریہ

صحابہؓ کے اخیر زمانہ میں ایک فرقہ قدریہ ظاہر ہوا جو قضاو قدر کا منکر ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ قضاء وقدر کچھ نہیں۔ بندہ مختار مطلق ہے بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے پہلے سے کوئی شے مقدر نہیں حتیٰ کہ حق تعالیٰ کو پہلے سے بندہ کے افعال کا علم بھی نہیں ہوتا۔ بندہ کے کرنے کے بعد حق تعالیٰ کو علم ہوتا ہے۔ معبد جہنی اور غیلان دمشقی اور جعد بن درہم اس مسلک کے حامی اور مددگار بلکہ علم بردار تھے۔ متاخرین صحابہؓ نے (جن کے زمانہ میں یہ لوگ ظاہر ہوئے) ان لوگوں سے تبری اور بیزاری ظاہر فرمائی۔ چنانچہ عبداللہ بن عمر اور جابر بن عبداللہ اور ابوہریرہ اور ابن عباس اور انس بن مالک اور عبداللہ بن ابی اوفی اور عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہم اپنے اصحاب کو یہ وصیت کرتے تھے کہ قدریہ پر نہ سلام کرنا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور نہ ان کے مریض کی عیادت کرنا۔ ان میں سے جو فرقہ سرے سے اللہ تعالیٰ کے علم ہی کا منکر ہے وہ تو اسلام سے خارج ہے۔ البتہ جو فرقہ بندہ کو مختار مطلق اور اپنے افعال کا خالق سمجھتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔ اسی زمانہ میں اس کے بالمقابل ایک دوسرا فرقہ پیدا ہوا کہ بندہ شجر اور حجر کی طرح مجبور محض ہے بندہ کو قضاء قدر جدھر لے جاتی ہے اسی طرف بندہ جاتا ہے۔ اس فرقہ کا نام فرقہ جبریہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ بندہ شجر اور حجر کی طرح مجبور محض ہے۔ بندہ جو بھی کرے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

فرقہ معتزلہ

پھر تابعین کے اخیر زمانہ میں ایک فرقہ نکلا جو فلسفیانہ خیالات کی بنا پر کتاب وسنت کی نصوص میں تاویل کرتا تھا۔ اور یہ کہتا تھا کہ آخرت میں دیدار الٰہی ناممکن ہے اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے آدمی نہ مومن رہتا ہے اور نہ کافر۔ یہ گروہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک درمیانی مرتبہ اور درمیانی واسطہ کا قائل تھا۔ واصل بن عطا اس فرقہ کا سرگروہ تھا۔ حسن بصریؒ نے اس کو اپنی مجلس سے نکل جانے کا حکم دیا اور فرمایا "اعتزل عنا" ہم سے الگ ہو جا۔ اس وجہ سے اس فرقہ کا نام معتزلہ ہو گیا جس کے عقائد علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ پھر اس

فرقہ میں بیس فرقے ہو گئے۔ جن میں سے بعض بعض کو کافر بتاتے ہیں۔

فرقہ معتزلہ درحقیقت فرقہ قدریہ کی ایک شاخ ہے اور خوارج اور مرجیہ کے بین بین ہے کہ نہ تو مرجیہ کی طرح معصیت اور گناہ کبیرہ کو ایمان کے لئے غیر مضر سمجھتا ہے اور نہ خوارج کی طرح مرتکب کبیرہ کو کافر کہتا ہے، بلکہ یہ کہتا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب بین بین ہے اور نہ مومن ہے اور نہ کافر۔

فرقہ مشبہہ

جو فرقے ملت اسلامیہ کے قائل ہیں ان میں سے ایک فرقہ فرقہ مشبہہ ہے جو خالق کو مخلوق کے مشابہ مانتا ہے۔ ان میں سے جو لوگ غالی ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ ایک جسم ہے ہماری طرح اس کے اعضاء اور جوارح ہیں یعنی وجہ اور ید اور قدم اور ساق اس کے لئے ثابت ہیں اور وہ خدا عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور ان میں جو ذرا معتدل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لئے وجہ اور ید اور قدم اور ساق ثابت تو کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا وجہ ہمارے وجہ کی طرح نہیں اور اس کا قدم اور اس کی ساق ہماری قدم اور ساق کے مشابہ نہیں۔ متکلمین کے اصطلاح میں اس معتدل فرقہ کا نام حشویہ ہے جو نصوص کے ظاہری الفاظ اور ظاہری سطح سے ہٹنا نہیں چاہتا مگر تجسیم اور تشبیہ سے بچنے کے لئے لیس کمثلہ شی کا بھی اقرار کرتا ہے۔

اس فرقہ کی تفصیل کے لئے امام ابو الحسن اشعری کی مقالات الاسلامیین جلد ا صفحہ ۲۵۷ اور کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۲۵ للاستاذ عبد القاہر بغدادی دیکھیں۔

فرقہ مشبہہ کے مقابلہ میں ایک فرقہ معطلہ ہے جو صفات خداوندی کا منکر ہے اور یہ فرقہ انکار صفات کو توحید اور اثبات صفات کو شرک سمجھتا ہے جس کی ایک شاخ فرقہ جہمیہ ہے۔

اس ناچیز نے اپنی تالیف تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری جلد بستم میں بقدر ضرورت فرقِ اسلامیہ کا ذکر کر دیا ہے۔ حضرات اہلِ علم اس کی مراجعت کریں۔

فرقہ مرجیہ

فرقہ معتزلہ کے بعد ایک فرقہ مرجیہ پیدا ہوا جو یہ کہتا تھا کہ صرف ایمان لے آنا کافی ہے عمل صالح ضروری نہیں اور ایمان لانے کے بعد کوئی معصیت مضر نہیں اور کوئی طاعت ضروری نہیں۔ مرجیہ کے نزدیک ایمان کی حقیقت صرف اللہ کی معرفت اور اس کی محبت ہے نجات کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے طاعت اور عبادت ضروری نہیں۔

فرقہ جہمیہ

خلافت عباسیہ کے زمانہ میں ایک فرقہ پیدا ہوا جس کا نام جہمیہ ہے جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے۔ جہم بن صفوان اس فرقہ کا سرگروہ تھا اور جعد بن درہم اس کا معین اور مددگار تھا۔ یہ صفاتِ باری تعالیٰ کے منکر تھے اور قرآن کو مخلوق اور حادث بتلاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر خدا کی صفات ہوں گی اور لامحالہ دائم اور قائم ہوں گی تو تعدد قُدَما لازم آئے گا جو توحید کے خلاف ہے۔ یہ فرقہ درحقیقت فرقہ معطلہ کی ایک شاخ ہے جو صفات خداوندی کا منکر ہے یہ فرقہ انکار صفات کو توحید اور اثبات صفات کو شرک سمجھتا تھا۔ یہ لوگ فلسفیانہ خیالات سے مسلمانوں کے عقائد میں مشکوک اور شبہات پیدا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ واثق باللہ عباسی اور معتصم باللہ بھی ان کے ہمنوا ہوئے اور امام احمد بن حنبل اور دیگر علماء اسلام کو ان سے بہت تکلیفیں پہنچیں۔

فائدہ:

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ چار مذہب یعنی (۱) قدریہ اور (۲) مذہب مرجیہ اور (۳) مذہب خوارج اور (۴) مذہب روافض۔ یہی چار مذہب باقی مذاہب باطلہ کے پیدا ہونے کے سبب ہیں جیسا کہ اخلاط اربعہ (چار خلط) خون اور صفراء اور بلغم اور سوداء امراضِ مختلفہ کے پیدا ہونے کے سبب ہیں (ازالۃ الخفاء) اور بعض متکلمین نے فرق ضالہ کو چھ فرقوں میں منحصر کیا ہے۔ جبریہ اور قدریہ، خوارج اور روافض اور معطلہ اور

مشبہہ اور پھر ہر فرقہ کی بارہ بارہ شاخیں ہیں اس طرح سے بہتر فرقے ہو گئے۔ یہ اسلام کے مشہور فرقے ہیں اور ہر فرقہ کے شاخیں ہیں مثلاً خوارج کے اندرونی فرقے بیس ہیں اور اسی طرح روافض کے فرقے بھی بیس ہیں اور قدریہ اور مرجیہ کے بھی مختلف فرقے ہیں جن کی تفصیل ملل ونحل کی کتابوں میں ہے۔ یہ سب مل کر بہتر ہو جاتے ہیں اور تہترواں فرقہ، فرقہ ناجیہ ہے جو اہل سنت والجماعت کے نام سے موسوم ہے۔

جاننا چاہئے کہ ان فرقوں میں بعضے فرقے ایسے بھی ہیں کہ جو قطعیات اسلام اور ضروریات دین کے منکر ہیں وہ کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ مثلاً جو لوگ حضرت علی کی الوہیت کے قائل ہیں، یا قرآن کریم میں تحریف کے قائل ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل سے وحی پہنچانے میں غلطی ہوئی۔ بجائے حضرت علی کے آنحضرت ﷺ کے پاس لے گئے، اس قسم کا عقیدہ رکھنے والوں کا اسلامی فرقوں میں شمار نہیں۔ البتہ جو فرقے اسلام کی قطعی الثبوت چیزوں میں شک نہیں رکھتے وہ اسلامی فرقے سمجھے جائیں گے۔ خلفائے ثلاثہ کے فضائل کے بارہ میں اور حسن خاتمہ اور جنت اور رضاء خداوندی کی بشارتوں کے بارے میں جس قدر آیات نازل ہوئیں اور احادیث صحیحہ اور صریحہ وارد ہوئیں وہ درجہ تواتر کو پہنچی ہیں۔ فرداً فرداً اگرچہ وہ آحاد ہیں لیکن کثرت طرق کی وجہ سے بلاشبہ وہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں اور بلاشبہ وحی الٰہی ہیں اور وحی الٰہی کی مخالفت یقیناً کفر ہے اور اہل تشیع جو ان کی مذمت میں روایتیں ذکر کرتے ہیں وہ سب شیعوں کی من گھڑت ہیں اور کتب شیعہ قابلِ اعتبار نہیں اس لئے کہ شیعوں کے نزدیک اپنے فائدہ اور بھلائی کے لئے جھوٹی شہادت اور جھوٹی روایت بنا لینا فقط جائز ہی نہیں بلکہ عبادت ہے لہٰذا ایسی کتابوں کا کیا اعتبار؟ شیعوں میں بہت سے فرقے ہیں مگر حضرت علی کی افضلیت اور خلافت بلافصل اور صحابہ کرام سے تبری اور بیزاری میں اور سوائے حضرت خدیجہ کے بقیہ ازواج کے حق میں زبان درازی میں اور تقیہ میں اور متعہ میں اور بدا میں کم وبیش سب فرقے ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ. (۱)

---

(۱) اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے۔ (نور/۴۰)

علم کلام کی تدوین کا آغاز[1]

امام اعظم ابوحنیفہ النعمان سے ہوا

صحابہ کرام کے اخیر دور میں جب اکابر صحابہ کرام اور اکابر علماء تابعین دنیا سے رخصت ہو گئے تو فرق ضالہ کا خروج اور ظہور شروع ہوا اور خوارج اور روافض اور قدریہ اور جہمیہ جیسے اہل ہوئی اور اہل بدعت ظاہر ہوئے تو ضرورت ہوئی کہ صحابہ کرام کے مسلک کے مطابق عقائد حقہ کو جمع کیا جائے اس بارہ میں سب سے پہلے امام اعظم ابوحنیفہ النعمان بن ثابت کوفی نے توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں چند رسائل اپنے اصحاب کو املاء کرائے:

۱۔ فقہ اکبر ۲۔ فقہ البسط ۳۔ کتاب العالم والمتعلم

۴۔ کتاب الوصیت ۵۔ رسالہ در بارہ تحقیق استطاعت وغیرہ

اور یہی رسائل اصول اسلام اور علم کلام کی بنیاد بنے۔

ان رسائل میں امام ابوحنیفہ نے اصول دین اور عقائد اسلام کو واضح اور منقح فرمایا اور خوارج اور شیعہ اور قدریہ اور دھریہ کے شکوک اور شبہات کے جوابات دیئے اور چونکہ بصرہ ان فرقِ باطلہ کا گڑھ تھا اس لئے امام ابوحنیفہؒ نے بیس مرتبہ سے زیادہ بغرض مناظرہ بصرہ کا سفر فرمایا اور لوگوں کو دلائل اور براہین سے ساکت اور لاجواب کیا جس سے تمام بلاد میں آپ کے فضل و کمال کا ڈنکا بج گیا اور آپ کے اصحاب اور تلامذہ نے بھی احقاق حق اور ابطال باطل میں یہی طریقہ اختیار کیا۔ خاص کر امام ابویوسف اور امام محمد اور امام زفر اور آپ کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ مبتدعین اور مخالفین کے مناظرہ میں معروف و مشہور ہوئے۔ یہ رسائل اگرچہ نہایت مختصر تھے مگر بقدر ضرورت اصول دین کی تحقیق پر مشتمل تھے لیکن مبوب اور مرتب نہ تھے۔

---

(۱) یہ تمام مضمون اشارات المرام من عبارات الامام للقاضی کمال الدین احمد البیاضی کے مقدمہ سے ماخوذ ہے جو گیارہویں صدی کے علماء میں سے ہیں۔ حضرات اہلِ علم اصل کی طرف مراجعت کریں۔

قاضی کمال الدین احمد بیاضی رومی جو گیارہویں صدی کے اکابر علماء روم میں سے ہیں انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے ان املا فرمودہ رسائل کو بحذف مکررات اور بحذف سوال و جواب متکلمین کی طرح ترتیب دے کر ایک متن تیار کیا جس کا نام رکھا ''الاصول المنیفہ للامام ابی حنیفہ'' اور متن میں اس امر کا خاص لحاظ رکھا کہ امام ابوحنیفہؒ کے الفاظ محفوظ رہیں ان میں تغیر وتبدل نہ ہونے پائے۔ پھر اس کی ایک مبسوط شرح لکھی جس کا نام ''اشارات المرام من عبارات الامام'' رکھا جو دلائل عقلیہ اور نقلیہ کا عجیب خزانہ ہے۔ اس لئے امام عبدالقادر بغدادی شافعی اپنی کتاب اصول الدین صفحہ ۳۰۸ میں فرماتے ہیں کہ فقہاء اور ارباب مذاہب میں سب سے پہلے متکلم امام ابوحنیفہ اور پھر امام شافعیؒ ہیں۔ امت محمدیہ میں سب سے پہلے متکلم جس نے اصول دین پر کلام کیا اور سب سے پہلے فقیہ جس نے حلال وحرام پر کلام کیا وہ امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ بعد ازاں امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب اور امام شافعیؒ کے اصحاب اصول دین اور عقائد اسلام کی تحقیق میں لگے رہے تاکہ مسلمانوں کو صحیح عقائد کا علم ہوتا رہے اسی سلسلہ میں امام طحاوی نے عقیدہ اہل السنت والجماعت کے نام سے کتاب لکھی جس کی وثاقت اور جلالت قدر پر تمام متکلمین اور محدثین متفق ہیں تا آنکہ امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی ظاہر ہوئے کہ انہوں نے صحابہ وتابعین کے عقائد کو دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے آفتاب کی طرح روشن کر کے دکھا دیا اور فرق ضالہ اور مبتدعین کی رد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جزاہم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا آمین یارب العالمین۔

امام ابوحنیفہ نے اول اصول دین یعنی علم کلام کو مدون فرمایا اس کے بعد علم فقہ کو مدون فرمایا، اور دونوں علموں کی اپنے شاگردوں کو تعلیم دی۔ امام ابوحنیفہ جب اصول دین اور علم کلام کے تدوین سے فارغ ہوئے تو تدوین فقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے تلامذہ اور اصحاب میں سے چالیس فضلا کو منتخب کیا اور چالیس فضلاء کے مشاورت اور بحث وتمحیص سے مسائل فقہیہ کو مدون کیا، اور کتاب وسنت کے دلائل سے ان کو مدلل کیا۔ حضرات اہل علم تفصیل کے لئے اشارات المرام کا دیباچہ اور مقدمہ دیکھیں۔

فرقہ ناجیہ صرف اہل سنت والجماعت کا فرقہ ہے

فرقہ ناجیہ یعنی عذاب خداوندی سے نجات پانے والا فرقہ صرف اہل سنت والجماعت کا فرقہ ہے اہل سنت والجماعت میں تین لفظ ہیں۔ایک لفظ اہل ہے جس کے معنی اشخاص اور افراد اور گروہ کے ہیں اور دوسرا لفظ سنت ہے جس کے معنی طریقہ کے ہیں اور تیسرا لفظ جماعت ہے جس سے جماعت صحابہ مراد ہے پس اہل سنت والجماعت اس گروہ کا نام ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کی سنت (طریقہ) پر اور جماعت صحابہ کے طریقہ پر ہو اور جو گروہ آنحضرت ﷺ کے طریقہ اور صحابہ کے طریقہ سے ہٹا ہوا ہو وہ اہلِ بدعت کا گروہ ہے۔

لفظ بدعت لفظ سنت کے مقابل ہے سنت اس طریقہ کو کہتے ہیں کہ جو حضور پُر نور ﷺ سے صراحۃً یا اشارۃً ثابت ہو اور جو نیا طریقہ آپ سے اور آپ کے صحابہ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔

اور حضرات فقہاء اور محدثین اور متکلمین اور اولیاء اور عارفین سب اہل سنت والجماعت ہیں اصولِ دین میں سب متفق ہیں ان حضرات میں اختلاف فروعی اور جزئی ہے اصولی نہیں۔

تاج الدین سبکی شرح عقیدہ ابن حاجب میں فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت محدثین اور متکلمین اور صوفیائے کرام اصول دین میں سب متفق ہیں۔ اختلاف صرف مبادی اور طرُقِ استدلال میں ہے۔

حضرات محدثین کے استدلال کے بنیاد زیادہ تر ادلہ سمعیہ یعنی کتاب وسنت اور اجماع امت پر ہے اور حضرات متکلمین کے استدلال کے بنیاد ادلہ سمعیہ کے ساتھ ادلہ عقلیہ پر بھی ہے۔ عقل اور نقل دونوں سے استدلال کرتے ہیں۔اور حضرات صوفیہ کرام ادلہ شرعیہ کے ساتھ کشف اور الہام اور وجدان باطنی سے بھی استدلال کرتے ہیں۔دیکھو حاشیہ اشارات المرام من عبارات الامام صفحہ ۲۹۸

الحمد للہ حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم کو فرقہ ناجیہ یعنی اہل سنت

والجماعت سے بنایا اور بدعتی اور ہوا پرست نہیں بنایا اور ہم کو اس طریقہ پر چلایا کہ جس پر آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین چلے اور یہی صراط مستقیم ہے۔

مذاہب اربعہ

اور اس زمانہ میں فرقہ ناجیہ (اہل سنت والجماعت) مذاہب اربعہ یعنی حنفیہ اور مالکیہ اور شافعیہ اور حنابلہ میں منحصر ہے ان چار مذہبوں سے خروج بدعت ہے۔ شرعاً غیر عالم کو عالم کا اتباع اور عقلاً ناقص کو کامل کا اتباع فرض اور لازم ہے اور جو مریض طبیب کی تقلید نہ کرے اس کا انجام ہلاکت ہے۔

اشاعرہ[1] اور ماتریدیہ

مسائل اعتقادیہ میں اہل سنت والجماعت کے دو گروہ ہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ۔
اشاعرہ امام ابوالحسن اشعری کے طرف منسوب ہیں جو چار واسطوں سے ابوموسیٰ اشعری صحابی رسول اللہ ﷺ کے اولاد میں سے ہیں سو جو لوگ مسائل اعتقادیہ میں امام ابوالحسن اشعری کے پیرو ہیں۔ وہ اشعری اور اشعریہ اور اشاعرہ کہلاتے ہیں۔

اور جو لوگ امور اعتقادیہ میں امام ابومنصور ماتریدی کے طریقہ پر چلتے ہیں وہ ماتریدی کہلاتے ہیں اور امام ابومنصور ماتریدی تین واسطوں سے امام محمد بن حسن شیبانی کے شاگرد ہیں جو امام ابوحنیفہؒ کے خاص شاگرد ہیں اور امام شافعی کے استاد ہیں۔ ان دونوں بزرگوں نے اصولِ دین اور مسائل اعتقادیہ میں بڑی تحقیق اور تدقیق کی ہے اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے عقائد اسلامیہ کو ثابت کیا اور ملاحدہ اور زنادقہ کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا عقل اور نقل سے ابطال فرمایا جس سے صحابہ وتابعین کا مسلک خوب روشن ہوگیا۔

---

(۱) اشاعرہ ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ جو امام ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہیں اور ماتریدیہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو امام ابومنصور ماتریدی کی طرف منسوب ہیں اور ان دونوں اماموں کا مفصل تذکرہ اتحاف شرح احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۳ تا ۷ میں مذکور ہے۔

اسی واسطے مذہب اہل سنت والجماعت انہی دو بزرگوں میں محصور ہو گیا۔ امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی کے ظہور کے بعد آئمہ ثلاثہ (یعنی امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد) کے اصحاب نے اپنا نام اشعریہ قرار دیا اور امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب اپنے آپ کو ماتریدیہ کہنے لگے اور درحقیقت ان دونوں گروہوں کا مسلک وہی ہے جو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین سے ثابت اور مقرر ہے ان دونوں بزرگوں کے درمیان صرف[1] بارہ مسئلوں میں خلاف ہے اور وہ نزاع حقیقی نزاع نہیں۔ بلکہ لفظی اور صوری نزاع ہے اور وہ بھی ایسے مسائل ہیں کہ جن کی کتاب وسنت میں کوئی تصریح نہیں اور صحابہ کرام سے اس بارہ میں کوئی واضح چیز منقول نہیں۔

اہل سنت والجماعت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام اور اہل بیت میں تفریق نہیں کرتے اور کسی کو برا نہیں کہتے اور سب کی محبت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں بخلاف خوارج کے کہ وہ اہل بیت کے دشمن ہیں اور روافض صحابہ کرام کے دشمن ہیں اور ان کے قول وفعل کو حجت نہیں سمجھتے۔

اہل سنت وجماعت صحابہ کی اور اہل بیت کی محبت کو جزء ایمان سمجھتے ہیں اور صحابہ کے اجماع اور اتفاق کو حجت سمجھتے ہیں۔ امام عبدالقاہر بغدادی فرماتے ہیں کہ جو اجماع صحابہ کو حجت نہ سمجھے اور ضلالت اور گمراہی پر ان کے اجتماع کو جائز جانے اور ان کو مخالفت کو جائز سمجھے وہ جماعت صحابہ کا پیرو نہیں۔ دیکھو کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۳۱۹۔ پھر امام عبد القاہر بغدادی اس کتاب کے صفحہ ۳۲۸ پر فرماتے ہیں کہ جو شخص صحابہ کے اجماع کو حجت نہ جانے وہ کافر ہے۔

(۱) اشاعرہ اور ماتریدیہ کے باہمی اختلافی مسائل کا تذکرہ اتحاف شرح احیاء العلوم جلد ۲ از صفحہ ۷ تا ۱۴ میں مذکور ہے حضرات مدرسین اصل کی طرف مراجعت کریں۔

مسئلہ تکفیر خوارج و روافض

خوارج اور روافض کی تکفیر کا مسئلہ نہایت پیچیدہ اور دشوار ہے علماء کی ایک جماعت نے ان کی تکفیر کی اور ایک جماعت نے ان کو گمراہ اور فاسق اور مبتدع قرار دیا۔ کافر نہیں کہا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک فارسی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیعہ اور خوارج کا عجب حال ہے کہ نہ مومن کہتے بن پڑتی ہے اور نہ کافر کہتے۔ ان دونوں فرقوں کا حال اس خط کے مشابہ ہے جو نور اور سایہ کے درمیان حد فاصل ہو وہ خط فاصل نہ نور ہی ہے نہ سایہ مگر حد فاصل ہونے کی وجہ سے دونوں جانب سے ربط اور تعلق ہے ایک اعتبار سے نورانی ہے اور ایک اعتبار سے ظلمانی۔ اس اعتبار سے کہ توحید و رسالت کے منکر نہیں۔ قرآن و حدیث کے مکذب نہیں۔ دل اور زبان سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو فریضہ اسلام سمجھ کر بجالاتے ہیں۔ اس اعتبار سے مومن معلوم ہوتے ہیں اور جو عقائد فاسدہ اور خیالات کاسدہ اور رسوم شنیعہ اور معمولات قبیحہ ان کی کتابوں میں مذکور ہیں اس سے انسان حیران ہوتا ہے کہ کتاب وسنت اور دین اسلام میں اس کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اس لئے ان کے کفر میں علماء کا اختلاف رہا۔ حضرات فقہاء اور محدثین کا قول فیصل اس بارہ میں یہ ہے کہ خوارج اور روافض دراصل دونوں اسلامی فرقے ہیں۔ یہود اور نصاریٰ کی طرح کافر نہیں۔ البتہ خوارج اور روافض کے وہ فرقے جو ضروریات دین اور قطعیات اسلام کے منکر ہیں وہ کافر ہیں۔ مثلاً شیعوں کے بعض فرقے اس کے قائل ہیں کہ حضرت علیؓ میں خدا حلول کر آیا۔ یا خدا تعالیٰ نے عالم کی تدبیر حضرت علی کے سپرد کردی یا جبرئیل غلطی سے وحی بجائے حضرت علیؓ کے آنحضرت ﷺ پر لے گئے۔ ایسے لوگ کافر ہیں اور جو شیعہ صرف تبرائی ہیں اور حضرات صحابہ کی شان میں سب وشتم کرتے ہیں اور ضروریات دین اور قطعیات اسلام کے منکر نہیں وہ گمراہ اور بدعتی ہیں کافر نہیں۔ خوارج کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد مبارک موجود ہے:

ھو لاء اخواننا قد بغوا علینا۔

یہ خارجی ہمارے اسلامی بھائی ہیں ہم سے باغی ہوگئے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کو تہ تیغ فرمایا اور بیدریغ ان کا خون بہایا لیکن نہ ان کا مال بطور غنیمت تقسیم فرمایا اور نہ ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا کر مجاہدین پر تقسیم کیا۔ معاملہ باغیوں کا سا کیا۔ کافروں جیسا معاملہ نہیں فرمایا۔ اور علی ہذا جو شیعہ ضروریات دین کے منکر نہ ہوں وہ کافر نہیں ان سے مناکحت وغیرہ جائز ہے اور حضرات محدثین کا طرز عمل بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ خوارج اور روافض کافر نہیں اس لئے کہ محدثین نے خوارج اور روافض سے بھی روایتیں لی ہیں مگر روافض سے بہت ہی کم بلکہ شاذ و نادر، وجہ اس کی یہ ہے کہ خوارج کے نزدیک جھوٹ بولنا کفر ہے اور روایت کا زیادہ تر دارومدار صدق راوی پر ہے اس لئے خوارج سے تو روایت لے لی مگر روافض سے روایت نہیں لی اس لئے کہ روافض کے یہاں تقیہ جزء ایمان ہے اس لئے ان کی کوئی روایت قابل اطمینان نہیں۔ نیز روافض سے جو روایت لی گئی وہ مقروناً بالغیر لی گئی یعنی دوسرا راوی بھی اس کے ساتھ روایت کرتا ہو۔ تنہا شیعی کی کوئی روایت معتبر نہیں مانی گئی اور حضرات محدثین نے بعض ان شیعہ راویوں سے روایت لی ہے کہ جو حضرت علی کی تفضیل کے قائل تھے۔ صحابہ کرام کو کافر اور منافق نہیں سمجھتے تھے۔

فتویٰ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

سوال

زید کا انتقال ہوا جو سنی المذہب تھا اس کے صرف دو بیٹے ہیں ایک سنی اور دوسرا شیعی، آیا دونوں وارث ہوں گے یا صرف سنی؟

الجواب

جو اختلاف دین مانع توارث ہے وہ اختلاف کفراً و اسلاماً ہے نہ کہ سنۃً و بدعۃً۔ پس جو شیعی کھلم کھلا کفریہ عقائد کا قائل نہ ہو وہ سنی کا وارث ہوگا۔ (۸/محرم ۱۳۳۲ھ)

(منقول از تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ صفحہ ۱۱۲)

موجودہ زمانہ کے گمراہ فرقے

ہندوستان کے اسلامی حکومت کے زوال اور انگریزی حکومت کے قیام کے بعد سب سے پہلا گمراہ فرقہ جو پیدا ہوا، وہ فرقہ نیچریہ ہے۔

فرقہ نیچریہ

ہماری مراد فرقہ نیچریہ سے وہ لوگ نہیں جن کو زمانہ سابق میں طبعیہ اور دھریہ کہا جاتا تھا کہ عالم میں جو کچھ بھی ہے وہ نیچر یعنی مادہ اور طبعیت کے اقتضاء سے ہے۔ خدا تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کو اس میں دخل نہیں اور یہ سارا عالم مادہ اور روح سے مل کر بنا ہے اور یہ دونوں چیزیں غیر فانی ہیں۔

بلکہ

فرقہ نیچریہ سے ہماری مراد وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے علوم جدیدہ حاصل کر کے احکام شریعت کے قبول کرنے کے لئے اپنی جزوی عقل کو معیار بنایا اور مغربی تہذیب کو حق اور باطل اور حسن اور قبح کا مدار ٹھہرایا۔(۱) کہ شریعت کی جو چیز ان کی جزوی عقل کی سمجھ سے باہر ہو وہ قابلِ قبول نہیں یا جو چیز یورپ کے تہذیب اور تمدن کے خلاف ہو وہ درست نہیں۔ شریعت کی جو چیز ان کی ناقص عقل میں آجائے وہ تو حق ہے اور جو چیز ان کی لنگڑی اور لولی عقل میں نہ آئے یا یورپ کے نزدیک وہ ناپسندیدہ ہو وہ ان کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ اگرچہ قرآن اور حدیث اس کی شہادت دیتے ہوں۔(۲) چنانچہ اس فرقہ کے لوگ انبیاء کرام کے معجزات اور اولیاء کی کرامات کے قائل نہیں حضرت ابراہیم کے لئے آتشِ نمرود کے بردوسلام ہونے کے قائل نہیں۔حضرت موسیٰ کے عصا کے مارنے سے بارہ چشموں کے جاری ہونے کے قائل نہیں۔حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کے قائل نہیں وغیرہ وغیرہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ شق القمر اور معراج جسمانی کے قائل نہیں (۳) فرشتوں اور جنات کے وجود کے قائل نہیں۔امام مہدی کے ظہور کے قائل نہیں۔(۴) آیات قرانیہ اور احادیث نبویہ میں اپنی رائے اور خیال سے ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ جو تاویل کے درجہ سے نکل کر تحریف کے درجہ میں پہنچ جاتی ہیں۔(۵) انبیاء کرام کو ایک حکیم اور فلاسفر یا مصلح قوم سے زیادہ مرتبہ نہیں دیتے (۶) یورپ کی تہذیب اور تمدن کے عاشق اور دلدادہ ہیں اور (۷) اسلامی تمدن کی ہنسی اور مذاق اڑاتے ہیں۔

ان کی زندگی کا نصب العین علماء دین کا برا کہنا ہے جس طرح ممکن ہوتا ہے۔علماء دین سے لوگوں کو متنفر اور بیزار کرتے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ جب علماء دین ذلیل اور بے وقعت ہو جائیں گے تو علم دین بھی ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا اور جب دین اسلام کا علم نہ رہے گا تو خود اسلام بھی نہ رہے گا۔اس لئے کہ کسی دین اور مذہب کا باقی رہنا اس کے علم کے باقی رہنے پر موقوف ہے اگر لوگ خود تو علم طب پڑھنا چھوڑ دیں اور جو طبیب ہیں ان کی ہنسی اڑانے لگیں نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ لوگ علم طب کو ذلیل اور حقیر سمجھ کر علم طب پڑھنا چھوڑ

دیں گے جس علم کی تعلیم نہ ہو وہ علم بھی ختم ہو جاتا ہے۔اسی طرح جب لوگ علم دین پڑھنا چھوڑ دیں اور علماء دین کا مذاق اڑانے لگیں تو ایسی حالت میں کون علم دین پڑھے گا۔

اس فرقہ کا امام اور پیشوا سرسید احمد خان علیگڑھی بانی علیگڑھ کالج ہے۔جس کی کتابیں الحاد اور زندقہ سے بھری پڑی ہیں اور مولانا عبد الحق صاحب دہلوی مصنف تفسیر حقانی نے اپنی تفسیر میں سرسید کے عقائد اور خیالات کا خاص طور پر رد کیا ہے اور سرسید کی نام نہاد تفسیر کو تحریف القرآن سے تعبیر کیا ہے۔اس شخص نے نصوص شریعت میں جو تاویلیں کیں ہیں وہ تاویلات نہیں بلکہ بلاشبہ وہ ایسی تحریفات ہیں کہ یہود اور نصاریٰ کی تحریف بھی ان کے سامنے ہیچ ہے۔وقال اللہ تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا لَایُخْفَوْنَ عَلَیْنَا.[۱]

اور حدیث میں ہے:

من فسر القرآن برآیه فقد كفر.[۲]

اس وجہ سے اسی زمانہ میں کسی عالم نے سرسید کے بعض اقوال کفریہ کو نقل کر کے علماء حرمین سے استفتاء کیا تو علماء حرمین نے جواب میں یہ الفاظ لکھے:

اعتقاده فاسد واليهود و النصارىٰ اهون حالا منه، ضال مضل وهو خليفة ابليس اللعين يكفر لهذا الاعتقاد.

اور اس فتویٰ پر حرمین شریفین کے علماء حنفیہ اور شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلہ سب کے دستخط ہیں۔حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ موسوم بہ امداد الفتاویٰ جلد ششم صفحہ ۱۹۲ میں اس فتویٰ کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت حکیم الامت نے فرقہ نیچریہ کے عقائد کفریہ کو بشکل جدول تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ہر جگہ اس فرقہ کی کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے کہ یہ عقیدہ اور یہ خیال اس فرقہ کے فلاں شخص نے فلاں کتاب

---

(۱) جو لوگ ہماری آیتوں کے بارے میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے۔ (حم سجدہ/۴۰)

(۲) جس نے اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کی اس نے کفر کیا۔

میں لکھا ہے اور یہ مفصل جدول امداد الفتاوی جلد ۶، صفحہ ۱۷۴ تا صفحہ ۱۹۳ میں مذکور ہے۔ اگر ناظرین کرام اس جدول کو ملاحظہ فرمالیں تو اس ناچیز کو امید واثق اور یقین صادق ہے کہ دیکھنے کے بعد ناظرین کرام اس ناچیز کے لکھے ہوئے پر مطمئن ہوجائیں گے اور سمجھ جائیں گے کہ اس ناچیز نے جو کچھ لکھا ہے وہ کم ہے اور حقیقت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اے مسلمانو! اپنے ایمان کی فکر کرو اور دین کے راہزنوں اور قزاقوں سے اس کی حفاظت کرو۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نشاید داد دست[1]

فرقہ قادیانیہ ومرزائیہ

اس زمانہ کے گمراہ ترین فرقوں میں سے ایک فرقہ قادیانیہ اور مرزائیہ ہے جو مرزا غلام احمد ساکن قصبہ قادیاں ضلع گورداسپور کا پیرو ہے۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں مسیح موعود اور مہدی منتظر ہوں اور نبی اور رسول ہوں اور تمام پیغمبروں کا ظل اور بروز ہوں اور سب سے افضل اور اکمل ہوں۔

دمبدم گفتے کہ من پیغمبرم وز ہمہ پیغمبراں بالا ترم[2]

اور نہایت ڈھٹائی اور بے حیائی سے یہ کہتا تھا کہ میں وہی رسول موعود اور مبشر معہود ہوں جس کی قرآن پاک میں بدیں الفاظ بشارت موجود ہے:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ.[3]

---

(۱) بہت سے شیطان انسانوں کی صورت میں ہوتے ہیں اس لئے ہر ہاتھ پر ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔

(۲) وہ مسلسل کہتے رہے ہیں کہ میں پیغمبر ہوں اور سب پیغمبروں سے اوپر ہوں۔

(۳) اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ اے بنو اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو توراۃ نازل ہوئی تھی میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہے۔ (الصف/۶)

گویا کہ مرزائے قادیان کے گمان میں یہ آیت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں نازل نہیں ہوئی بلکہ قادیان کے ایک دہقان کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور اسی طرح بہت سی آیات جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں نازل ہوئیں ان کے متعلق کہتا ہے کہ یہ آیتیں میرے بارہ میں نازل ہوئیں کوئی دیوانہ ہی ہوگا کہ جو اس بات کو مانے گا کہ قرآن کی آیتیں مرزائے قادیان کے بارہ میں نازل ہوئیں ۔

ابلہ گفت دیوانہ باور کرد (۱)

اور کہا کہ میں کلمۃ اللہ اور روح اللہ اور عیسیٰ ہوں بلکہ اس سے بڑھ کر ہوں جیسا کہ خود اس کا قول ہے ۔

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے

اور جب مرزا نے یہ دعویٰ کیا کہ میں مثیل مسیح ہوں تو سوال ہوا کہ آپ عیسیٰ بن مریم جیسے معجزات دکھلائیں جیسا کہ قرآن میں مذکور ہیں کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور مٹی کا پرندہ بنا کر اس میں روح پھونکتے اور وہ زندہ ہو کر اڑ جاتا اور کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کرتے تھے۔ تو جواب میں یہ بولا کہ عیسیٰ کا یہ تمام کام مسمریزم تھا۔ میں ایسی باتوں کو مکروہ جانتا ہوں ورنہ میں بھی کر دکھاتا۔

اور مرزا حضرت عیسیٰ کو یوسف نجار کا بیٹا بتاتا تھا اور بغیر باپ کے پیدا ہونے کا منکر تھا اور طرح طرح سے ان کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتا تھا۔

علمائے ربانیین نے اس مسیلمہ پنجاب کے رد میں بے مثال کتابیں لکھیں۔ مرزائے غلام احمد کی مایہ ناز کتاب ''ازالۃ الاوہام'' ہے۔ حضرت مولانا انوار اللہ خان حیدر آبادی نے اس کی تردید میں بے مثال کتاب لکھی جس کا نام ''افادۃ الافہام'' رکھا اور اس ناچیز نے بھی متعدد رسائل اس مسیلمہ پنجاب کے رد میں لکھے جو چھپ چکے ہیں۔

اے مسلمانو! عہد رسالت سے لے کر اس وقت تک سینکڑوں مدعی نبوت و رسالت اور مدعی عیسویت اور مہدویت گزر چکے ہیں جو مرزائیوں کے نزدیک بھی کافر اور مرتد اور

---

(۱) بے وقوف نے کہا اور پاگل نے مانا۔

ملعون تھے۔ جس دلیل سے گذشتان مدعیان نبوت مرزا کے نزدیک کافر اور مرتد تھے اسی دلیل سے یہ جدید مدعی نبوت مرزائے قادیان بھی کافر و مرتد ہے۔

فرقہ چکڑالویہ

من جملہ فرق ضالہ کے ایک فرقہ قرآنیہ ہے جس کا بانی عبداللہ چکڑالوی ہے۔ یہ فرقہ احادیث رسول کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ حدیث کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ قرآن میں ہے:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ.

نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔

پس اگر رسول کا حکم مانا جائے تو شرک فی الحکم لازم آئے گا۔

جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم درحقیقت اللہ ہی کا حکم ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ.

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی. (۱)

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود (۲)

اس فرقہ کے رد میں بھی علماء نے مفصل کتابیں لکھی ہیں۔ منجملہ ان کے اس ناچیز نے بھی ایک کتاب حجیت حدیث کے نام سے لکھی ہے جو عرصہ ہوا کہ شائع ہو چکی ہے۔

نصیحت

یہ فرقے دھوکہ دینے کے لئے اسلام کا اور اللہ کا اور اس کے رسول کا نام لیتے ہیں اور آیات اور احادیث کے وہ معنی بیان کرتے ہیں کہ جو صحابہ کرام اور تابعین اور امت کے

---

(۱) اور یہ اپنی خواہش کچھ نہیں بولتے یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ (نجم/۳،۴)

(۲) ان کی کہی ہوئی بات اللہ کی کہی ہوئی بات ہے، اگرچہ وہ بات اللہ کے بندہ کے حلق سے نکلی ہو۔

علماء ربانیین کے سمجھے ہوئے کے بالکل برعکس ہیں اور ظاہر ہے کہ دین وہ ہے جو صحابہ کرام نے سمجھا اور جو اس کے خلاف ہے وہ کفر اور گمراہی ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔

توحید اور شرک

توحید:

وحدت سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں فرد اور یگانہ ہے ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اور علم اور قدرت میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں۔ ایک وہی معبود برحق ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ تمام صفاتِ کمال کے ساتھ موصوف ہے اور بے مثل اور بے چون و چگون۔ خدا تعالیٰ سے صفات کمال کی نفی کرنا یہ تعطیل ہے اور خداوند ذوالجلال کو مخلوق کے مشابہ بتانا یہ تشبیہ اور تمثیل ہے اور تعطیل اور تشبیہ دونوں کی نفی کا نام توحید ہے۔ حدیث میں ہے:

ان لله تسعة و تسعين اسما من احصاها دخل الجنة.

یعنی اللہ تعالیٰ کے ننانویں نام ہیں جو ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ جل شانہٗ کو مانے اور اس کی ذات کو قدیم اور ازلی اور یکتا مانے اور اس کو موصوف بہمہ اسما وصفات جانے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام صفات کاملہ کے ساتھ موصوف ہے وہ مومن ہے اور جنت میں داخل ہوگا۔ دیکھو[1] کتاب الفرق بین الفرق للاستاذ عبدالقاہر البغدادیؒ صفحہ ۳۳۷

---

(۱) قال اهل السنة قد جاء ت السنة الصحيحة بان لله تعالىٰ تسعة و تسعين اسما من احصاها دخل الجنة لم يرد باحصاء ها ذكر عددها و العبارة عنها فان الكافر قد يذكرها حاكيا ولايكون من اهل الجنة وانما اراد باحصارها العلم بها و اعتقاد معانيها من قول فلان ذو حصاة واحصاء اذا كان ذا علم و عقل آه. (كتاب الفرق بين الفرق صفحه ۳۳۷)

خلاصہ یہ کہ ایمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کی ان تمام صفات کاملہ پر ایمان لائے جن کا اس حدیث میں ذکر ہے۔

شرک:

شریعت میں کسی چیز کو خدائی میں اور خدا کی ذات وصفات میں اور اس کے عبادت میں کسی کو شریک سمجھنے کو شرک کہتے ہیں۔ جیسے مجوس دو خدا کے قائل ہیں اور دونوں کو واجب الوجود سمجھتے ہیں اور دوسرے کو وجوب وجود اور خدائی میں اس کا شریک اور سہیم سمجھتے ہیں۔ یا جیسے بت پرست کہ غیر خدا کو مستحق عبادت سمجھتے ہیں یا جیسے خدا تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کو غیر خدا کے لئے ثابت کرنا یہ بھی شرک ہے۔ مثلاً جیسا غیر محدود اور غیر متناہی علم خدا تعالیٰ کو ہے ایسا ہی غیر محدود علم غیر خدا کے لئے سمجھنا یا خدا تعالیٰ جیسی قدرت اور ارادہ اور تدبیر اور تصرف غیر خدا کے لئے ماننا کہ جس طرح خدا چاہے محض اپنے ارادہ سے بلا کسی سبب کے جس کو چاہے زندہ کرے یا جس مریض کو چاہے شفا دے۔ یہ سب شرک ہے۔ بہرحال جو شخص غیر خدا کو خدا کے ہمسر اور برابر جانے تو یہ شرک اعتقادی ہے جو آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

البتہ شرک کا استعمال ریاء کے معنی میں بھی آیا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحَدًا. (۱)

یہ شرک شرکِ عملی ہے۔ شرک اعتقادی نہیں یعنی یہ شرک کفر نہیں لیکن مشرکوں اور بت پرستوں کے فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہے مگر کافر نہیں۔ مثلاً غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بنیتِ عبادت و بندگی ہو تو ایسا کرنے والا کافر اور مشرک ہے اور اگر بہ نیت سلام و اکرام اور بطریق تعظیم ہو تو یہ بلاشبہ حرام ہے اور اس کا مرتکب بلاشبہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔ بت پرست اپنے بتوں کو معبود سمجھ کر اور شریک فی الالوہیت جان کر ان کو سجدہ کرتے تھے اس لئے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور جو مسلمان قبروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ ان کو معبود سمجھ کر اور شریک

---

(۱) اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔ (الکہف/۱۱۰)

فی الالوہیت جان کر نہیں کرتے اس لئے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں اگرچہ وہ بلاشبہ حرام کے مرتکب ہیں لیکن ان کا شرک عملی ہے اعتقادی نہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کا معبود واحد ہے اور دل اور زبان سے کلمہ توحید پڑھتے ہیں اس لئے یہ لوگ بت پرستوں کی طرح دائرہ اسلام سے خارج نہیں۔

عبادت کے معنی کسی کو خدا سمجھ کر اس کے سامنے ذلت وخواری کرنے کے ہیں۔ لہٰذا اگر غیر اللہ کو بہ نیت عبادت سجدہ کرے تو یہ شرک اور کفر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور اگر محض بہ نیت تحیت وتعظیم کسی کو سجدہ کرے تو بلاشبہ حرام ہے اور اعلیٰ درجہ کا گناہ کبیرہ ہے مگر ایسا شرک اور کفر نہیں کہ جو اس کو دائرہ اسلام سے خارج کردے۔ حق جل شانہ نے فرشتوں کو حضرت آدم کے لئے سجدہ تعظیمی کا حکم دیا یہ سجدہ اکرام وتحیت تھا نہ کہ سجدہ عبادت اور حضرت یعقوب نے اور ان کے صاحبزادوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیم واحترام کیا۔ غیر اللہ کے لئے سجدہ عبادت تو کسی شریعت میں کبھی بھی جائز نہیں ہوا، البتہ سجدہ تحیت بطور سلام جائز ہوا مگر ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی بھی منسوخ ہوگیا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی کا بہن سے نکاح جائز تھا مگر ہماری شریعت میں ممنوع ہے اور سجدہ تعظیمی کی حرمت اور ممانعت کے بارہ میں بے شمار حدیثیں آئی ہیں جو کتبِ حدیث میں مذکور اور مشہور ہیں۔ محض اتنی بات سے کہ سجدہ تعظیمی سے آدمی کافر نہیں ہوجاتا۔ یہ سمجھ لینا کہ سجدہ تعظیمی جائز ہے جہالت اور حماقت ہے چوری اور زناکاری سے بھی آدمی کافر نہیں ہوجاتا اور علیٰ ہذا اگر کوئی احمق اور جاہل اپنی بہن سے نکاح کرلے تو اس سے بھی کافر نہیں ہوجاتا تو کیا اس سے چوری اور بدکاری کا اور بہن سے نکاح کا جواز ثابت ہوسکتا ہے۔[1]

---

(۱) اطلاع: حضرات اہل علم اگر شرک عملی اور شرک اعتقادی کی تفصیل چاہیں تو مولانا اشرف علی صاحب کا ''نہایۃ الادراک فی اقسام الاشراک'' دیکھیں جو امداد الفتاویٰ جلد ششم میں مطبوع ہے (از جلد ۶ از صفحہ ۸۵ تا صفحہ ۹۶ دیکھیں) ہم نے اس فتوے کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کردیا ہے۔

سنت و بدعت

سنت کے معنی لغت میں طریقہ کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں سنت دین کے اس طریقہ کو کہتے ہیں کہ جو دین کا طریقہ ہم کو آنحضرت ﷺ کے ذریعہ معلوم ہوا ہو خواہ قرآن میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہوا اور جو چیز قرآن اور حدیث دونوں میں مذکور ہو تو وہ چیز اسی حیثیت سے کہ وہ قرآن میں مذکور ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے تو وہ اللہ کا حکم ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ حدیث میں مذکور ہے تو وہ سنت ہے۔

امام شاطبی فرماتے ہیں کہ اسی طرح سنت کا اطلاق صحابہ کرام کے عمل اور ان کے طریقہ پر بھی آتا ہے۔ اگر چہ وہ چیز ہم کو قرآن اور حدیث میں نہ ملے، خاص کر وہ چیز جس پر خلفاء راشدین نے عمل کیا ہو وہ اجماع کے حکم میں ہے جیسا کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کا قرآن کریم کو جمع کرنا اور پھر حضرت عثمان کے زمانہ میں حروف سبعہ میں سے صرف ایک حرف یعنی لغت قریش کی قراءت پر لوگوں کو جمع کر دینا یہ بھی حجت شرعیہ ہے جس کا اتباع اور پیروی واجب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي.

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لازم پکڑو میری سنت کو اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو کہ جو منجانب اللہ ہدایت یافتہ ہیں اور سراپا رشد ہیں اور جن کا مرتبہ میرے بعد ہے۔ دیکھو کتاب الموافقات للامام الشاطبی از صفحہ ۳ تا صفحہ ۷ جلد ۴

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے لفظ علیکم سے اپنی سنت کا اور خلفاء راشدین کی سنت کی اتباع کو لازم اور واجب قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ سنتِ نبوی اور سنت خلفاء راشدین دونوں ہی کا اتباع واجب اور لازم ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں جا بجا ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول کو اور اطاعت خداوندی کے ساتھ اطاعت نبوی کو فرض اور لازم قرار دیا گیا ہے جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اللہ پر ایمان اور اس کی اطاعت بدوں نبی کے ایمان اور اطاعت مقبول اور معتبر نہیں۔ اسی طرح ''**عليكم بسنتي و سنته الخلفاء الراشدين**'' کا مطلب یہ ہوگا کہ سنت نبوی کا اتباع جب ہی معتبر ہوگا کہ جب خلفاء راشدین کی سنت کا

بھی اتباع کرے ورنہ جو شخص خلفاء راشدین کی سنت اور ان کے عمل اور ان کے طریقہ کو حجت اور واجب العمل نہ سمجھے وہ نبی کریم کی سنت کا متبع نہیں جس طرح کتاب اللہ کا اتباع بدوں سنت نبوی کے اتباع کے ممکن نہیں اسی طرح سنت نبوی کا اتباع بغیر سنت خلفاء راشدین کے اتباع کے ممکن نہیں۔

آیت استخلاف یعنی آیت:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ.

میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ سے خلافت نبوت کا وعدہ فرمایا کہ ہم تم کو اپنے نبی کا خلیفہ اور جانشین بنائیں گے اور غرض وغایت اس خلافت کی یہ بیان کی کہ ان خلفاء کے ہاتھوں ہم اپنے پسندیدہ دین کو مستحکم اور مضبوط بنائیں گے۔ معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کے ہاتھ سے جو عمل اور طریقہ ظہور میں آئے گا وہ اللہ کے نزدیک دین ہوگا اور وہ خدا کا پسندیدہ ہوگا۔

پس ثابت ہو گیا کہ جو خلفاء راشدین کی سنت اور ان کے طریقہ کو اور صحابہ کرام کے اجماع کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں لہٰذا جو شخص بیس تراویح کو سنت نہیں سمجھتا اور بیک وقت تین طلاق کو معتبر نہیں مانتا جس پر خلفاء راشدین اور صحابہ کا اجماع ہو گیا تو اس کو چاہئے کہ خلفائے راشدین کے جمع کردہ قرآن کو بھی حجت نہ سمجھے اپنی رائے سے قرآن کو مرتب کر لے۔

اے مسلمانو! خوب سمجھ لو کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ کما قال تعالیٰ:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ.

اس طرح خلفاء راشدین کے سنت کا اتباع سنت نبوی کا اتباع ہے۔ جس طرح خدا تعالیٰ تک بغیر رسول اللہ ﷺ کے رسائی نہیں اسی طرح رسول اللہ ﷺ تک بغیر خلفاء راشدین اور بغیر صحابہ کے رسائی نہیں۔

آنحضرت ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق ہیں اشھد ان

محمداً عبدهٗ و رسوله مگر خوب سمجھ لو کہ خدا اور رسول کی رضا میں کوئی تفریق نہیں۔ دونوں کی رضا ایک ہے:

وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یَّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ.[1]

یرضوہ میں ضمیر واحد کی لائی گئی معاذ اللہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ایک ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ رضاء خداوندی اور رضاء رسول میں کوئی فرق نہیں جبکہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ.[2]

اس قسم کی آیات سے معاذ اللہ ذات کے اعتبار سے خدا اور رسول کا اتحاد بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ رسول کا اتباع اور اس کی رضا در پردہ ہمارا اتباع اور ہماری رضا ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ ''علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین ''اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا اور خلفاء راشدین کا درجہ اور مرتبہ ایک ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت اور ان کا طریقہ بعینہٖ میری سنت اور میرا طریقہ ہے اور ان کی پیروی میری پیروی ہے اور اس سے انحراف مجھ سے انحراف ہے۔ جو شخص خلفاء راشدین کی سنت کے اتباع کو اور نجوم ہدایت یعنی صحابہ کرام کی پیروی کو ضروری نہیں سمجھتا وہ شخص اہل سنت والجماعت سے نہیں۔

بدعت کی حقیقت

سنت کے مقابلہ میں بدعت ہے۔ سنت کی حقیقت تو آپ کو معلوم ہوگئی اب بدعت کی حقیقت سنئے۔ بدعت لغت میں ہر نئی چیز کو کہتے ہیں جس کی مثال پہلے سے موجود نہ ہو اور اصطلاح شریعت میں بدعت کے معنی یہ ہیں کہ دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جائے کہ جز

---

(۱) اور اللہ اور اس کے رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ یہ ان کو راضی کریں۔ (توبہ/۶۲)

(۲) (اے نبی!) جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ (فتح/۱۰)

شارع علیہ السلام سے نہ قولاً اور نہ فعلاً اور نہ تقریراً اور نہ صراحۃً اور نہ اشارۃً ثابت ہو اور اس کو دین اور قربت اور عبادت جان کر اور قرب خداوندی کا سبب اور ذریعہ سمجھ کر کیا جائے تو ایسی چیز شریعت میں بدعت ہے۔ حدیث میں ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ.

یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالے جو دین سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

احداث کے معنی نئی بات نکالنے کے ہیں اور فی امرنا سے امر دین مراد ہے۔ سو اس صورت میں احداث کی تین قسمیں ہوئیں۔

احداث کی پہلی قسم

ایک احداث فی امرنا یعنی دین میں کوئی نئی بات نکالنا اور دین میں اس کو شامل اور داخل کرنا کہ اس کو دین سمجھ کر ثواب کی امید پر اس کو کیا جائے۔ جیسے سوم اور دہم اور چہلم اور عرس اور دین کے کام سے وہ کام مراد ہے جس کا تعلق اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے ہو اور آخرت میں نفع دینے کی امید پر اس پر عمل کو کرے یا آخرت کے ضرر سے ڈر کر اس عمل سے بچے اور پرہیز کرے اور یہ سمجھے کہ میرا یہ عمل قرب خداوندی اور رضاء خداوندی کا ذریعہ ہے تو ایسا عمل بدعت ہے۔

احداث کی دوسری قسم

احداث کی دوسری قسم احداث فی غیر امرنا یعنی غیر دین محض دنیا میں کوئی نئی بات نکالنا جس کا دین سے کوئی تعلق نہ ہو جیسے ریل اور تار اور ہوائی جہاز اور جدید اسلحہ اور اس قسم کے چیزیں یہ کسی کے نزدیک بدعت نہیں۔

احداث کی تیسری قسم

احداث کی تیسری قسم احداث لامرنا ہے یعنی دین کے لئے اور دین کی حفاظت کے لئے کوئی نئی بات نکالنا جیسے علم صرف اور علم نحو اور علم بلاغت کی تدوین اور فقہ اور اصول فقہ کی

تصنیف بغرضِ سہولت و آسانی تعلیم دین اور مثلاً قیام مدارس دینیہ اور تبلیغی انجمنیں وغیرہ وغیرہ تو ایسی چیزیں بدعت شرعیہ نہیں۔

قسم اول کا حکم

پس قسم اول یعنی دین میں کوئی نئی بات شامل کرنا اور اس کو دین سمجھنا اور اس پر ثواب کی امید رکھنا اور یہ خیال کرنا کہ اس کام کا کرنا ہمیں آخرت میں نفع دے گا تو ایسی نئی چیز شریعت میں بدعت شرعیہ کہلاتی ہے اور موجب ضلالت ہے۔ اس لئے کہ دین مکمل ہو چکا ہے اس میں کمی اور زیادتی کرنا حرام ہے نیز بدعت سے دین میں تحریف کا دروازہ کھلتا ہے اس لئے کہ جو چیز دین سے نہ ہو اس کو دین میں شامل اور داخل کرنا بھی تحریف ہے جس طرح قانون حکومت میں ادنی سی کمی اور زیادتی جرم عظیم ہے اسی طرح قانون شریعت میں ایک حرف کی کمی اور زیادتی بھی جرم عظیم ہے۔

قسم دوم کا حکم

احداث کی دوسری قسم یعنی ایسی نئی بات نکالنا جس کا دین سے تعلق نہ ہو جیسے ریل و تار وغیرہ۔ سو یہ بدعت شرعی اور سیئہ اور ضلالت نہیں بلکہ جائز اور مباح ہے بشرطیکہ وہ امرِ جدید کسی حکم شرعی کے خلاف نہ ہو۔

قسم سوم کا حکم

احداث کی تیسری قسم احداث لامر الدین ہے یعنی دین کے لئے اور اس کی بقا اور حفاظت کے لئے کوئی نئی چیز نکالنا جیسے قیام مدارس اور تعمیر کتب خانہ دینیہ سو اس احداث کا حکم یہ ہے کہ یہ احداث بھی شرعاً بدعت سیئہ نہیں بلکہ یہ احداث اگر کسی ایسی شرعی ضرورت کی بنا پر ہوا ہے جو شرعاً فرض اور واجب ہے تو یہ احداث بھی فرض اور واجب ہوگا اور اگر کسی مسنون شرعی اور مستحب شرعی کے لئے ہوا ہے تو یہ احداث بھی مستحب ہوگا اس احداث میں

ذاتی کوئی حسن نہیں۔متبوع کے تابع ہے اگر کسی وقت اس امر شرعی کی ضرورت ہی نہ رہے تو اس کا حسن بھی ختم ہوجائے گا اور جو امور پہلے ہی سے شریعت سے اشارۃً یا کنایۃً یا ضمناً ثابت ہوچکے ہوں اور کسی وقت ان کا ظہور ہوجائے جیسا کہ تراویح کا ظہور اور شیوع حضرت عمر کے زمانہ میں ہوا تو یہ احداث فی الدین نہیں کہلائے گا بلکہ اظہار دین کا مصداق ہوگا فاروق اعظم معاذ اللہ بدعتی نہ تھے۔بیس رکعت تراویح کا حکم خود ان کا ذاتی تراشیدہ نہ تھا بلکہ اللہ کے رسول سے ماخوذ تھا۔اسی وجہ سے تمام صحابہ نے دل وجان سے اس کو قبول کیا۔ مثلاً اگر کوئی طبیب مریض کے لئے نسخہ تجویز کرے اور اس میں شربت بنفشہ بھی لکھ دے تو مریض کو یہ اختیار نہیں کہ دواؤں میں کچھ کمی اور زیادتی اور رد و بدل کر سکے یا دواؤں کی مقدار گھٹا بڑھا سکے۔ہاں اگر شربت بنفشہ تیار کرنے کے لئے نیا چولہا بنائے اور آگ جلائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ نسخہ میں اس کی تصریح نہیں اس لئے کہ یہ سارا عمل نسخہ کی تکمیل اور تحصیل کے لئے ہے تغیر اور تبدیل کے لئے نہیں چونکہ نسخہ کا استعمال ان امور پر موقوف تھا اس لئے ان کا کرنا ضروری ہوا اسی طرح قیام مدارس دینیہ وغیرہ کو سمجھے جس سے مقصود علم دین کی تحصیل اور تکمیل ہے نہ کہ تغیر وتبدیل۔

غرض یہ کہ بدعت کے شرعی معنی یہ ہیں کہ دین میں کوئی ایسی بات نکالی جائے کہ جو شارع علیہ السلام اور آپ کے خلفا سے اور صحابہ کرام سے نہ قولاً ثابت ہو اور نہ فعلاً اور نہ تقریراً اور نہ صراحۃً اور نہ اشارۃً ثابت ہو اور اس کو دین اور قربت اور عبادت سمجھ کر کیا جائے تو شرعاً یہ بدعت ہے اور بلاشبہ ضلالت اور گمراہی ہے۔آیات اور احادیث میں بدعت کی بہت مذمت آئی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ بدعت کی حقیقت غیر شریعت کو شریعت اور غیر دین کو دین بتانا ہے اور یہ بلاشبہ حرام ہے اس لئے کہ یہ امر ظاہر اور بدیہی ہے کہ دین اور شریعت تو اللہ ہی کی طرف سے ہوسکتی ہے لہٰذا جو شخص دین میں نئی بات نکالتا ہے اور اپنے اعتقاد میں اس کو دین قرار دیتا ہے تو اس کا یہ عمل اللہ پر افتراء اور بہتان ہے کہ جو بات اللہ نے نہیں فرمائی اس کو اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے رسوم جاہلیت کو بیان کر کے فرمایا ہے:

اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ. (۱) قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ. (۲) اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ. (۳) وغیر ذلک من الآیات.

اور در پردہ ایک گونہ ادعاء نبوت ہے اور دراصل اللہ پر اعتراض ہے کہ ابھی دین مکمل نہیں ہوا اس نئی چیز کے ملانے سے دین مکمل ہوگا یہ تو بدعت کی حقیقت اور اس کا مآل اور انجام ہوا۔ اب بدعت کا اصل منشاء سمجھئے سو جاننا چاہئے کہ بدعت یعنی احداث فی الدین کا اصل منشاء ہمیشہ غلو فی الدین ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقّ.

اے اہل کتاب دین میں غلومت کرو اور اللہ کی طرف کوئی ناحق بات منسوب نہ کرو۔

پہلے جملہ میں غلو فی الدین کی ممانعت فرمائی جو بدعت کا منشاء ہے اور دوسرے جملہ میں اللہ پر ناحق بات کہنے کی ممانعت فرمائی جو بدعت کی حقیقت ہے۔ پس اصطلاح شریعت میں بدعت وہ امر جدید ہے کہ جو بلا کسی دلیل شرعی کے دین میں شامل اور داخل کر دیا جائے اور شریعت سے اس کے لئے نہ کوئی دلیل عام ہو اور نہ دلیل خاص ہو تو وہ بلاشبہ بدعت اور ضلالت ہے۔ غرض یہ کہ دین میں جو نئی بات نکالی جائے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر اور ثواب کی امید پر اس کو کیا جائے تو وہ بدعت شرعیہ ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور اگر امور دنیاویہ میں کسی نئی چیز کا اضافہ کیا جائے مثلاً نئی قسم کا کپڑا اور نئی قسم کا برتن یا کوئی نئی قسم کی مشین یا نئی قسم کی سواری تو یہ بدعت شرعیہ نہیں اس کو نہ کوئی دین سمجھتا ہے اور نہ اس پر کوئی ثواب کی توقع رکھتا ہے۔

---

(۱) اس شخص نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ (سبا/۸)
(۲) وہ بری طرح گمراہ ہوگئے ہیں اور کبھی ہدایت پر آئے ہی نہیں۔ (انعام/۱۴۰)
(۳) کیا تم اللہ کے ذمہ وہ بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں کچھ پتہ نہیں۔ (بقرہ/۸۰)

دین کے ارکان ثلاثہ

دین اللہ کی اطاعت کا نام ہے اور اس کے تین رکن ہیں۔ جیسا کہ حدیث جبریل سے صاف ظاہر ہے کہ دین تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے ایمان اور اسلام اور احسان۔ دین کا ابتدائی جزو ایمان ہے جو دین کی بنیاد ہے اور دوسرا جز اسلام ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہے یہ دین کا درمیانی جز ہے اور تیسرا جز احسان ہے جو دین کا بلند ترین مقام ہے اور دین کی آخری منزل ہے۔ ایمان سے مراد، عقائد حقہ ہیں یعنی فرقہ ناجیہ (اہل سنت و جماعت) کے علماء کے رائے کے موافق عقائد کو درست کرنا۔ کیونکہ فرقہ اہل سنت و جماعت صحابہ کرام کے طریقہ پر ہے اور ان کے عقائد کتاب وسنت اور آثار سلف سے ماخوذ ہیں اور بدعت اور خیال فاسد کے شائبہ سے پاک ہیں اور عقلی اور نقلی اور کشفی دلائل سے مبرہن اور مزین ہیں۔

اور اسلام سے مراد احکام شرعیہ اور عملیہ کو بجالانا ہے اور فرض اور سنت اور واجب اور مستحب اور حلال و حرام اور مکروہ اور مشتبہ کے جاننے کے بعد اس کے موافق عمل کرنا ہے جس کا علم فقہ متکفل ہے۔

اور احسان سے مراد تزکیہ باطن ہے یعنی قلب کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا اور اخلاق جمیلہ سے اس کو آراستہ کرنا جس کا علم تصوف متکفل ہے اور اصل منزل مقصود یہی تزکیہ باطن ہے جیسا کہ "هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ" میں اس کا ذکر ہے اور بعثت نبوی کا اہم ترین مقصد یہی تزکیہ باطن ہے۔ نجات اخروی کا اصل دارومدار عقائد کی درستی پر ہے اور اس کے بعد اعمال صالحہ کا درجہ ہے اسی وجہ سے قرآن کریم میں جابجا اول ایمان کو ذکر فرمایا اور عمل صالح کو اس کے بعد ذکر فرمایا "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" معلوم ہوا کہ سب سے مقدم درجہ ایمان کا ہے۔ کیونکہ اگر کسی ضروری عقیدہ میں خلل پڑ گیا تو نجات اخروی کی دولت سے محروم ہو گیا اور اگر اعمال صالحہ میں کوئی کوتاہی اور سستی واقع ہوئی تو توبہ اور استغفار سے اس کی تلافی ہو سکتی ہے اور اگر خدا تعالیٰ چاہے تو بدون توبہ کے بھی معاف

فرما سکتے ہیں۔

لہٰذا اول ایمان اور عقیدہ کی درستی ہے اور اس کے بعد عمل صالح کا درجہ ہے۔ کیونکہ ایمان کے معنی دل و جان سے ماننے کے ہیں اور ماننے کے بعد سر تسلیم خم کر دینے کا نام اسلام ہے۔ اسلام کے معنی گردن نہادن بطاعت کے ہیں اس لئے ایمان اور اعتقاد کے بعد اسلام یعنی اطاعت اور انقیاد کا درجہ ہے اور ان دو منزلوں کے بعد تیسری منزل قرب خداوندی اور رضاء خداوندی کی ہے کہ اللہ کی اطاعت اور محبت میں ایسا غرق ہو جائے کہ سابقین اور مقربین کے زمرہ میں داخل ہو جائے اس منزل کا نام مقام احسان ہے جس سے ایمان اور اسلام میں حسن و جمال پیدا ہو جاتا ہے اور احسان اور تحسین کے معنی کسی چیز کو حسین اور خوبصورت بنانے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایمان اور اسلام میں حسن و جمال کا تمامتر دارو مدار اخلاص اور مراقبہ اور محاسبہ نفس پر ہے۔

لہٰذا جو شخص اپنے دین کو درست کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اول بنیاد کو درست کرے یعنی اپنے عقائد ایمانیہ کو اہل سنت والجماعت کے موافق درست کرے دوسرا درجہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ فقہیہ کے مطابق عمل کرے یہ دوسری منزل اسلام کی ہے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ قلب کو اللہ کے عشق اور محبت سے منور کرے کہ خانہ دل میں کوئی نفسانی ظلمت اور کدورت باقی نہ رہے یہ منزل احسان کی ہے۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ.

اور قرآن کریم میں جو مقاصد بعثت ذکر کئے ہیں ان میں تعلیم الکتاب والحکمۃ کے ساتھ ویزکیھم (تزکیہ باطن) کا ذکر فرمایا ہے اس سے یہی منزل احسان مراد ہے جس طرح کتاب وسنت کا علم علماء کی درسگاہوں میں ملتا ہے اسی طرح تزکیہ باطن کا علم اولیاء کی خانقاہوں میں ملتا ہے اور یہ منزل حضرات صوفیہ کرام کے طریقہ پر چلنے سے اور ان کی کتابوں کے پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ افسوس کہ خانقاہیں ویران ہو گئیں اور تزکیہ باطن کے قافلہ سالار دنیا سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس لئے برادران اسلام کو نصیحت کرتا ہوں کہ امام غزالی کی احیاء العلوم اور کیمیا سعادت کو خاص طور پر اپنے مطالعہ میں رکھیں۔ احیاء العلوم بلاشبہ سامان حیات ہے اور کیمیا سعادت بلاشبہ کیمیاء سعادت ہے اصل

نہ دیکھ سکیں تو ان کا ترجمہ دیکھیں۔

حضرات متکلمین اور علماء ربانیین نے ہر زمانہ میں اور ہر زبان میں دین کی بنیاد یعنی ایمان کی درستی کی خاطر اہل سنت و جماعت کے عقائد کی تحقیق میں کتابیں لکھیں جزاہم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔ آمین۔ اس ناچیز نے چاہا کہ انہی حضرات کے نقش قدم پر چلے۔ اس لئے یہ ایک متوسط رسالہ لکھ دیا جو اہل سنت والجماعت کے عقائد کے بیان پر مشتمل ہے تاکہ لوگوں کے لئے مشعل ہدایت بنے اور اس ناچیز کے لئے ذریعہ مغفرت اور سرمایہ سعادت اور ذخیرہ آخرت بنے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ اس تالیف کو قبول فرمائے اور مولف کو اور اس کی اولاد کو اور اقارب واحباب کو فرقہ ناجیہ میں سے بنائے آمین۔ اور مرتے دم تک ہم سب کو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ پر ثابت قدم رکھے آمین اور اسی پر ہماری موت ہو اور اسی پر ہمارا اٹھنا ہو۔ آمین

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا و هب لنا من لدنک رحمة انک انت الوهاب. فاطر السموت والارض انت ولي في الدنيا والاخرة. توفني مسلما والحقني بالصالحين امين برحمتک يا ارحم الراحمين. و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا و مولانا محمد و على اله و اصحابه و ازواجه و ذرياته اجمعين و علينا معهم يا ارحم الراحمين.

۴ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

محمد ادریس کان اللہ لہ



قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

عقائد الاسلام

حصہ دوم

جس میں اسلام کے عقائد کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کیا گیا ہے
اور جدید وقدیم فلاسفر اور ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے

مولفہ

استاذ العلماء شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا حافظ محمد ادریس کاندھلوی قدس اللہ تعالیٰ سرہ

ناشر

ادارہ اسلامیات

کراچی۔ لاہور


بسم الله الرحمن الرحيم



نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد

نجات اخروی کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے اول ایمان دوم عمل صالح، ایمان سے مراد یہ ہے کہ اپنے عقائد کو اہل سنت و جماعت کی رائے کے مطابق درست کرے اور یہی فرقہ ناجیہ ہے کہ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت پر اور جماعتِ صحابہ کے طریقہ پر ہو۔ حق جل شانہ کا ارشاد ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَاراً وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ.

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی جانوں کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

لہٰذا دوزخ کی آگ سے بچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اپنے عقائد درست کرے اور شریعت حقہ کے مطابق اعمال بجالائے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچانے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دین کا علم سکھاوے جس پر عمل کر کے دوزخ کی آگ سے محفوظ ہو جائے۔ علم وہ ہے کہ جس سے دنیا میں اللہ کی معرفت حاصل ہو اور اس کی اطاعت کا طریقہ معلوم ہو اور آخرت میں عذابِ دوزخ سے حفاظت کا ذریعہ ہو اور علماء کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو اصول دین اور عقائد اسلام سے آگاہ کریں اور ان کے ثبوت پر عقلی و نقلی دلائل قائم کریں اور ان پر جس قدر شبہات ہوں ان کا کافی قلع قمع کریں جو علم کلام کا موضوع ہے۔ علم کلام، عقائد اسلام اور اصول اسلام کا محافظ ہے اور مخالفین کے مقابلہ کے لئے ایک زبردست ہتھیار ہے۔ جس طرح ہر شہر میں ایک طبیب کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ہر شہر میں ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے جو کفر اور الحاد کا مقابلہ کر سکے۔

لہٰذا اسلامی آبادی کے ہر حصہ میں ایسے اولوالعزم فاضلوں کی جماعت کا موجود رہنا ضروری ہے جو مسلمانوں کو اصولِ دین سے آگاہ کریں اور مخالفین کے شبہات ان کے دلوں سے دور کریں اور ایسی کتابیں لکھیں کہ جو جدید اور قدیم شبہات کا دفعیہ کر کے عقائد اسلام کے قلعہ کی حفاظت کر سکیں۔ اسی لئے ہر زمانہ میں علماء حق نے عقائد حقہ کی تحقیق میں کتابیں لکھیں اور عقلی اور نقلی دلائل سے عقائد اسلامیہ کو مدلل اور مبرھن کیا اور فلسفیانہ اور ملحدانہ شبہات اور اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیئے اور دین کی حفاظت کے لئے مضبوط قلعے کھڑے کر گئے۔ جزاھم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔ آمین

اسلام کی اصل بنیاد عقائد پر ہے جن کا اجمالاً جاننا فرض عین ہے اور تفصیلاً جاننا فرض کفایہ ہے۔ اگر امت میں سے چند افراد بھی اس سے واقف ہوں تو باقی تمام سے فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ عقائد میں چوٹی کا عقیدہ عقیدہ توحید ہے اور اسلام کا اصل اصول ہے اس لئے اس فن کا نام علم توحید ہوا اور اس علم کی غرض وغایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور صفات الٰہیہ کا علم اور نبوت و رسالت کی ماہیت اور قیامت کی حقیقت قرآن و حدیث کے مطابق اور صحابہ کرام کے مسلک کے موافق ایسے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے واضح ہو جائے کہ جس سے دل کو تسلی اور اطمینان ہو جائے اور دل میں کوئی شک اور تردد نہ رہے اور یہ علم تمام علوم دین میں اول اور افضل ہے۔

اس علم کی تدوین کی بنیاد ڈالنے والے امام اعظم ابوحنیفہ النعمانؒ ہیں اور پھر ان کے بعد امام شافعیؒ ہیں جیسا کہ "تکملہ" عقائد الاسلام میں اس کا بیان گذر چکا ہے۔

عہدِ صحابہ و تابعین کے بعد جب علوم کی تدوین و تالیف کا زمانہ آیا تو شیخ ابوالحسن اشعری اور شیخ ابومنصور ماتریدی نے علم اصول دین کی طرف خاص توجہ مبذول کی اور عقائد اسلامیہ کی تحقیق و تدقیق اور معارضین اسلام کی تردید میں اپنے زمانہ کے علماء معاصرین سے سبقت لے گئے اور یہی دونوں حضرات ائمہ فن اور واضع فن مشہور ہو گئے اور قیامت تک آنے والے علماء کو راستہ بتلا گئے۔ چنانچہ امام غزالی اور امام رازی نے اسی راہ پر چل کر علم کلام کو بام عروج اور اوج کمال تک پہنچا دیا۔ اور ایسے اصول اور کلیات بتلا گئے جس سے قیامت تک آنے والے فلاسفہ اور ملاحدہ کے اعتراضات اور شبہات کا جواب ہو سکے۔

بحمدہٖ تعالیٰ حضرات متکلمین ایسا جامع علم کلام مدون کر گئے کہ جدید و قدیم شبہات کے ازالہ کے لئے کافی اور وافی ہے۔ جدید فلسفہ کو دیکھ کر مرعوب ذہنیتوں کی زبان پر اکثر یہ آتا ہے کہ جدید علم کلام مدون ہونا چاہئے جس کا در پردہ مطلب یہ ہے کہ قدیم علم کلام جدید تحقیقات اور جدید شبہات کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ سو یہ غلط ہے۔ اول تو یہ کہ قدیم علم کلام میں ایسے اصول موجود ہیں جو جدید شبہات اور اعتراضات کے جوابات کے لئے کافی ہیں۔ دوم یہ کہ عصر حاضر میں جن شبہات اور اعتراضات کو جدید کہا جاتا ہے اکثر ان میں ایسے ہیں کہ وہ درحقیقت جدید نہیں بلکہ ان کا پیرایہ جدید ہے اور اصل شبہ کا رد قدیم علم کلام کی کتابوں میں موجود ہے چونکہ بہت سے قدیم شبہے ختم ہوگئے تھے مگر موجودہ زمانہ میں ان کا تذکرہ تازہ ہوگیا اور جدید پیرایہ سے بیان کئے جانے لگے اس لئے لوگ یہ کہنے لگے کہ یہ نئے شبہے ہیں۔ سوم یہ کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جدید علم کلام کی ضرورت ہے ان کی غرض یہ نہیں کہ اصول اسلام اور عقائد اسلام کی ایسی تحقیق کی جائے جس سے اسلام کی باتیں دل نشین ہوجائیں اور دلوں سے نئے شبہات دور ہوجائیں بلکہ ان کی غرض یہ ہے کہ مذہبی تحقیقات میں کچھ تغیر و تبدل کر کے اس کو جدید سائنس کے مطابق کردیا جائے تحقیقات جدیدہ تو اصل رہیں اور اصول اسلام اور احکام اسلام ان کے تابع ہوجائیں۔ اور جہاں کہیں اسلامی عقیدہ بظاہر جدید فلسفہ کے مخالف نظر آئے تو اسلامی عقیدہ میں تاویل بلکہ تحریف کر کے اس کو جدید فلسفہ کے مطابق بنا دیا جائے۔ ان لوگوں کا مقصود دین کی طرف داری نہیں بلکہ سائنس اور جدید فلسفہ کی طرف داری ہے۔

مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے جدید علم کلام کی ضرورت بیان کرتے ہیں جس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ توحید اور رسالت اور قیامت کو دلائل سے ثابت کریں بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے اصول مسلمہ کو توڑ موڑ کر فلسفہ جدیدہ کے مطابق کردیں اور یہ گروہ جدید فلسفہ سے اس درجہ مرعوب ہے کہ اس کو شریعت کے اصول مسلمہ اور اجماع امت کی بھی پروا نہیں۔ ہمہ تن کوشش اس کی ہے کہ نصوص شریعت میں دور دراز تاویلیں کر کے ان کو تحقیقات جدیدہ پر منطبق کردیں حالانکہ جن باتوں کا نام ان لوگوں نے تحقیقات جدیدہ رکھا ہے وہ درحقیقت وہمیات جدیدہ اور خیالات جدیدہ ہیں جو نہ کسی مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت

ہیں اور نہ کسی دلیل عقلی سے ثابت ہیں۔ جیسا کہ مسئلہ ارتقاء کہ ڈارون لکھتا ہے کہ آدمی پہلے بندر تھا ترقی کر کے دم گر گئی اور سیدھا کھڑا ہو کر چلنے لگا اس پر نہ کوئی مشاہدہ اور تجربہ ہے اور نہ کوئی دلیل عقلی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں "خلقه من تراب" اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ اس قسم کے لوگ ڈارون کی بے سروپا باتوں پر تو بلا دلیل ایمان لے آتے ہیں اور قرآن کی صریح آیتوں میں تاویلیں کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ علم کلام، اصول اسلام کی حفاظت کے لئے بمنزلہ ایک مضبوط قلعہ کے ہے جس میں داخل ہو کر دشمنان اسلام کے حملوں اور الحاد اور دھریت اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کے تیروں سے محفوظ و مامون ہو سکتا ہے اس لئے ہر زمانہ کے علماء اعلام اور ائمہ کرام نے عقائد اسلامیہ کے ثابت کرنے اور فلاسفہ اور ملاحدہ کے شبہات دور کرنے کے لئے صدہا کتابیں لکھ ڈالیں اور اسلام کی حفاظت کے لئے مضبوط قلعے کھڑے کر دیئے۔

الحمدللہ اس چودھویں صدی میں جدید علم کلام کا اولین مصداق علامہ سید حسین جسر طرابلسی کی تالیف لطیف رسالہ حمیدیہ ہے جس کا ترجمہ۔ سائنس اور اسلام کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ نے اس کا ایک خلاصہ لکھا ہے جو خلاصہ "سائنس اور اسلام" کے نام سے شائع ہو چکا ہے رسالہ حمیدیہ بحمدہٖ تعالیٰ عقائد اسلامیہ کی تحقیق اور جدید و قدیم فلسفہ کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

علامہ حسین جسر طرابلسی نے عربی زبان میں اس موضوع پر رسالہ حمیدیہ کے نام سے ایک مبسوط لکھی جو بار بار مصر سے شائع ہوئی جو اپنی معقولیت اور حسن استدلال کے بنا پر غایت درجہ مقبول ہوئی۔ پھر اخیر میں علامہ موصوف نے حصون حمیدیہ کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی۔ یہ دوسری کتاب درحقیقت پہلی مبسوط اور مفصل کتاب کا خلاصہ ہے۔ یہ کتاب اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن نہایت جامع ہے اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کے شبہات کے جوابات میں اور عقائد اسلامیہ کے ثابت اور محقق کرنے میں کافی اور شافی ہے۔ جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا۔

انہی حضرات متکلمین کے نقش قدم پر اور انہی حضرات کے دسترخوان علم کی خوشہ چینی

سے اس ناچیز نے عقائد اسلامیہ کی تحقیق میں مختلف کتابیں لکھیں خاص کر علم الکلام اور اصول اسلام اور عقائد اسلام وغیرہ ان کتابون میں مسائل اور دلائل کی تفصیل تھی تا کہ اس جدید تعلیم سے جو الحاد اور بے دینی کا سیلاب آرہا ہے اس کی روک تھام ہو سکے۔ سو الحمد اللہ حق جل شانہ کی توفیق سے جو کچھ لکھ سکتا تھا وہ لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ آمین۔ اور ان تالیفات کو ہدایت و استقامت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

اب دل چاہا کہ ایک ایسا مختصر رسالہ لکھ دیا جائے کہ جو اہل سنت و جماعت کے عقائد کا خلاصہ ہو اور اس میں تفصیل تو زیادہ نہ ہو مگر بقدر ضرورت ایسے عقلی دلائل پر مشتمل ہو جس سے اصولِ دین کے متعلق جدید و قدیم شبہات اور اعتراضات کا ازالہ بھی ہو جائے اور مسلمان موجودہ زمانہ کی دھریت اور الحاد کی بلا سے بچ سکیں اور عام لوگوں کو عقائد اسلامیہ کے بارہ میں عقلی طور پر بھی شک اور تردد نہ رہے اور ایمان مضبوط اور مستحکم ہو جائے اور سمجھ جائیں کہ اسلام کے اصول و نظریات کیسے معقول اور مدلل ہیں اور یہ تحریر عقائد الاسلام کا دوسرا حصہ ہے۔

سو وہ مختصر رسالہ ہدیہ ناظرین ہے اور اسی وجہ سے اس کو خلاصۃ العقائد کے نام سے موسوم کرتا ہوں اور یہ تحریر اگرچہ بہ نسبت عقائد الاسلام اور علم الکلام بہت مختصر ہے لیکن باوجود اختصار کے اس میں بہت سے جدید اور مفید مضامین ایسے آگئے ہیں جو گذشتہ کتابوں میں نہیں آئے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم.



عقائد متعلقہ بذاتِ خداوندی وصفاتِ خداوندی

عقیدۂ اول

وجودِ باری تعالیٰ وحدوثِ عالم

اللہ تبارک وتعالیٰ بذاتِ خود موجود ہے اور یہ سارا عالم آسمان سے لے کر زمین تک جس میں انسان اور حیوان اور جواہر اور اعیان اور اجسام اور اعراض اور جمادات اور نباتات وغیرہ وغیرہ قسم قسم کی چیزیں موجود ہیں سب کے سب اسی کی ایجاد سے موجود ہیں۔ یہ سب چیزیں پہلے بالکل نیست ونابود تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوئیں اور یہ تمام عالم اور عالم کی ہر چیز قابل فنا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ اس عالم کو اور اس کی سب چیزوں کو نیست اور نابود اور معدوم کرنے پر بخوبی قادر ہے۔ عدم سے وجود میں آنے کا نام حدوث ہے اور وجود سے عدم میں چلے جانے کا نام فناء ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ.[۱]

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ.[۲]

---

(۱) اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے، اور (صرف) تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔ (رحمٰن ۲۶، ۲۷)

(۲) ہر چیز فنا ہونے والی ہے، سوائے اس کی ذات کے۔ (قصص/۸۸)

اور جو چیز عدم سے وجود میں آسکتی ہے وہ وجود کے بعد دوبارہ بھی عدم میں جاسکتی ہے ''کل شئی یرجع الی اصلہ '' پس یہ عالم حادث بھی ہے اور قابلِ فناء بھی ہے اور حدوث عالم اور فناء عالم کا عقیدہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور اس کا انکار بلاشبہہ کفر ہے۔

(۱) دھریہ جو صانعِ عالم کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ عالم قدیم ہے اور اس کا مادہ قدیم ہے وہ کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں وہ خود بخود موجود ہے اور عناصر کے امتزاج سے یہ عالم بن کر تیار ہوگیا ہے ۔ یہ عالم کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں۔ (۲) اور اکثر فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ صانع عالم قدیم ہے اور ہیولی (مادہ) بھی قدیم ہے وہ کسی کا پیدا کیا ہوا نہیں اور اس عالم کی اصل اور جڑ یہی ہیولیٰ ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کیا۔ فلاسفہ کے نزدیک جیسے گیہوں آٹے اور روٹی کی اصل ہے اور لکڑی دروازوں کی اصل ہے اور مٹی عمارت کی اصل ہے اسی طرح ہیولی تمام عالم کی اصل ہے۔ (۳) اور طبعیین یہ کہتے ہیں کہ عالم کی اصل عناصر اربعہ ہیں اور تغیرات اور تنوعات عالم کی علت طبائع عنصر یہ اور ان کے خواص اور آثار ہیں طبعیتیں اور قوتیں تاثیر میں مستقل ہیں اس میں کسی بیرونی ارادہ اور مشیت کو دخل نہیں۔ (۴) اور منجمین یہ کہتے ہیں کہ تنوعات عالم کی علت سبعہ سیارہ کی حرکات اور ان کا طلوع وغروب ہے۔ (۵) علماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ فلاسفہ اور منجمین اور طبعیین نے جو کچھ کہا ہے وہ محض دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

پیدائش عالم کے بارہ میں قدیم فلاسفہ کا بڑا اختلاف ہے ہر ایک نے جدا رائے قائم کی لیکن زمانہ حال کے فلاسفہ کی رائے جس چیز پر قائم ہوئی وہ یہ ہے کہ اس عالم ارضی وسماوی کی اشیاء کی پیدائش کی اصل دو چیزیں ہیں ایک مادہ اور اس کے ذرات بسیطہ، اور دوسرا اس کی قوت یعنی حرکت اور یہ دونوں چیزیں قدیم ہیں اور ہمیشہ سے ہیں اور ازل سے ان میں تلازم ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک بغیر دوسرے کے پایا جاسکے۔ اور مادہ سے مراد یہی اثیر (ایتھر) ہے جو خلا میں بھرا ہوا ہے اور مادہ کی قوت سے اس کے غیر منقسم اجزاء کی حرکت مراد ہے اس حرکت سے ان اجزاء میں امتزاج پیدا ہوا جس سے آسمان اور زمین اور ستارے اور جمادات اور نباتات اور حیوانات بن گئے۔ وغیرہ وغیرہ

زمانہ حال کے فلاسفہ کی یہ تقریر دلپذیر ہم نے ناظرین کے سامنے کردی ہے جس کی

حقیقت ایک خیالی پلاؤ سے زیادہ نہیں۔ یہ لوگ بلا دلیل مادہ قدیمہ اور اس کی حرکت قدیمہ پر ایمان لائے ہوئے ہیں حالانکہ حکمت جدیدہ کا دعویٰ یہ ہے کہ جب تک ہم کو کوئی چیز محسوس نہ ہو جائے اس کو نہ ماننا چاہئے۔

نہ معلوم ان حضرات نے مادہ کی ذرات بسیطہ کی حرکت کا کب مشاہدہ کیا ہے۔ ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ پانی کے ایک قطرہ میں کروڑ ہا جانوروں کا وجود ہے۔ اور ان میں ایسے جانور بھی موجود ہیں جن کے دکھانے کی صلاحیت کلاں بینوں میں بھی موجود نہیں۔ اب قابل غور یہ امر ہے کہ جانور تو آخر جانور ہی ہے لامحالہ اس میں دل اور جگر اور حیوانات کے اعضاء ضرور موجود ہوں گے اور ان اعضاء کی ترکیب انہی اجزاوی مقراطیسیہ سے ہوگی تو بتلایا جائے کہ ان اجزاء کو جن سے ان جانوروں کے اعضاء مرکب ہوتے ہیں کس نے دیکھا ہے اور کس طرح دیکھا ہے اور بغیر دیکھے ان کی طرف آپ کا ذہن کیسے منتقل ہوا۔ بغیر دیکھے آپ ان کے کیسے قائل ہو گئے۔ اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ یہ سارا عالم حادث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر اصل اور بغیر مادہ کے اس کو پیدا کیا ہے یہ کارخانہ عالم ایک عجیب کارخانہ ہے اس کارخانہ کے پیدا کرنے والے اور بنانے والے کا نام اللہ ہے جو بلاشبہ موجود ہے۔ خدا کی ہستی کوئی ایسی چیز نہیں جس میں شک اور شبہ کی ذرا بھی گنجائش ہو تمام علویات اور سفلیات اس کے وجود کی شاہد ہیں۔ عالم کا ذرہ ذرہ خدا کے وجود پر گواہ ہے۔

حدوث عالم اور اثبات صانع عالم

اس لئے اسلام کا پہلا عقیدہ یہ ہے کہ عالم حادث ہے۔ عدم سے وجود میں آیا ہے جس کا پیدا کرنے والا اور بنانے والا اور ہستی کا لباس پہنانے والا خدا ہے جس کا نام پاک اللہ ہے اور اس عالم کے تمام تنوعات اور تغیرات اللہ ہی کے علم اور قدرت اور تدبیر کامل سے وجود میں آ رہے ہیں۔

اور زمانہ حال کے فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام تنوعات مادہ کے اجزاء اور ذرات بسیطہ کے حرکت ازلیہ سے اور عناصر ممتزجہ کے تاثیر اور تاثر سے پیدا ہو رہے ہیں اور اس عالم کے انواع و اقسام کی چیزیں محض مادہ اور اس کی حرکت سے وجود اور نمود میں آ رہی ہیں۔

عقل یہ کہتی ہے کہ یہ عجیب وغریب کارخانہ عالم کسی بے شعور اور بے جان مادہ کی حرکت کا ثمرہ نہیں بلکہ کسی دست قدرت کا کرشمہ ہے جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔

دلائل حدوث عالم و اثبات صانع عالم

عالم کا کوئی جسم ترکیب اور اجتماع اور انقسام اور افتراق سے اور حرکت اور سکون سے خالی نہیں اور عقل سلیم ایسے جسم کے سمجھنے سے قاصر ہے کہ جو نہ متحرک ہو اور نہ ساکن ہو اور ظاہر ہے کہ حرکت اور سکون اور اجتماع اور افتراق یہ سب چیزیں حادث ہیں پہلے سے موجود نہ تھیں اور عدم کے بعد وجود میں آنے اور نیستی کے بعد ہستی کا لباس پہننے ہی کا نام حدوث ہے معلوم ہوا کہ جسم کے یہ تمام اوصاف اور احوال سب حادث ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ اجتماع اور افتراق اور یہ حرکت اور یہ سکون اور یہ حرارت اور یہ برودت نفسِ جسم کی طبیعت اور ماہیت کا ذاتی اور طبعی اقتضاء نہیں اور ان مختلف احوال میں سے کوئی خاص حالت اور کوئی خاص کیفیت جسم کے لئے بالذات لازم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی جسم کسی خاص صفت اور خاص حالت پر قائم و دائم نہیں ہر لمحہ اور ہر لحظہ تغیر و تبدل ہے لہٰذا تلاش اس بات کی ہے کہ اس اختلاف اور تنوع کی کوئی علت ہونی چاہئے اور مادہ اور اس کی غیر شعوری اور غیر اختیاری حرکت اس تغیر و تبدل کی علت نہیں بن سکتی۔ اس لئے کہ مادہ بذات خود اور اس کی حرکت دونوں عقل اور ادراک سے خالی ہیں، لہٰذا وہ اسی اختلاف اور تمایز کا سبب نہیں بن سکتے اس قسم کے عجائب وغرائب کے لئے کمال علم اور کمال قدرت اور کمال اختیار ضروری ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جسم کی طبیعت اور فطرت کے علاوہ کوئی خارجی شئے ہے جو کبھی اس جسم کو اپنے ارادہ اور اختیار سے حرکت دیتی ہے اور کبھی اپنے اختیار سے اس کی حرکت کو بند کر دیتی ہے پس جو ذات عرش سے لے کر فرش تک اس عالم کو اپنے علم اور قدرت اور اختیار سے نچا رہی ہے وہی اس عالم کا خدا ہے اور اسی دلیل سے مادہ کا حادث ہونا بھی ثابت ہو گیا اس لئے کہ دیگر کائنات کی طرح مادہ بھی حرکت اور سکون سے اور دیگر عوارض سے خالی نہیں ہو سکتا عقلاً یہ بات محال ہے کہ مادہ بالکلیہ صورت اور شکل سے اور حرکت اور سکون سے اور بالکلیہ تمام عوارض اور حوادث سے خالی ہو پس معلوم ہوا کہ عوارض اور احوال کی طرح مادہ بھی

حادث ہے کیونکہ جس چیز پر ہمیشہ سے حوادث اور عوارض کا توارد چلا آتا ہو وہ کبھی قدیم نہیں ہوسکتی۔ جو چیز بغیر عوارض اور حوادث کے موجود نہ ہوسکے وہ چیز عقلاً قدیم نہیں ہوسکتی۔

(۲)

نیز انسان اور حیوان عناصر اربعہ سے مرکب ہے جو باہم غایت درجہ متضاد ہیں۔ فلاسفہ بتلائیں کہ یہ چار متضاد حقیقتیں ایک جسم میں کیسے جمع ہوگئیں اور وہ کونسا ایتھر اور نیچر ہے جس نے ان چار متضاد حقیقتوں کو ایک پیکر جسمانی میں اس طرح جمع کر دیا کہ چاروں عناصر مل کر شیر وشکر ہوگئے اور عناصر کا باہمی تضاد اور اختلاف یکسر مبدل بہ اتحاد والفت ہوگیا عقل اس بات کے ماننے پر تیار نہیں کہ عناصر اربعہ کی باہمی عداوت ومنافرت محض مادہ کی غیر شعوری حرکت سے یک لخت مبدل بہ محبت والفت ہوگئی۔

(۳)

نیز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان ذرات بسیطہ میں جو خلا میں متحرک تھے ان میں چند ذرات کے باہمی اتصال سے یعنی مل جانے سے کوئی تو جاہل اور کندہ ناتراش بن گیا اور کوئی حکیم اور کوئی فلسفی بن گیا۔ جب اصل مادہ میں شعور اور ادراک نہ تھا تو ان چند ذرات میں عقل اور شعور کہاں سے آگیا۔

آسمان سے بارش برستی ہے اور زمین پر گرتی ہے جس سے قسم قسم کے نباتات پیدا ہوجاتے ہیں ہر ایک کا رنگ اور ہر ایک کی بو اور ہر ایک کا ذائقہ دوسرے سے ممتاز اور جدا ہوتا ہے اور ہر ایک کی خاصیت دوسرے سے الگ ہوتی ہے حالانکہ مادہ اور ایتھر سب کا ایک ہوتا ہے۔

کیا یہ رنگ اور بو اور مزہ کا اختلاف اور امتیاز خود بخود بخت واتفاق کے طور پر پیدا ہوگیا ہے یا کسی دستِ قدرت واختیار کا کرشمہ ہے۔ عقل سلیم اس بات کے تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں کہ عالم کی انواع واقسام کی چیزیں جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور جدا ہیں محض مادہ کی اضطراری اور غیر شعوری حرکت سے خود بخود پیدا ہوگئیں۔ مقام حیرت ہے کہ

ان فلاسفہ کے نزدیک مادہ میں اور اس کی حرکت میں نہ کسی قسم کا ادراک اور شعور ہے اور نہ کسی قسم کا ارادہ اور اختیار ہے اور نہ اس میں کسی تدبیر اور تصرف اور انتظام کی صلاحیت ہے تو پھر اس اندھے اور بہرے اور بے جان مادہ کی غیر اختیاری حرکت سے اس عجیب وغریب انتظام کے ساتھ یہ عالم کیسے پیدا ہو گیا۔ عقل یہ کہتی ہے کہ ایسا عجیب وغریب کارخانہ بدون علم اور قدرت اور بدون کمال حکمت کے نہیں چل سکتا۔ اس لئے کہ ایک بے جان اور بے شعور چیز میں کسی قسم کے احداث اور ایجاد کی صلاحیت ہی نہیں۔ پس یہ دعویٰ کرنا کہ ایک بے جان چیز کی اضطراری اور غیر شعوری حرکت سے یہ کارخانہ عالم خود بخود بن کر تیار ہو گیا۔ شاید پاگل خانہ کا کوئی دیوانہ بھی اس کے ماننے پر تیار نہ ہو۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو چیز خود بے عقل اور بے شعور ہے اس سے بے تکلف ذی عقل اور ذی شعور چیزیں کیسے موجود ہو گئیں اور عقلاً یہ امر کیسے ممکن ہے، کہ جس چیز میں اصلاً مادہ ادراک نہیں اس سے ایسی صنعتیں ظہور میں آ جائیں جن کو دیکھ کر بڑے بڑے عقلاء حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ اجسام کی طبیعتیں اور قوتیں مختلف ہیں مگر کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ طبائع اور قویٰ موجودات عالم کی خالق اور موجد ہیں یا خود بخود بالذات موثر اور مدبر ہیں۔

بلکہ

خالق اور موجد تو وہ ذات ہو سکتی ہے جو کمال علم اور کمال قدرت کے ساتھ موصوف ہو اور یہ قوتیں اور طبیعتیں علم اور قدرت سے یکسر عاری ہیں ان کا خالق اور موجد اور موثر اور مدبر ہونا عقلاً محال ہے۔ البتہ یہ قوتیں اور یہ طبیعتیں اس عالم اسباب میں آلات اور ادوات کا کام کر رہی ہیں اور حوادث اور واقعات عالم میں اصل موثر اور متصرف وہی قادر مختار ہے جس کا نام اللہ ہے۔

(۴)

کائناتِ عالم کی یہ نیرنگیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی قدیم نہیں کیونکہ جو چیز قدیم ہوتی ہے وہ یوں الٹتی اور بدلتی نہیں اور وہ پلٹیاں نہیں کھاتی، وہ ہمیشہ

ایک حال پر رہتی ہے قدیم اور ازلی چیز قابل فنا اور زوال نہیں ہوتی۔ جو چیز قدیم اور ازلی اور ابدی ہو اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی حرکت اور سکون ہوتا ہے وہ ہمیشہ ایک حال پر رہتی ہے۔ تغیر ایک قسم کا تاثر ہے جو بدوں کسی موثر اور فاعل کے نہیں ہوسکتا اور جو چیز کسی فاعل کے فعل کا اثر ہو وہ بلاشبہ حادث ہے یا یوں کہو کہ عالم قسم قسم کے انقلابات کی آماجگاہ ہے اور انقلاب ایک قسم کی حرکت ہے اس لئے کہ انقلاب کی حقیقت ہی یہ ہے کہ شئے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جائے اور یہی حرکت کی حقیقت ہے اور ہر حرکت کے لئے کسی محرک کا ہونا ضروری ہے کہ وہ حرکت اس محرک کے ارادہ اور اختیار کے تابع ہو۔

(۵)

عالم کی جس چیز پر بھی نظر ڈالو وہ حرکت سے خالی نہیں۔ حیوانات اور نباتات اور جمادات بھی حرکت میں ہیں اور عناصر اربعہ بھی حرکت میں ہیں اور حرکت بھی ایک قسم کی نہیں بلکہ بے شمار قسم کی حرکتیں ہیں جو محسوسات اور معقولات دونوں کو لاحق ہیں اور ظاہر ہے کہ عناصر اور مرکبات کی حرکتیں ان کی ذات سے نہیں یعنی ان کی طبیعت اور ماہیت کا ذاتی اقتضاء نہیں بلکہ کسی ایسے محرک کی وجہ سے ہیں جو ان کی ذات کے علاوہ اور غیر ہے پس وہی ذات جو اس تمام عالم کی محرک ہے وہی ذات اس کی خالق اور مالک ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب ثابت ہوگیا کہ یہ عالم حادث ہے عدم کے بعد وجود میں آیا ہے تو لامحالہ اس کے لئے کوئی محدث ہونا چاہئے یعنی عدم سے وجود میں لانے والا ہونا چاہئے۔ کیونکہ کسی ممکن کا عدم سے نکل کر خود بخود وجود میں آجانا اور نیستی سے نکل کو خود بخود ہستی کا لباس پہن لینا عقلاً محال ہے۔ اس لئے کہ یہ چیز وجود میں آنے سے پہلے ممکن تھی جس کا وجود اور عدم دونوں جائز تھے۔ نہ وجود ضروری تھا اور نہ عدم ضروری تھا۔ کیونکہ ممکن کی حقیقت ہی یہ ہے کہ جس ماہیت کے وجود اور عدم کے دونوں پلے بالکل برابر ہوں یعنی بلحاظ ماہیت کے ان کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوں اور عقلاء کے نزدیک ترجیح بلا مرجح محال ہے کہ ترازو کا کوئی پلہ بلا وجہ اور بلا سبب دفعتہً خود بخود جھک جائے بلا وجہ ایک پلہ تو زمین سے جا لگے اور دوسرا پلہ آسمان سے جا لگے۔ برابر کے پلوں میں سے خود بخود ایک پلہ کا جھک

جانا عقلاء کے نزدیک محال ہے۔ اسی طرح جب ممکن کے وجود اور عدم کے دونوں پلے برابر تھے تو دفعتہً خود بخود وجود کا پلہ کیسے جھک گیا اور عدم ازلی کے پنجرہ سے نکل کر خود بخود وجود کے دلفریب میدان میں کیسے آ گیا۔ ممکن کی ترازو کا ایک پلہ وجود ہے اور ایک پلہ عدم ہے اور درجہ امکان میں دونوں پلے برابر ہیں اور عقلاً یہ بات محال ہے کہ بلا کسی سبب کے ترازو کا ایک پلہ دفعتہً خود بخود بھاری ہو جائے اور دوسرا پلہ دفعتہً خود بخود ہلکا ہو جائے۔ پس جب ممکن بلحاظ اصل ماہیت کے بذاتہ نہ معدوم ہے اور نہ موجود ہے تو اس کی موجودیت کے لئے ایسی چیز درکار ہوگی کہ جو اس کو عدم کے ظلمت کدہ سے وجود کے نورانی محل میں لے آئے اور یہ بات کسی ممکن ذات سے ممکن نہیں ایک ممکن دوسرے ممکن کے لئے کیسے علت بن سکتا ہے۔ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار، کیونکہ جب وہ علت خود ممکن ہے تو اس کا وجود اور عدم خود اس کے حق میں یکساں ہوں گے تو وہ دوسرے کے لئے کیونکر علت اور مرجح ہو سکتی ہے لہٰذا ممکن کے دو پلوں میں سے ایک پلہ کی مرجح وہی ذات ہو سکتی ہے جو ممکنات کے قبیل سے نہ ہو۔ بلکہ واجب الوجود ہو یعنی بذاتِ خود خود بخود موجود ہو اور اصل حقیقت کے لحاظ سے اس کا وجود ضروری ہو اور عدم اس کا محال ہو پس اسی ذات کو ہم خدا کہتے ہیں۔

(۶)

نیز عالم کا ہر لحہ تغیر اور تبدل بھی اس کے حدوث کی دلیل ہے اس لئے کہ یہ تغیر و تبدل اس بات کی دلیل ہے کہ عالم کے لئے کوئی خاص حالت واجب اور ضروری نہیں لہٰذا ضروری ہوا کہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کے لئے کوئی مرجح چاہیے اس لئے کہ جب ممکن ہونے کی حیثیت سے دونوں حالتیں مساوی ہیں تو بلا کسی سبب کے کسی خاص حالت کا ظاہر ہونا ترجیح مرجح ہے جو عقلاً محال ہے۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۹۲

بحمدہ تعالیٰ ہماری اس تقریر سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو گیا کہ جو دوسرے کو وجود عطا کرے گا وہ خود عدم سے منزہ ہوگا کیونکہ جو خود اپنی ذات سے معدوم ہوگا وہ خود اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج ہوگا تو وہ دوسرے کو کیا وجود بخشے گا اور ایک فقیر اور نادار دوسرے فقیر کو کیا بخش دے گا۔ پس اسی محدث عالم اور موجد عالم کو ہم خدا کہتے ہیں جس کا نام اللہ ہے۔

(۷)

ادنیٰ عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ ایک معمولی کوٹھرا اور ایک معمولی جھونپڑا بھی خود بخود بن کر کھڑا اور تیار نہیں ہو جاتا تو یہ اتنا بڑا عالی شان کون و مکان اور زمین و آسمان خود بخود کیسے تیار ہو گیا۔ ضرور ہے کہ کوئی اس کا بنانے والا ہو اگر چہ وہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو اور کسی وجہ سے ہم اس کو نہ دیکھ سکتے ہوں جیسے مکان بغیر بنانے والے کے خود بخود بن کر تیار نہیں ہو جاتا اور کتاب بغیر کاتب کے خود بخود لکھ کر اور چھپ کر تیار نہیں ہو جاتی۔ اسی طرح اس دنیا کے قصر عالیشان کو سمجھو کہ زمین سے لے کر آسمان تک خود بخود تیار نہیں ہو گیا۔ لامحالہ کوئی اس کا خالق اور پیدا کرنے والا ضرور ہے۔ اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔ اسی نے اپنی قدرت سے اس عالم کو پیدا کیا۔ کما قال تعالیٰ:

صُنْعَ اللهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ.

یعنی اللہ کی صنعت اور کاریگری کو دیکھو جس نے ہر چیز کی ساخت کو استوار کیا بے شک وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

لہٰذا جو شخص یہ کہے کہ یہ مکان یا یہ کتاب بغیر کسی معمار کے یا بغیر کسی کاتب کے خود بخود مادہ ترابی یا مادہ سیاہی کے ذرات بسیطہ کی حرکت سے اور اجزاء کے باہمی امتزاج سے خود بخود تیار ہو گیا یا ہو گئی تو کوئی عاقل اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو گا۔ تعمیر مکان اور تحریر کتاب کے لئے علم اور قدرت اور ارادہ ضروری ہے اگر کسی جگہ کوئی کتاب نظر آئے اور اس کے پاس دوات اور قلم بھی رکھا ہوا نظر آئے مگر کاتب نظر نہ آئے اور کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ یہ کتاب مادہ سیاہی کے ذرات بسیطہ کی حرکت سے اور قلم کی حرکت سے بغیر کسی کاتب کے خود بخود تیار ہو گئی ہے اور کسی ذی شعور اور ذی اختیار کاتب اور خوش نویس نے اس کو نہیں لکھا تو مادہ پرست اس شخص کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے یا مثلاً کسی جگہ کوئی مقتول لاش ملے اور اس کے پاس ایک تلوار بھی رکھی ہوئی ملے تو کیا اگر کوئی اس حالت کو دیکھ کر فعل قتل کو مادہ تلوار کے ذرات بسیطہ کی طرف منسوب کرے اور کہے کہ قاتل کی سراغ رسانی کے لئے جد و جہد عبث اور بے کار ہے تو کیا کوئی عاقل اس امر کو تسلیم کر سکتا ہے۔ معمولی صنعت کو دیکھ

کر یقین آجاتا ہے کہ اس صنعت کا کوئی صانع ضرور ہے تو یہ عالم جو ایک عجیب وغریب صنعت ہے اسے دیکھ کر یقین آجانا چاہیے کہ یہ کارخانہ محض مادہ اور اس کی غیر اختیاری حرکت سے خود بخود پیدا نہیں ہو گیا بلکہ کسی صاحبِ قدرت وحکمت نے اس کو اپنے اختیار سے پیدا کیا ہے۔

جب کوئی شخص کسی مٹی کے برتن کو یا مٹی کے کسی کھلونے کو دیکھتا ہے تو فی الفور اس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کسی بڑے کاریگر نے اس کو بنایا ہے۔ کسی پرلے درجے کے احمق کے دل میں بھی یہ خیال نہیں گذرتا کہ مٹی کے اجزاء حرکت کر کے خود بخود جمع ہو گئے اور مادہ ترابی اور مادہ آبی کے اجزاء خود بخود حرکت کر کے باہم متصل ہو گئے اور اجزاء کے باہمی اتصال سے یہ برتن اور یہ کھلونا خود بخود تیار ہو گیا اور جو اس قسم کی باتیں کرے وہ بلاشبہ دیوانہ ہے۔ موجودہ زمانہ کے فلاسفہ کا یہ خیال ہے کہ اس عالم کی تمام ساوی اور ارضی اشیاء کی اصل دو چیزیں ہیں ایک مادہ اور ایک اس کی حرکت۔ مادہ کے اجزاء دی مقراطیسیہ جن کو اجزاء لا تجزی اور ذرات بسیطہ اور ایتھر سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان ذراتِ بسیطہ کی اتفاقی حرکت سے ان اجزاء میں باہمی اتصال اور امتزاج پیدا ہوا اور پھر اس امتزاج کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے یہ اجزاء خاص خاص کیفیتوں اور خاص خاص صورتوں پر جمع ہو گئے جن سے یہ آسمان اور زمین اور چاند اور سورج اور ستارے بن گئے تو خوب سمجھ لو کہ یہ سب خیال خام ہے جس پر ایک ذرہ بسیطہ کے برابر بھی کوئی دلیل نہیں۔ ان مدعیانِ حکمت کے پاس نہ مادہ کے غیر متناہی ذرات کے وجود پر کوئی دلیل ہے اور نہ لا متناہی فضاء میں ان کی حرکت پر کوئی دلیل ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل ہے کہ مادہ کے اجزاء ازل سے حرکت میں ہیں ان حضرات کو تو کل کی بھی خبر نہیں ازل کی تو کیا خبر ہوتی اور نہ ان اجزاء کے باہمی اتصال پر ان کے پاس کوئی دلیل ہے کہ یہ اتصال اور امتزاج کب ہوا اور کیسے ہوا اور کیوں ہوا۔ کہتے ہیں کہ اتفاقی طور پر ان میں اتصال ہو گیا اور قوانین فطرت کے مطابق یہ اجزاء اتفاقی طور پر خاص خاص کیفیتوں پر جمع ہو گئے حالانکہ ان کے پاس نہ ان قوانین فطرت کے وجود اور ثبوت کی کوئی دلیل ہے اور نہ قوانین فطرت کے لئے جس قسم کے لوازم اور لزوم کے یہ لوگ مدعی ہیں عقل ان کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حروف ہجائیہ خود بخود حرکت کر کے

فلسفی صاحب کے دماغ میں جمع ہو گئے ہوں اوران کے امتزاج سے یہ تقریر تیار ہو گئی ہو اور ان کے دماغ سے نکل کران کی زبان سے نکل پڑی ہو۔ پس جب ایک معمولی مٹی کے برتن اور کھلونے کو دیکھ کر ایسا خیال کرنا کہ یہ برتن خود بخود تیار ہو گیا ہے ایک مجنونانہ خیال ہے تو اس کارخانہ عالم کو اس عجیب خوبی اور عمدگی اور عجیب انتظام کے ساتھ دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ اس کا بنانے والا کوئی نہیں بلکہ بے شعور مادہ اور اجزاء لاتجزی کی غیر شعوری اور غیر ارادی حرکت سے یہ قصر عالی شان خود بخود تیار ہو گیا ہے تو کیا یہ خیال مجنونانہ خیال اور دیوانہ کی بڑ نہیں سمجھا جائے گا۔

پس معلوم ہوا کہ جس کی فطرت میں ذرا بھی سلامتی ہے وہ اس کارخانہ عالم کو دیکھ کر سمجھ لے گا کہ اس کارخانہ کا کوئی بنانے والا ضرور ہے اور وہی خدا ہے اور وہی واجب الوجود ہے اور وہی واہب الوجود ہے۔ واجب الوجود کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور بذات خود موجود ہے اور اسی وجہ سے اس کو خدا کہتے ہیں کہ وہ خود بخود ہے اور وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں اور اس کا وجود ایسا حتمی اور لازمی ہے کہ اس میں عدم اور فناء اور زوال کا ذرہ برابر کوئی امکان اور احتمال نہیں۔

اور واہب الوجود کے معنی یہ ہیں کہ وہ دوسروں کو وجود عطا کرنے والا ہے اس کے سوا جس کسی کے پاس بھی وجود ہے وہ اسی وھاب کریم کا ہبہ اور عطیہ ہے اس کے سوا جو بھی موجود ہے وہ اپنے وجود اور ہستی میں اسی کا محتاج ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کو وجود اور ہستی کا خلعت پہناتا ہے اور جب چاہتا ہے تو وہ اپنے عطا کردہ لباس ہستی کو واپس لے لیتا ہے پس جو ذات کائنات کے وجود اور عدم کی مالک ہے وہی خدا ہے۔ مادہ کے اجزاء اور ذرات میں نہ کسی قسم کا شعور ہے اور نہ ادراک ہے۔ پس جو مادہ اپنی ذات سے بالکل اندھا اور بہرہ اور گونگا ہے اس سے یہ منظم اور مرتب کارخانہ عالم جس کی حسنِ ترتیب کے ادراک سے عقلاء عالم عاجز ہیں کیسے وجود میں آ گیا۔

فلاسفہ حال سے سوال

دنیا کے فلاسفہ اور حکماء جو قادر مختار کے بجائے صرف مادہ اور اس کی حرکت کے قائل

ہوئے ہیں ان سے یہ دریافت کیا جائے کہ جن اجزاء مادہ سے آفتاب بن گیا ان اجزاء اور ذرات سے چاند کیوں نہ بن گیا اور جن اجزاء مادہ سے پیروں کے تلوے بنے ہیں ان سے ان کے سر کی کھوپڑی کیوں نہ بن گئی اور چیونٹی کی روح میں وہ قوت کیوں نہ آ گئی جو شیر کی روح میں ہے۔ مادہ پرست اس قسم کے سوالات کے جواب میں یہی کہے گا کہ جیسی استعداد تھی ویسی ہی صورت پیدا ہوگئی تو پھر سوال یہ ہوگا کہ مادہ میں استعداد کیوں مختلف ہوئی جبکہ مادہ بھی ازلی ہے اور اس کی حرکت بھی ازلی ہے تو یہ استعداد کیوں حادث ہوئی اور استعدادوں میں اختلاف کہاں سے آیا۔ جب استعداد کی علت ازلی ہے تو استعداد بھی ازلی ہونی چاہئے۔ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض اجزاء مادہ کے امتزاج سے تو آم کا درخت بن گیا اور بعض کے حنظل کا پودا بن گیا اور بعض اجزاء کے امتزاج سے سنکھیہ بن گیا اور بعض سے تریاق بن گیا اور بدن انسانی میں بعض اجزاء مادہ کے امتزاج سے دل اور چہرہ اور آنکھیں بن گئیں اور بعض اجزاء کے امتزاج سے معدہ اور پیشاب اور پاخانہ کی جگہ بن گئی اور ہر ایک کی صورتِ نوعیہ علیحدہ علیحدہ ہوگئی اور ہر ایک کی خاصیت اور صفت الگ الگ ہوگئی۔ حضرات فلاسفہ ذرا اس کی وجہ تو بیان کریں اور خدا کی قسم نہیں بیان کر سکیں گے۔

غرض یہ مادہ پرست سوالات کے جوابات سے عاجز ہو کر بالآخر ایک بے جان اور بے شعور مادہ کے استعداد کے سامنے سر جھکا دیتا ہے اور خدا پرست خداوند علیم و قدیر کے سامنے سر جھکا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تنوعات عالم کا یہ اختلاف اور یہ تفاوت خدا کی قدرت اور مشیت اور اختیار اور ارادہ کی بنا پر ہے جیسا چاہا بنایا۔ خدا پرست کا منتہی اس کا قادر مختار پروردگار ہے۔ وان الی ربک المنتھی۔ اور مادہ پرست کی حرکت فکر یہ کا منتہی مادہ کے ذرات بسیطہ کے حرکت موہومہ ہے جس کا سوائے اس فلسفی کے خیال کے کہیں نام و نشان نہیں۔

عقل سلیم یہ سمجھتی ہے اور ہر آنکھ یہ دیکھتی ہے کہ عالم کی جو چیز بھی ہے وہ محدود اور متناہی ہے اور اس کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ہے اور عالم کی جو شے مرکب ہے وہ متناہی اور محدود اجزاء سے مرکب ہے ہر چیز کی ایک خاص مقدار ہے

كُلّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَار

اور ہر چیز کی ایک خاص شمار ہے

اَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا.

اور عالم کی ہر چیز محدود ہے اور معدود ہے

تو لامحالہ مجموعہ عالم بھی محدود اور معدود ہوگا اور جس کی ابتداء اور انتہا ہو اور وہ محدود اور معدود ہو اور محصور اور مقہور ہو اور لاچار اور مجبور ہو تو وہ چیز کبھی قدیم اور ازلی نہیں ہوسکتی لامحالہ حادث ہوگی، اور ہر حادث کے لئے محدث (پیدا کرنے والا) چاہئے۔ اس لئے عقلاً یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز بلا کسی علت اور بلا کسی سبب کے خود بخود عدم سے وجود میں آجائے۔ تفصیل کیلئے ملل ونحل لابن حزم از صفحہ ۱۴ تا صفحہ ۱۶ جلد ا دیکھیں۔

اگر یہ عالم خود بخود بغیر کسی صانع کے عدم سے وجود میں آیا ہوتا تو پھر اشیاء عالم کے حدوث کے لئے کسی خاص وقت اور کسی خاص صفت اور کسی خاص حالت کی تخصیص نہ ہوتی۔ اس تخصیص کے وجہ بتائی جائے کہ یہ شئے اس خاص وقت میں اسی خاص حالت میں اور اس خاص صفت کے ساتھ کیوں موجود ہوئی۔ عقلاً یہ بھی ممکن تھا کہ یہی شئے بجائے اس وقت کے دوسرے وقت میں موجود ہو جاتی اور بجائے سفید ہونے کے سیاہ ہوتی اور زید مثلاً اس وقت کیوں پیدا ہوا اس سے پہلے کیوں نہ پیدا ہوگیا، اور اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک انسان پست قد ہے، اور دوسرا دراز قامت، اور ظاہر ہے کہ یہ خصوصیات ماہیت جسمانیہ اور حقیقت انسانیہ کا ذاتی اور طبعی اقتضا نہیں ورنہ ایک جنس اور ایک نوع کے افراد میں اس قدر اختلاف اور تفاوت نہ ہوتا معلوم ہوا کہ یہ اختلاف اور تفاوت کسی علیم وقدیر ذات کے ارادہ اور مشیت کی وجہ سے ہے وہی اس عالم کا خدا اور خالق ہے اور اسی کا نام اللہ ہے۔ سماوی اور ارضی تنوعات اور تغیرات ان فلاسفہ کی نظروں کے سامنے بھی ہیں اور ان کا حدوث اور فنا اور ان کا تغیر اور تبدل بھی ان کے سامنے ہے کہ یہ تنوعات پہلے موجود نہ تھیں بعد میں موجود ہوئیں اور نہ معلوم کس وقت فنا ہو جائیں اور ان فلاسفہ کو اس بات کا بھی اقرار ہے کہ مادہ میں اور اس کی حرکت میں نہ کسی قسم کا ارادہ پایا جاتا ہے اور نہ اس میں کچھ سمجھ ہے اور نہ اسے اور اس کے ذرات کو کسی شی کا علم ہوتا ہے، اور نہ کسی تدبیر کی قابلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں تو پھر نہ معلوم کہ ان ذرات کے غیر شعوری اور غیر اختیاری حرکت سے اور غیر شعوری اور غیر اختیاری امتزاج سے یہ تمام عالم نہایت عجیب وغریب انتظام کے ساتھ کیسے پیدا ہوگیا جسے دیکھ کر عقل

حیران ہے اور پھر ان فلاسفہ کی بے عقلی کو دیکھ کر عقل حیران ہے اور سوچتی ہے کہ یہ بے عقلی کی باتیں اس فلسفی کے کون سے ذرات مادہ کی حرکت کا اور اس کے امتزاج کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ جدید فلاسفہ کا مذہب یہ ہے کہ مادہ خود بخود پیدا ہو گیا اور اس کی حرکت بھی خود بخود پیدا ہو گئی۔ جس سے مادہ کے اجزاء اور ذرات بسیطہ میں خود بخود امتزاج اور باہمی اتصال پیدا ہو گیا اور اس اتصال اور امتزاج سے خود بخود صور نوعیہ پیدا ہو گئیں اور ساتھ ساتھ ان کی خاصیتیں بھی خود بخود پیدا ہو گئیں اور انہی خاصیتوں کا نام ان لوگوں نے قوانین فطرت رکھ رکھا ہے اور کبھی اس کے لئے قانون قدرت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً آگ کا جلانا قانون قدرت ہے ان لوگوں کے نزدیک قوانین فطرت اور قوانین قدرت کے لفظ سے اسباب وعلل مراد ہوتے ہیں۔

حالانکہ حکمتِ جدیدہ کا دعویٰ یہ ہے کہ جو چیز محسوس نہ ہو اگر خدا بھی ہو تو بھی اس کو نہ ماننا چاہئے پس نہ معلوم ان لوگوں نے مادہ کے غیر متناہی ذرات اور اس کی ازلی حرکت کا کب مشاہدہ کیا ہے اور ان ذرات بسیطہ کے امتزاج کو کب دیکھا ہے اور ان کے امتزاج سے صور نوعیہ کا خود بخود پیدا ہو جانا کب دیکھا ہے اور جن قوانین قدرت اور قوانین فطرت کا وہ ذکر کرتے ہیں ان کا کب اور کس طرح مشاہدہ کیا ہے۔ بہر حال ان فلاسفہ کا یہ دعویٰ کہ یہ کارخانہ عالم ازل سے اسی طرح چل رہا ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے ازل کا دعویٰ تو سراسر خلاف عقل ہے آپ تو ایک لاکھ یا پچاس ہزار یا دس ہزار سال کا حال بھی نہیں بتا سکتے اور نہ اس بارہ میں کوئی قطعی رائے دے سکتے ہیں۔ پھر ازل کے متعلق آپ نے محض اپنی انکل سے یہ احکام کیسے لگا دیئے خوب سمجھ لو کہ ازلی چیز کا واقعی اور صحیح علم ہونا ناممکن اور محال ہے مگر فلاسفہ اور سائنس دانوں کا نفس ناطقہ اس ادھیڑ بن میں لگا ہوا ہے کہ کسی نہ کسی طرح ایجاد عالم اور تنوعات عالم کا کوئی سبب بیان کر دے۔ اس لئے بہت سوچ کر یہ رائے قائم کی کہ ہر چیز کا ایک مادہ ہوتا ہے تو اس عالم کے لئے بھی ضرور ایک مادہ ہوگا پس اس فلسفی سے جب یہ سوال ہوتا ہے کہ یہ نوع اور یہ چیز کیوں اور کس طرح پیدا ہوئی تو یہ کہتا ہے کہ یہ سب مادہ قدیمہ کے ذرات بسیطہ کی حرکت قدیمہ اور اس کے امتزاج کا اثر ہے غرض یہ کہ فلسفی جب سلسلہ کلام ختم کرتا ہے تو مادہ اور اس کی حرکت پر ختم کرتا ہے اور ایک مسلمان اس سلسلہ کو ایک قادر مختار کے

ارادہ پر ختم کرتا ہے اور عقلاً یہی آسان ہے کہ بجائے ایک غیر ذی شعور مادہ کی غیر شعوری حرکت پر ختم کرنے کے ایک قادر مختار پر سلسلہ کلام ختم کر دیا جائے کہ اس نے جس طرح چاہا اپنے ارادہ سے بنایا اور انواع و اقسام کا باہمی تمایز اور اختلاف اس کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے۔

غرض یہ کہ عالم کا ہر ذرہ اس کے بنانے والے کی کمال قدرت اور کمال حکمت کی خبر دے رہا ہے اور جس طرح ذرات عالم غیر محصور ہیں۔ اسی طرح اس کے عجائب قدرت اور اسرار حکمت غیر محصور ہیں۔ عقل ان کے ادراک سے قاصر اور درماندہ ہے اور کیوں نہ ہو۔ عقل حادث ہے اور محدود ہے اور خدا کی ایک ادنیٰ مخلوق ہے وہ اپنے خالق قدیم کے غیر محدود جلال و کمال کو اور اس کے جمال بے مثال کو کہاں پا سکتی ہے۔ حادث۔ قدیم کے احاطہ سے قاصر اور عاجز ہے ؎

شب گریزد چونکہ نور آید ز دور　　پس چہ داند ظلمتِ شب حال نور
چوں قدیم آید حدث گردد عبث　　پس کجا داند قدیمے را حدث[1]

پس جب عالم کا ہر ہر ذرہ حادث ہے تو لامحالہ مجموعہ بھی ضرور حادث ہوگا اور اس حادث (نو پیدا) کے لئے لامحالہ کوئی محدث اور موجد یعنی پیدا کرنے والا بھی ضرور ہوگا جس نے اس کو حادث کیا اور عدم کے بعد اس کو وجود عطا کیا۔ پس یہی محدث اور موجد اس عالم کا خدا اور خالق ہے جس کا نام اللہ ہے۔ بحمد اللہ حق واضح ہو گیا۔ اے اہل سائنس تم کو اختیار ہے کہ عالم کے حیرت انگیز اور گوناگوں تغیرات کی علت مادہ اور اس کے ذرات بسیطہ کی غیر شعوری حرکت کو مانو، یا کسی صاحبِ قدرت و حکمت اور صاحبِ ارادہ و مشیت کی طرف سے جانو کہ یہ سب کچھ اس کے ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے۔ ذرا سوچ لو کہ کونسی راہ سیدھی ہے اور کونسی ٹیڑھی ہے۔

علامہ شبلی نے جدید فلاسفہ سے مرعوب ہو کر الکلام میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ عالم قدیم ہے اور مادہ بھی قدیم ہے اور اس کی حرکت اور قوت بھی قدیم ہے اور خدا کے وجود کی

(۱) جب روشنی دور سے آتی ہے تو رات بھاگ جاتی ہے، رات کی تاریکی روشنی کی حالت کو کیا جانے۔
جب پرانا آجاتا ہے تو نیا بیکار ہو جاتا ہے تو پرانے کو نیا کہا جاتا ہے۔

ضرورت صرف نظام عالم کے قائم رکھنے کے لئے ہے۔ ناظرین کرام۔ علامہ شبلی کا الکلام صفحہ ۳۰ اور صفحہ ۴۳، ۴۴، ۴۷، ۵۴ دیکھیں ناظرین پر خود حقیقت امر منکشف ہو جائے گی کہ علامہ کس وادی تیہ میں سرگردان وحیران ہیں۔

علامہ شبلی علم الکلام صفحہ ۱۷۳ میں لکھتے ہیں مثلاً عالم کا قدیم ہونا، متکلمین کے نزدیک بالکل مذہب کے خلاف ہے، لیکن قرآن اور حدیث میں عالم کے قدیم اور حدوث کا کوئی اشارہ نہیں الخ حالانکہ قرآن اور حدیث اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ اللہ کے سوا ہر شی خدا کی مخلوق ہے اور حادث ہے معلوم نہیں کہ علامہ کو اس سے بڑھ کر کونسی صراحت مطلوب ہے۔ اور تمام اہل اسلام کا اور تمام یہود ونصاریٰ کا اس پر اجماع ہے کہ عالم بہ ہمہ اجزاء حادث ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ اسلام کا پہلا اور بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ یہ سارا عالم حادث ہے عدم سے وجود میں آیا ہے اور خود بخود وجود میں نہیں آ گیا بلکہ کوئی ذات والا صفات اس کو اپنی قدرت اور مشیت سے عدم سے نکال کر وجود میں لائی ہے، اور اسی ذات نے اپنے ارادہ اور اختیار سے ہر ایک ہستی کو ایک نیا لباس پہنایا ہے اور وہی اس کا خالق اور خدا ہے اور موجود برحق ہے جو دوسروں کو وجود عطا کرتا ہے اور ہستی کا لباس پہناتا ہے وہ بذات خود۔ خود بخود موجود ہے اور عدم اور نیستی اور فناء اور زوال کے شائبہ اور واہمہ سے پاک اور منزہ ہے اسی ذات بے مثل و یکتا کا نام اللہ ہے۔

فائدہ:

پیدائش عالم کی مدت کسی کو معلوم نہیں کہ یہ عالم کب پیدا ہوا اور اس کو پیدا ہوئے کتنی مدت ہوئی اس کا علم سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ تفصیل کے لئے الیواقیت والجواہر جلد اول صفحہ نمبر ۴۰ دیکھیں۔

آسمان وزمین اور ستارے جن کا وجود ایک انداز پر چلا آتا ہے اور نظر آتا ہے اور کسی نے آج تک ان کے وجود کی ابتدا نہیں دیکھی لیکن ان کے تغیرات اور انقلابات اور لیل ونہار

کے اختلاف سے بشہادت حواس عقل نے پہچانا کہ ان کا وجود حادث ہے اور مخبرین صادقین یعنی انبیاء ومرسلین نے شہادت دی کہ ان سب چیزوں کا وجود ایک زمانہ سے شروع ہوا لہٰذا ان چیزوں کو حادث جاننا فرض اور لازم ہے۔ اگرچہ ہمیں ان چیزوں کے حدوث کی مدت معلوم نہ ہو جیسے ہم پانسو سال پہلے کی کسی قدیم عمارت کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کسی ماہر معمار نے بنائی ہے۔ اگرچہ ہمیں اس کی عمارت کی تاریخ معلوم نہ ہو۔

بندہ کا سب سے پہلا فرض

بندہ کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے جس کا طریقہ یہ ہے کہ غور وفکر کرے کہ یہ کارخانہ خود بخود چل رہا ہے یا پس پردہ کوئی دستِ قدرت اس کو چلا رہا ہے اور اپنے اندر غور کرے کہ کیا میں خود بخود پیدا ہو گیا، یا کسی پیدا کرنے والے نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ.

کیا یہ لوگ بغیر کسی خالق ہی کے پیدا ہو گئے ہیں یا خود ہی اپنے خالق ہیں ذرا غور تو کریں۔

دہریت اور نیچریت

دہریت تو سرے سے وجودِ صانع کی منکر ہے اور کہتی ہے کہ یہ عالم قدیم ہے کوئی اس کا خالق نہیں اور اشیاء عالم اپنی طبعی اور فطری حالت کے مطابق بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں۔ اور نیچریت صانع عالم کا تو اقرار کرتی ہے مگر خدا تعالیٰ کو معطل قرار دیتی ہے۔ کہتی یہ ہے کہ صانع عالم نے اس عالم کو پیدا کر دیا مگر اب خدا کا اشیائے عالم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اشیاء عالم اپنے طبعی اور ذاتی اور فطری خواص اور آثار کی بنا پر بنتی اور بگڑتی اور بدلتی رہتی ہیں اور اشیائے عالم میں جو تغیر و تبدل نمودار ہو رہا ہے اس کی علت یہی طبیعت اور فطرت اور اس کے خواص اور آثار ہیں اور اسی طبیعت کا دوسرا نام نیچر ہے اور جو چیز اس عالم کی ہر چیز کو جداگانہ خاصیتوں اور خاص خاص افعال وصفات کے ساتھ مخصوص کر رہی ہے وہ یہی طبیعت اور فطرت اور نیچر ہے۔

اسلام یہ بتاتا ہے کہ طبیعت اور اس کی خاصیت سب اللہ ہی کی مخلوق ہے اللہ ہی نے طبیعت کو پیدا کیا اور اس نے اس میں یہ خاصیت رکھی لہٰذا کوئی طبیعت بالذات موثر نہیں ہوسکتی سب اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے جس طرح طبیعت کا وجود اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے اسی طرح طبیعت کی خاصیت اور تاثیر بھی اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے۔ کیا جس خدا نے ان طبائع مختلفہ کو اور ان کے خواص اور آثار کو پیدا کیا ہے تو کیا وہی خدا ان طبیعتوں کے خواص اور آثار کے بدلنے پر قادر نہیں رہا۔

خوب سمجھ لو کہ اس خالق کائنات کو اپنی کائنات کے وجود میں اور پھر ان کے خواص اور صفات میں تصرف اور تغیر اور تبدل کا بھی پورا اختیار ہے۔ ہر وجود کی باگ اس کے ہاتھ میں ہے۔

اشیاء عالم کے گونا گوں تغیرات اور زمان اور مکان کے بدلنے سے ان میں قسم قسم کے تبدلات اس بات کی دلیل میں کہ ان کا وجود اور ظہور کسی قدرت اور حکمت پر مبنی ہے خود اس شئے کے ذرات بسیطہ کی غیر شعوری حرکت پر مبنی نہیں۔ عقل اس بات کے ماننے پر آمادہ نہیں کہ ایک عدیمۃ الشعور طبیعت اور قوت کو اس کارخانہ عالم میں بالاستقلال مدبر اور متصرف مان لیا جائے۔ موجودہ فلسفہ یہ کہتا ہے کہ سلسلہ نظام مادیات ایک طبعی خاصہ کے ماتحت چل رہا ہے۔ یعنی اشیاء میں ذاتی اور طبعی خواص ہیں اور ایک دوسرے میں اثر کرتی ہیں اور اس طبعی خاصہ کی بنا پر تاثیر اور تاثر کا عمل جاری ہے۔ اس تاثیر اور تاثر کے لئے کسی بیرونی اور بالائی طاقت کے ماننے کی ضرورت نہیں جیسا کہ اہل مذہب ایک قادر مطلق کے قائل ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔

دہری گروہ کا یہ نظریہ ہے جو ہم نے ناظرین کرام کے سامنے پیش کر دیا ہے اس کو نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ فطرت انسانی اور نہ تعلیم آسمانی۔ ناظرین کرام خود فیصلہ کرلیں کہ ایک مردہ اور اندھے اور بہرے مادہ کے سامنے جھکنا آسان ہے یا ایک قادر مطلق کے سامنے گردن ڈال دینا اور اس پر ایمان لے آنا آسان ہے۔

عقیدۂ دوم

ازلیت وابدیت

خالق عالم بذاتہ قدیم اور ازلی اور ابدی ہے جس کے وجود کی نہ کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا ہے اور اس کی ذات تک زوال اور فنا کی رسائی نہیں خود اس کی ذات اس کے قدم کو مقتضی ہے کسی دوسری ذات نے اس کو قدیم نہیں بنایا۔ اس کے سوا کسی کے لئے قدم اور ازلیت ثابت نہیں۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن ۔غرض یہ کہ وجود ذات باری تعالیٰ کے لئے غیر منفک ہے اور اس کی ذات سے وجود کا جدا ہونا ناممکن اور محال ہے، اور اگر بالفرض خدا کے وجود کی کوئی ابتدا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک وقت ایسا تھا کہ خدا موجود نہ تھا اور پھر ہو گیا تو خدا کا حادث ہونا لازم آئے گا اور ہر حادث کے لئے کسی خالق اور محدث یعنی پیدا کرنے والے کا ہونا ضروری ہے۔ پس معاذ اللہ اگر خدا قدیم نہ ہو بلکہ حادث ہو تو اس کے لئے بھی ایک خالق اور محدث تلاش کرنا پڑے گا۔ اور جیسے خالق کائنات کا ازلی ہونا ضروری ہے ایسا ہی اس کا ابدی ہونا بھی ضروری ہے یعنی وہ ایسا ہونا چاہئے کہ اس کے وجود کے لئے فنا اور زوال نہ ہو اور اس کے وجود کی کوئی حد اور نہایت نہ ہو اور اگر بالفرض خدا کے وجود کی انتہا مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آئندہ چل کر ایسا وقت آئے گا کہ خدا اس وقت موجود نہ ہوگا اور خدا کا فنا ہو جانا عقلاً محال ہے معاذ اللہ اگر خدا پر بھی زوال آسکتا ہے تو پھر خالق اور مخلوق میں کیا فرق رہا۔

فائدہ:

موجودات کی چار قسمیں ہیں:

اول وہ کہ جس کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا ہے۔ وہ حق جل شانہ ہے۔

دوم وہ موجود کہ جس کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ہے یہ موجود عالم دنیا ہے کہ جس کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔

سوم وہ موجود کہ جس کی ابتدا تو ہے مگر انتہا نہیں یہ عالم آخرت ہے۔

چہارم وہ موجود جس کا آخر تو ہے مگر اس کا کوئی اول نہیں۔ وہ اس عالم کا عدم ہے جو اس کے وجود میں آنے سے منقطع ہو گیا۔ اس کے عدم سابق کی کوئی ابتدا نہیں۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۹۴ للعلامۃ الزبیدیؒ

عقیدۂ سوم

وحدانیت واحدیت

صانع عالم جس کو ہم اللہ کہتے ہیں وہ ایک ہے اور اپنی ذات اور صفات اور افعال میں یگانہ ہے۔ فی الحقیقت کسی امر میں کوئی اس کا شریک نہیں نہ وجوب وجود میں اور نہ الوہیت میں اور نہ خواص الوہیت میں اور نہ قدم اور ازلیت میں اور نہ استحقاق عبادت میں اور نہ تدبیر وتصرف میں۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں فرد اور یگانہ ہے کوئی اس کا مثل اور شریک نہیں۔

دلائل توحید (۱)

اگر ایک خدا اتنے بڑے عالم کے پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں تو پھر تین چار خداؤں سے بھی کام نہ چلے گا۔ اس عظیم الشان کارخانہ کے چلانے کے لئے بے شمار خدا چاہئیں اس لئے کہ اگر انتظام عالم کے لئے ایک خدا کافی ہے تو دوسرا معطل اور بیکار ہوگا اور اگر وہ کافی نہ ہوگا تو ناقص ٹھہرے گا اور بیکار اور ناقص خدا نہیں ہوسکتا۔

(۲)

نیز شرکت عیب ہے جس قدر بڑا بادشاہ ہوگا اسی قدر اس کو شرکت سے تنفر ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ عیب دار چیز خدا نہیں ہوسکتی۔

(۳)

نیز اگر دو خدا ہوتے تو ہر خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا ہوتی جیسا کہ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ

اور جب ہر خدا کی مخلوق دوسرے خدا کی مخلوق سے جدا اور علیحدہ ہوتی تو ہر خدا دوسرے خدا سے مستغنی اور بے نیاز ہوتا تو کوئی بھی خدا نہ رہتا۔

(۴)

تیز اگر دو خدا ہوتے تو خدائی کا تقاضہ علو اور قہر اور غلبہ ہے تو ہر خدا دوسرے خدا پر چڑھائی کرتا اور نوبت مقابلہ کی آتی۔ کما قال تعالیٰ

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ [۱]

پس اس مقابلہ میں جو غالب آتا وہ خدا ہوتا اور اگر دونوں برابر رہتے تو کوئی بھی خدا نہ رہتا اس لئے کہ جب خدا ہو کر علو اور غلبہ حاصل نہ کر سکا تو خدا کہاں رہا۔ **وھو العلی الکبیر**

(۵)

نیز اگر بالفرض عالم کے دو خدا ہوں اور ان میں سے ایک خدا کوئی کام کرنا چاہے تو دوسرا خدا اس کی مخالفت پر قادر ہوگا یا اس کی موافقت پر مجبور ہوگا۔ پس اگر مخالفت پر قادر ہے تو یہ خدا قوی اور قاہر ہوگا اور دوسرا خدا ضعیف اور قاصر ہوگا تو وہ خدا نہ رہے گا۔ اور اگر ایک خدا دوسرے خدا کی موافقت پر مجبور ہے تو یہ عاجز اور قاصر ہوگا اور عاجز اور قاصر خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا

یعنی اگر زمین اور آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کئی خدا ہوتے تو زمین اور آسمان تباہ اور برباد ہو جاتے

کیونکہ اگر دو خدا ہوتے تو لامحالہ دونوں میں اختلاف ہوتا یہ ناممکن ہے کہ دو خدا ہوں اور دونوں کامل القدرت اور کامل الاختیار ہوں اور باوجود کمال قدرت کے تدبیر عالم

---

(۱) اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتے ہیں۔ (مومنون/۹۱)

میں دونوں کا کوئی اختلاف نہ ہو لامحالہ دونوں خداؤں کے درمیان اختلاف ہوگا اور خدائی میں رسہ کشی کی نوبت آئے گی۔ پس اگر یہ صورت ہوتی تو اس رسہ کشی میں عالم کا تمام انتظام درہم برہم ہو جاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انتظام عالم نہایت خوبی اور عمدگی سے چل رہا ہے تو معلوم ہوا کہ بلا مزاحمت اور بلا شرکت اس عالم کا چلانے والا ایک ہی خدا ہے ؎

خلل خدائی میں پڑتا جو دو خدا ہوتے ۔۔۔ فساد حکم و عمل میں جدا جدا ہوتے

(۶)

نیز اگر دو خدا ہوں گے تو لامحالہ صفات کمالیہ میں یا دونوں برابر ہوں گے یا دونوں مختلف ہوں گے اگر دونوں صفات کمالیہ کے اتصاف میں بالکلیہ مماثل اور برابر ہوئے تو پھر دونوں خداؤں میں فرق اور امتیاز کیسے رہے گا۔ عقلاً یہ محال ہے کہ دو حقیقتیں مختلف ہوں اور ذات میں یہی دونوں کی تباین اور اختلاف ہو اور پھر صفات میں بالکلیہ تماثل اور اتحاد ہو یہ بات عقلاً محال ہے، اور اگر صفات کمالیہ میں مختلف ہوئے تو ہر ایک کا علم اور ہر ایک کی قدرت دوسرے کے علم اور قدرت کے مخالف ہوں گے اور دو خداؤں کے باہمی نزاع اور اختلاف سے دیگر محالات کا دروازہ کھلے گا۔ نہایۃ الاقدام للامام الشہرستانی صفحہ ۹۳

(۷)

نیز اگر اس عالم کے دو خدا ہوں اور یہ کہا جائے کہ کائنات کو دونوں خداؤں نے وجود عطا کیا ہے تو لازم آئے گا کہ عالم کی ہر چیز کے لئے دو وجود ہوں۔ کیونکہ خدا کہتے ہی اس کو ہیں کہ جو کسی کو وجود عطا کرے۔ پس جب اس عالم کے دو خدا ہوں گے تو ہر ایک خدا کی طرف سے کائنات کو الگ الگ وجود ملے گا تو ہر مخلوق کے پاس دو وجود جمع ہو جائیں گے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز ایک ہی وجود کے ساتھ موجود ہے معلوم ہوا کہ موجد ایک ہی ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند عالم ایک ہے مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں ایک یزدان کے اور ایک اہرمن کے۔ نصاریٰ تین خدا کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ عالم کے

لئے تین خدا ہیں۔ باپ اور بیٹا اور روح القدس اور عناصر پرست چار خدا کے قائل ہیں۔ عناصر اربعہ کو خدا مانتے ہیں اور ستارہ پرست سبعہ سیارہ کو اپنا خدا مانتے ہیں اور ہندوستان کے ہلومان اوتار پرست اور بت پرست ہیں۔ جسم انسانی میں خدا تعالیٰ کا حلول اور نزول جائز سمجھتے ہیں اور تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو معبود بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ ان کو عقل دے۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۱۰۲

ابطال تثلیث

نصاریٰ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا حقیقت میں تین ہیں مگر ان کے پاس اس دعوے کے اثبات کے لئے نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل نقلی ہے۔ عقل کے نزدیک تین کا حقیقۃً ایک ہونا اور ایک کا تین ہونا ایسا ظاہر البطلان ہے جیسا کہ دن کا رات ہونا اور رات کا دن ہونا بدیہی البطلان ہے نصاریٰ کے نزدیک اگر ایک اور تین کا حقیقۃً ایک ہو جانا ممکن ہے تو پھر ایک اور چار کا اور ایک اور پانچ کا ایک ہو جانا بھی حقیقۃً ممکن ہوگا حالانکہ یہ امر تمام عقلاء کے نزدیک محال ہے اس لئے کہ ہر عدد کی حقیقت دوسرے عدد کی حقیقت سے بالکل جدا اور مختلف ہے اور دو مختلف حقیقتوں کا حقیقۃً ایک ہو جانا عقلاً محال ہے تو اسی طرح ایک اور تین کا حقیقتاً ایک ہو جانا بھی بلاشبہ محال ہوگا۔ ایک اور دو کے حقیقۃً ایک ہو جانے کے محال ہونے کے نصاریٰ بھی قائل ہیں اور اسی طرح چار پانچ سات کے حقیقۃً ایک ہونے کے باطل ہونے پر نصاریٰ بھی سارے جہان کے ساتھ ہیں پھر نہ معلوم کہ ایک اور تین کے حقیقۃً ایک ہونے کے نصاریٰ سارے جہان کے خلاف کیسے قائل ہو گئے۔

عقیدہ چہارم

اتصاف بصفاتِ کمال ونعوتِ جلال

صانع عالم تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے، جو اس کی شایان شان ہیں۔ مثلاً جیسے حیات اور علم اور قدرت اور ارادہ اور سمع و بصر اور کلام اور تکوین وغیرہ وغیرہ

عالم کا انتظام جس حسن وخوبی سے چل رہا ہے وہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کارخانہ کا بنانے والا اور چلانے والا کوئی مردہ اور جاہل اور غیر مختار اور عاجز نہیں بلکہ موصوف بہ ہمہ صفات کمال ہے۔

صفتِ حیات

وہ زندہ ہے اس کی حیات ازلی اور ابدی اور سرمدی ہے جہاں موت اور فنا اور عدم کا کہیں گذر نہیں اور اس کی حیات بلا غذا اور بلا روح کے ہے۔ اللہ کی حیات کے معنی اعتدال مزاج کے نہیں اس کی حیات بے چون وچگون ہے۔ وہ حی لا یموت ہے۔ وہ حی قیوم ہے یعنی زندہ اور پائندہ ہے اس کی زندگی ہماری زندگی کی طرح فانی اور ناپائیدار نہیں اور نہ اس کی زندگی کسی اور کے قبضے میں ہے بلکہ سب زندوں کی زندگی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

صفتِ علم

وہ علم والا ہے جس سے آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں

براُو علم یک ذرہ پوشیدہ نیست   کہ پیدا و پنہاں بہ نزدش یکیست[1]

وہ ریت کے ذروں اور پہاڑوں کی کنکریوں اور درختوں کے پتوں کو ایک ایک کر کے جانتا ہے اس کا علم کلیات اور جزئیات سب کو محیط ہے تمام چیزوں کو حالت وجود اور حالت عدم میں یکساں جانتا ہے۔ وھو بکل شیءٍ علیم۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کلیات کا تو علم ہے مگر جزئیات کا علم نہیں۔

صفتِ قدرت

اور وہ قادر مطلق ہے قدرت والا ہے کوئی شی اس کی قدرت سے باہر نہیں کسی راہ سے وہاں عجز اور درماندگی کا گذر نہیں۔ اور محالات میں چونکہ وجود کی صلاحیت ہی نہیں اس

---

(۱) اس پر علم کا ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں ہے، ظاہر اور باطن اس کے نزدیک ایک ہے۔

لئے وہ محل قدرت نہیں ہو سکتے باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں ذرہ برابر قصور نہیں، مگر محال میں شیئت یعنی شئی بننے کی صلاحیت نہیں اس لئے قدرت اس کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتی جیسے واجب الوجود اور اس کی صفات محل قدرت نہیں ہو سکتیں اسی طرح محالات بھی محل قدرت نہیں ہو سکتے۔ قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ واجبات کے ساتھ اور نہ محالات کے ساتھ قدرت اور ارادہ کا تعلق ان چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے جن میں وجود اور عدم دونوں کی صلاحیت ہو اور جس چیز کا وجود عقلاً لازم اور ضروری ہو اور اس کا عدم محال ہو جیسے واجب الوجود اور صفات الٰہیہ تو ایسی چیزوں سے قدرت متعلق نہیں ہوتی۔ خدا کی قدرت کے کامل ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس کی تاثیر کے کامل ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہاں اگر کسی چیز میں اثر قبول کرنے کی صلاحیت اور قابلیت ہی نہ ہو تو فاعل کا قصور نہیں بلکہ مفعول اور مقبول کا قصور ہے کہ اس میں معمول بننے کی صلاحیت نہیں ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ[1]

محل قدرت وہ چیز ہو سکتی ہے کہ جو منفعل اور متاثر ہو سکے اور واجب الوجود اور اس کی صفات کا منفعل اور متاثر ہونا عقلاً محال ہے۔ وہ واجب الوجود ہی کیا ہوا جس میں کسی کی تاثیر اثر کر سکے اور علیٰ ہذا جو چیزیں عقلاً محال ہیں یعنی جن چیزوں کا عدم عقلاً ضروری اور لازمی ہے اور ان کا وجود عقلاً ناممکن اور محال ہے جیسے اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین۔ تو ایسے محالات سے بھی قدرت متعلق نہیں ہوتی اس لئے کہ محالات میں انفعال اور تاثر کی صلاحیت نہیں وہ محال ہی کیا ہوا کہ جو کسی اثر کو قبول کر سکے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قدرت کا تعلق ممکنات کے ساتھ ہوتا ہے واجبات اور محالات کے ساتھ نہیں ہوتا لہٰذا اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا خدا تعالیٰ کسی واجب الوجود کو معدوم اور کسی محال کو موجود کر سکتا ہے تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ قدرت اور مشیت کو واجبات اور محالات سے کوئی سروکار ہی نہیں مگر یہ کہنا کہ اللہ کو اس پر قدرت نہیں یہ بے ادبی اور گستاخی

---

(۱) اگر چمگادڑ دن کو نہیں دیکھتا تو اس میں آفتاب کا کیا قصور ہے۔

ہے اللہ تعالیٰ عجز سے پاک اور منزہ ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا علم واجب اور محال سب سے متعلق ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے لئے خدائی عقلاً لازم اور ضروری ہے مگر خدا کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی خدائی کو ختم کر دے اور خدا نہ رہے یا معاذ اللہ خدا اپنے علم کو ختم کر دے اور علم کو اپنے سے جدا کر کے علم سے خالی ہو جائے یہ باتیں عقلاً محال ہیں، قدرت ایسی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتی۔ آفتاب سارے عالم کو روشنی پہنچاتا ہے مگر آئینہ اس کے انوار کو قبول کرتا ہے اور اینٹ اور پتھر میں انعکاس کی صلاحیت اور قابلیت نہیں تو قصور آفتاب کا نہیں بلکہ اینٹ اور پتھر کا ہے کہ اس میں انعکاس کی قابلیت نہیں۔

خلاصہ کلام

یہ کہ خدا تعالیٰ علم والا اور قدرت والا ہے اور عالم کے عجیب و غریب تنوعات اس کے علم اور قدرت کے گواہ ہیں اور مادہ اور اس کے ذرات بسیطہ کو تو عاجز اور قاصر بھی نہیں کہہ سکتے اس کے کہ مادہ تو ایک بے جان چیز ہے۔ اس کی حقیقت ایک مردہ سے زیادہ نہیں اور معذور اور اپاہج مردہ سے بہتر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اس عالم کا بنانے والا زندہ قادر مطلق ہے اس نے اپنی قدرت سے اس عالم کو وجود عطا کیا ہے وہ اگر چاہے تو اس عالم کو اول سے آخر تک نیست و نابود کر دے اور اسی جیسے اور کروڑوں عالم پیدا کر دے۔

بَلٰی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر. (1)

صفتِ ارادہ و مشیت

اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے صفت ارادہ اور اختیار کے ساتھ موصوف ہے۔ ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے وہم و گمان سے منزہ اور مبرا ہے۔ یہ تمام عالم اس کے ارادہ اور اختیار سے وجود میں آیا ہے۔ بطریق علیت اس سے صادر نہیں ہوا جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ یہ عالم اللہ تعالیٰ سے بطور علیت صادر ہوا ہے۔ عالم کی ہر چیز اور ہر چیز کا مادہ اور اس کی صورت

---

(۱) اور کیوں نہ ہو؟ وہ بے شک ہر چیز کی پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ (احقاف/۳۳)

سب اسی کے ارادہ اور اختیار سے پیدا ہوا ہے۔ عالم کی کوئی چیز اللہ کے ارادہ اور مشیت سے باہر نہیں، اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ ملائکہ اور شیاطین اور جن اور انس میں جو ارادہ ہے وہ اسی کا پیدا کردہ ہے۔ مخلوق کا ارادہ اللہ کے ارادہ اور مشیت کے ماتحت ہے نہ اس کے ساتھ ہے نہ اس کے اوپر ہے عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم اور ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے۔

اور فلاسفہ حال یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عالم مادہ قدیمہ اور اس کی حرکت قدیمہ کا کرشمہ ہے۔ حالانکہ مادہ میں نہ شعور اور ادراک ہے اور نہ ارادہ اور اختیار ہے اور اس کی حرکت اضطراری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی بے جان اور بے شعور چیز (مادہ) میں احداث اور ایجاد کی صلاحیت ہی نہیں جو تنوعات عالم کے حدوث کو اس کی طرف منسوب کیا جاسکے۔ تمام کائنات پردہ عدم میں تھیں خدا تعالیٰ نے اپنے ارادہ اور اختیار سے ان کے وجود کو ان کے عدم پر ترجیح دی اور ان کے وجود کے لئے ایک زمانہ معین کردیا اس کے ارادہ کے مطابق کائنات عالم اپنے اپنے وقت میں وجود میں آئیں، اس عالم کے انقلابات اور تغیرات ہر وقت نظروں کے سامنے ہیں کبھی موت ہے اور کبھی حیات ہے کبھی صحت ہے اور کبھی بیماری ہے کبھی طلوع آفتاب ہے اور کبھی غروب آفتاب، کبھی دن اور کبھی رات اور کبھی گرمی اور کبھی سردی، عقل کہتی ہے کہ یہ انقلابات محض اتفاقی نہیں بلکہ کسی قادر مختار کے ارادہ اور اختیار کے آثار ہیں۔ غرض یہ کہ عالم کی یہ تغیرات خدا تعالیٰ کے دریائے قدرت ومشیت کی موجیں ہیں اور فلسفی اس خیال میں ہے کہ یہ سب مادہ قدیمہ کی حرکت کے آثار ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

دریا بوجود خویش موجے دارد!

خس پندارد کہ ایں کشاکش باے ست [1]

---

(۱) دریا خود ہی ایک لہر رکھتا ہے تنکا سمجھتا ہے کہ (پانی کا) آنا جانا اسی کی وجہ سے ہے۔

نیست سے ہست ہونے کے متعلق

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ

قدس سرہ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیو بند

کی تقریر دلپذیر

فلاسفہ جو مادہ عالم کو قدیم بتاتے ہیں ان کو شبہ یہ پیش آیا کہ اگر مادہ موجود نہ تھا تو یہ عالم محض عدم سے کیسے وجود میں آیا اور کیسے اور کس طرح بنا، لیکن درحقیقت یہ ایک مغالطہ ہے جس کا حل آسان ہے۔ وہ حل یہ ہے کہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ کوئی فاعل اپنے فعل میں مادہ کا محتاج نہیں ہوتا انسان اور حیوان کو دیکھے کہ وہ کبھی حرکت کرتے ہیں اور کبھی ساکن رہتے ہیں اور یہ حرکت اور یہ سکون ان کا ذاتی فعل ہے وہ اپنے اس فعل میں کسی مادہ کے محتاج نہیں کہ جو ان کی حرکت اور سکون کا محل بن سکے۔ ایک انسان کبھی اپنا ہاتھ اوپر کو اٹھاتا ہے اور کبھی نیچے کرتا ہے کبھی بولتا ہے اور کبھی خاموش رہتا ہے تو انسان اپنے ان افعال میں کسی مادہ یعنی لکڑی اور پتھر اور لوہے کا محتاج نہیں کہ جب تک یہ چیزیں نہ ہوں تو یہ شخص اپنے ہاتھ کو حرکت نہ دے سکے ہاں کوئی فاعل مادہ کا محتاج اس وقت ہوتا ہے کہ جب اس کا فعل کسی دوسرے فاعل کے مفعول اور مصنوع پر واقع ہو۔

اس کو اس طرح سمجھے کہ ایک بڑھئی تخت بنانا چاہتا ہے تو اس وقت چار چیزیں موجود ہوں گی ایک نجار (بڑھئی) تخت بنانے والا دوسری چیز لکڑی، تیسری چیز فعل نجارت یعنی بڑھئی کا عمل نجاری جو اس کے ہاتھ کا ایک فعل ہے اور اس کے ہاتھ کی ایک حرکت ہے، چوتھی چیز تخت کی صورت اور ہیئت جو بننے کی بعد پیدا ہوتی ہے تو بڑھئی اپنی ذاتی فعل اور ذاتی عمل نجاری میں یعنی تختوں کے کاٹنے میں اور ان کے گھڑنے میں کسی مادہ کا محتاج نہیں۔ فاعل اپنے ذاتی فعل میں کسی مادہ کا محتاج نہیں بلکہ اس کی فاعلیت کے لئے صرف اس کے ہاتھ کی حرکت کافی ہے لکڑی ہو یا نہ ہو ہاتھ محض اپنی حرکت میں لکڑی کا محتاج نہیں، البتہ جب وہ یہ

چاہے کہ لکڑی کو تخت بنائے تو اس وقت وہ مادہ یعنی لکڑی کا محتاج ہے۔ اس لئے کہ لکڑی بذات خود نجار (بڑھئی) کا فعل نہیں اور نہ اس کا مفعول نہ معمول اور نہ مصنوع بلکہ لکڑی کا فاعل اور موجد کوئی دوسری ہستی ہے اور یہ لکڑی دوسری ہستی کا مفعول ہے کہ جس پر یہ بڑھئی اپنا عمل نجاری اور فعل نجارت اس پر واقع کرنا اور جاری کرنا چاہتا ہے پس جب کوئی فاعل کسی دوسرے فاعل کے مفعول اور معمول میں تصرف کرنا چاہے تب مادہ کا محتاج ہوگا اپنے ذاتی فعل میں اور اپنے ہاتھ کی حرکت میں کسی مادہ کا محتاج نہیں اس لئے کہ فاعل حقیقی اور اس کے مفعول کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہوسکتی ورنہ وہ فاعل حقیقی نہیں ہوسکتا۔ ہاں وہ اگر چوتھی چیز بنانا چاہے تو اس کو تیسری چیز کی ضرورت ہوگی کیونکہ وہ چوتھی چیز بغیر تیسری چیز کے نہیں بنا سکتا۔ اس لئے وہ تیسری چیز کا محتاج ہوگا۔

جب یہ حقیقت آپ کے ذہن نشین ہوگئی تو آپ خود بخود سمجھ لیں گے کہ جب فاعل مجازی اپنے فعل اور عمل میں مادہ کا محتاج نہیں اور فاعل مجازی اور اس کے فعل یعنی ہاتھ کی حرکت میں کوئی تیسری چیز (مادہ) حائل نہیں ہوسکتی تو فاعل حقیقی اور اس کے فعل تخلیق وتکوین میں بھی کوئی تیسری چیز (مادہ) حائل نہیں ہوسکتی ورنہ وہ فاعل حقیقی نہ رہے گا۔ پس سارا کارخانہ عالم خواہ جواہر ہوں یا اعراض ہوں ان سب کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ تمام عالم اس کے فعل تخلیق وتکوین کا ایک کرشمہ اور ایک اثر ہے اور جس طرح ایک انسان بغیر کسی مادہ کے اپنی حرکت اور سکون کو صادر اور ظاہر کرتا ہے اسی طرح خداوند عالم جو اس عالم کا فاعل حقیقی ہے وہ اس عالم کو محض اپنی قدرت سے بلا کسی مادہ اور اصل کے پردہ عدم سے نکال کر وجود میں لایا ہے اور یہ تمام عالم خواہ اعیان واجسام ہوں اور خواہ جواہر اور اعراض ہوں خداوند قدوس کی صنعت اور اس کی صفت تخلیق وتکوین کا کرشمہ ہے۔

اسی وجہ سے شیخ جمال الدین ابن حاجب یہ فرماتے ہیں کہ:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ.

میں اور اس جیسی تمام آیات میں سموات اور ارض خلق کا مفعول بہ نہیں بلکہ مفعول مطلق ہیں۔ مفعول بہ اس کو کہتے ہیں کہ جس پر فعل فاعل کا واقع ہو جیسے ضرب زید عمروا۔ اور مفعول مطلق فاعل کا فعل ہوتا ہے جیسے ضربتہ ضربا۔ عمرا مفعول بہ ہے اس لئے کہ اس پر زید کا

فعل ضرب واقع ہوا ہے جو پہلے سے موجود تھا اور ضربا خود زید کا فعل ہے اسی طرح آسمان و زمین کو سمجھو کہ وہ سب اللہ کا فعل تخلیق ہے معاذ اللہ یہ بات نہیں کہ آسمان وزمین پہلے سے موجود تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ کا فعل تخلیق واقع ہوا آسمان وزمین سب پردہ عدم میں تھے جب اللہ نے اپنی دست قدرت وارادہ کو حرکت دی تو آسمان وزمین وجود میں آ گئے آسمان و زمین خدا تعالیٰ کے فعل تخلیق کا مفعول بہ نہیں بلکہ اس کے فعل قدرت کا ایک اثر ہیں جس کو خداوند مقتدر نے ایک قسم کی پائیداری عطا کر دی ہے۔

جمہور آئمہ نحو نے آسمان وزمین کی ظاہری پائیداری کو دیکھ کر سموات وارض کو خلق کا مفعول بہ قرار دیدیا اور شیخ جمال الدین ابن حاجبؒ کی نظرِ دقیق وعمیق نے یہ سمجھا کہ آسمان و زمین خواہ کتنے ہی جسم عظیم کیوں نہ ہوں مگر درحقیقت سب کے سب اللہ ہی کے دست قدرت کی حرکت کا ایک معمولی سا اثر ہیں ذاتی طور پر آسمان وزمین کا کوئی وجود نہیں اس لئے جمال الدین ابن حاجبؒ نے سموات وارض کو خلق کا مفعول مطلق بنایا کہ یہ سب فاعل حقیقی یعنی خالق حقیقی کا ایک فعل ہیں اور غالباً اسی وجہ سے ابن حاجب نے کافیہ میں منصوبات کے بیان میں سب سے اول مفعول مطلق کا ذکر کیا اور مفعول بہ کا ذکر اس کے بعد کیا اس لئے کہ مفعول مطلق فاعل کا فعل ہوتا ہے جو فاعل کے قریب ہوتا ہے اور مفعول بہ بظاہر فاعل سے جدا ہوتا ہے اور ذرا دور ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ سموات اور ارض ابن حاجبؒ کے نزدیک خلق کا مفعول مطلق وہ ہے کہ جو فاعل کا فعل ہو اور فاعل اپنے فعل میں مادہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ سموات وارضین خداوند قدوس کا فعل اور اس کے دستِ قدرت کی ایک حرکت کا اثر ہیں بغیر کسی مادہ اور بغیر کسی اصل کے عدم سے وجود میں آئے ہیں۔

حضرت استاد مولانا سید انور شاہ قدس سرہ نے اس مضمون کو عجیب عنوان سے ایک رباعی میں اس طرح ادا فرمایا ہے ؎

مجموعہ کون بود در کتم عدم　　از حرف کن آورد باین دیر قدم
کہ بے مادہ قدرت او کرد　　کز ضرب وجود ے بعدم نیست قدم

یعنی یہ سارا عالم پردہ عدم میں مستور تھا ایک حرف کن کے اشارہ سے اس بت خانہ وجود میں اس نے قدم رکھا یہ تمام عالم خدائے قدوس کا ایک فعل ہے جو اس کے دست قدرت سے بغیر مادہ کے ظاہر ہوا ہے اس لئے کہ اگر اس وجود لاحق کو عدم سابق میں ضرب دیں تو حاصل ضرب حادث ہی نکلے گا قدیم نہیں نکل سکتا یا یوں کہئے کہ جب ممکن کے عدم ذاتی کو واجب الوجود کے وجود ذاتی میں ضرب دیں یعنی اول کا ثانی سے تعلق اور ربط قائم کریں تو حاصل ضرب یعنی نتیجہ تعلق حدوث زمانی کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا۔ یہ تمام کلام حضرت مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہ کے کلام معرفت التیام کی تفصیل اور تشریح تھی جو ختم ہوئی۔ فللّٰہ الحمد

عارف رومی قدس سرہ السامی اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں، اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

پس خزانہ صنعِ حق باشد عدم　　کہ بر آرد زو عطاہا دمبدم

بس اللہ کی صنعت اور کاریگری کا خزانہ محض عدم اور نیستی ہے کہ وہ اسی عدم اور نیستی سے قسم قسم کی عطائیں ظاہر کرتا رہتا ہے۔

مبدع آمد حق و مبدع آں بود　　کہ بر آرد فرع بے اصل و سند

وجہ اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ بدیع السموات والارض ہے یعنی اس عالم کا مبدع اور مخترع ہے اور مبدع اس کو کہتے ہیں کہ جو بغیر کسی آلہ کے اور بغیر کسی مادہ کے اور بغیر کسی اصل اور سند کے نیست سے ہست اور نابود سے بود کرتا ہو۔

(دیکھو مثنوی صفحہ ۹۱ دفتر پنجم)

ہست مطلق کار ساز نیستی است　　کارگاہ ہست کن جز نیست چیست

وہ ہست مطلق یعنی واجب الوجود، عدم اور نیستی ہی کا کارساز ہے اس کی تخلیق و تکوین کا کارخانہ سوائے نیستی اور عدم محض کے کیا ہے۔

بر نوشتہ ہیچ بنویسد کسے یا نہالے کارد اندر مغرسے

لکھے ہوئے کاغذ پر کون لکھتا ہے اور بوئی ہوئی زمین میں کون تخم ڈالتا ہے۔

کاغذے جوید کہ آن بنوشتہ نیست تخم کارد موضعے کہ کشتہ نیست

لکھنے کے لئے ایسا کاغذ تلاش کیا جاتا ہے جو لکھا ہوا نہ ہو اور کاشت کے لئے وہی زمین دیکھی جاتی ہے کہ جس میں کچھ بویا نہ گیا ہو۔ (مثنوی صفحہ ۱۲۸ دفتر پنجم)

جملہ استادان پئے اظہار کار نیستی جویند و جائے انکسار

ماہرین فن اپنا کمال ظاہر کرنے کے لئے نیستی اور عدم ہی کو تلاش کرتے ہیں کہ جو جگہ کمال سے خالی اور عاری ہو وہاں اپنا کمال دکھلائیں۔ (مثنوی صفحہ ۱۲۹ دفتر ششم)

زانکہ کان و مخزن صنع خدا نیست غیر نیستی در انجلا

خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی صنعت اور کاریگری کا کارخانہ اور خزانہ سوائے نیستی اور عدم کے کچھ نہیں وہ خدا اپنی قدرت اور ارادہ سے نیست سے ہست کرتا ہے۔ (مثنوی صفحہ ۱۲۲ دفتر ششم)

صفتِ سمع اور صفت بصر

وہ خداوند عالم سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ہے یعنی وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے، وہ سمیع ہے یعنی تمام مخلوق کی بیک وقت دعا اور آواز کو سنتا ہے اور ایک بات کا سننا اس کو دوسری بات کے سننے سے مانع نہیں ہوتا اور عالم کی مختلف زبانیں اس کو اشتباہ میں نہیں ڈالتیں وہ بیک لحظہ پرندوں کے چہچہانے اور پہاڑوں کے اندر کیڑوں کے بھنبھنانے اور اندھیری رات میں چیونٹی کے چلنے کی آواز اور دریا میں مچھلیوں کی آوازیں سنتا ہے حتی کہ مچھر اور چیونٹی کی باریک نسوں میں جب خون دوراں کرتا ہوا ایک بند اور جوڑ سے منتقل ہو کر دوسرے جوڑ کی طرف جاتا ہے تو وہ اس خون کی سیلان کی آواز کو صاف سنتا ہے۔ اور بر اور بحر کی کوئی چھوٹی اور بڑی چیز اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی حتی کہ وہ اندھیری رات میں سمندر کے اندر رہنے والی مچھلیوں کے پیٹ کے اندر جس قدر انڈے اور ان انڈوں کے اندر جتنے بچے اور بچوں کے پیٹ میں جو کچھ موجود ہے وہ اس کو ذرہ بذرہ دیکھتا ہے۔ غرض یہ کہ حق تعالیٰ سننے

والا اور دیکھنے والا ہے کیونکہ بہرا اور اندھا ہونا عیب ہے اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔

نیز یہ امر مسلم ہے کہ خالق مخلوق سے تمام امور کے لحاظ سے کامل بلکہ اکمل ہونا چاہئے اور یہ ظاہر ہے کہ دیکھنے والا اندھے سے بہتر ہے اور سننے والا بہرے سے اکمل ہے، تو جب یہ دونوں صفتِ کمال مخلوق کے لئے ثابت ہیں تو اگر خالق کے لئے ثابت نہ ہوں تو لازم آئے گا کہ مخلوق خالق سے افضل اور اکمل ہے اور یہ محال ہے۔ سمع اور بصر عقلاً صفت کمال ہیں اور مخلوق میں جو بھی کمال ہے وہ خداوند ذوالجلال کے کمال کا ایک عکس اور پرتوہ ہے اور یہ بات ناممکن ہے کہ مخلوق میں تو کمال ہو اور خالق کمال سے خالی ہو۔

صفتِ کلام

وہ خداوند عالم متکلم ہے یعنی کلام اس کی صفت ہے اور قدیم اور ازلی ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم اور موجود ہے۔ اس کا کلام[1] ہمارے کلام کی طرح نہیں۔ ہم اپنے تکلم میں مخارج اور حروف اور صوت کے محتاج ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔ البتہ بندہ اپنی قراءت اور تلاوت میں اور اپنی سماعت میں حرف اور صوت کا محتاج ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کو حروف اور کلمات کے لباس میں نازل کیا تاکہ بندے اس کو پڑھ سکیں اور سن سکیں۔ اللہ کا کلام ہمارے کلام کے مشابہ اور ہم جنس نہیں کہ وہ ہماری طرح اپنے کلام میں حرف اور صوت کا محتاج ہو۔ اللہ کے کلام میں ہمارے کلام کی طرح نہ حرف ہے اور نہ صوت ہے اور نہ وہاں اعراب ہے اور نہ بنا ہے اور نہ رفع اور نصب اور جر ہے۔ قرآن کریم بلاشبہ حق تعالیٰ کا کلام ہے جس کو حرف اور آواز کا لباس دے کر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو کام و زبان کے ذریعہ حرف و آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقصدوں اور مطلبوں کو عرصہ ظہور میں لاتے ہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنے کلام نفسی کو جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے بغیر کام و زبان کے وسیلہ کے محض اپنی قدرت سے حرف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں کو

(۱) دیکھو اشارات المرام من عبارات الامام صفحہ ۱۳۸ و صفحہ ۷ للعلامۃ البیاضی رحمۃ اللہ علیہ

ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر ونواہی کو حرف اور آواز کے ضمن میں لا کر میدانِ ظہور میں جلوہ گر کیا ہے۔ دیکھو مکتوب ۷۶ از مکتوبات امام ربانی دفتر دوم

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنے عقیدہ میں فرماتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی طرف سے ایک حکمنامہ ہے، بندوں پر اس کے احکام کا اتباع ضروری ہے، عام مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کے اوامر ونواہی کا اتباع کریں اور حدوث اور قدم کی بحث میں نہ پڑیں۔ اس بحث میں پڑنے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بادشاہ نے اپنی رعایا کو ایک فرمان بھیجا جس میں کچھ باتوں کے بجالانے کا اور کچھ باتوں سے پرہیز کرنے کا حکم تھا۔ رعایا نے تعمیل احکام میں تو غور نہ کیا بلکہ اس بحث اور نزاع میں پڑ گئے کہ اس فرمان کا خط کیسا ہے اور اس کی عبارت کیسی ہے۔ چنیں اور چناں ہے یہاں تک کہ تعمیل کا وقت گزر گیا اور سب عتاب سلطانی کے مستوجب ہو گئے اور خدا تعالیٰ کے متکلم ہونے کے ثبوت میں وہی دلیل ہے جو ہم نے خدا کے سمیع وبصیر ہونے کے ثبوت میں ذکر کی ہے وہ یہ کہ کلام بھی بلاشبہ ایک صفتِ کمال ہے اور مخلوق میں یہ کمال پایا جاتا ہے تو خالق میں بدرجہ اولیٰ پایا جائے گا۔

صفتِ تکوین اور تخلیق وترزیق

خدا تعالیٰ کی ایک صفت تخلیق وتکوین ہے۔ تخلیق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں اور تکوین کے معنی کسی چیز کو وجود میں لانے کے ہیں خدا تعالیٰ تمام عالم کا خالق اور مکون ہے اور ازل سے اس صفت کے ساتھ موصوف ہے خلقت کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سے وہ خالق تھا۔ خالق کے پیدا کرنے سے مخلوق پیدا ہوئی اس کا خالق ہونا مخلوق کے پیدا کرنے پر موقوف نہیں بلکہ مخلوق کا وجود خالق کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ اور خدا تعالیٰ تو ازل سے صفت خالقیت کے ساتھ موصوف ہے اگر مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے اس کو صفتِ خالقیت اور قادریت حاصل نہ ہوتی تو مخلوق پیدا ہی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کو صفت علم اور صفت قدرت اور صفت خالقیت ازل سے حاصل ہے البتہ اس صفت کا ظہور مخلوق کے پیدا ہونے کے بعد ہوا یعنی دنیا پر اس کا خالق ہونا اس وقت ظاہر ہوا کہ جب مخلوق پیدا ہو گئی۔ مخلوقات کو دیکھ کر بندوں کو اس کی خالقیت کا علم ہوا، ورنہ قبل ایجاد کائنات کسی کو اس کی ایجاد اور تکوین کا

علم نہ تھا۔ اور اسی طرح روزی دینے سے پہلے وہ رازق تھا، اللہ تعالیٰ نے اشیاء عالم کو محض اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ معاذ اللہ کسی چیز کی مدد سے اللہ نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا یعنی اشیاء عالم سے پہلے کوئی مادہ موجود نہ تھا کہ جس سے اس نے اشیاء کو پیدا کیا ہو۔ اللہ خالق کل شیء، اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، خواہ مادہ ہو یا کوئی اور چیز ہو، مادہ اور طبیعت سب اس کی مخلوق ہیں۔

فلاسفہ حق تعالیٰ کو واجب الوجود اور علت العلل کہتے ہیں مگر اس کو خالق اور علیم و قدیر نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے عقل اول کا صدور ہوا۔ اور کہتے ہیں کہ ابتداء میں خدا کے ساتھ ایک اور شی بھی تھی جس کا نام انہوں نے مادہ اور ہیولیٰ رکھا ہے اور اس سے تمام کائنات کا ظہور ہوا ہے۔ یہ سب غلط ہے حق یہ ہے کہ ازل میں صرف حق تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ اور اس کے سوا کوئی شی نہ تھی۔ اس نے اپنے علم اور قدرت اور ارادہ سے جس طرح چاہا کائنات کو پیدا کیا۔ ایجاد عالم، خداوند عالم کے حق میں ضروری نہ تھا وہ اگر چاہتا تو نہ پیدا کرتا معلوم ہوا کہ ایجاد عالم حق تعالیٰ کا اختیاری فعل ہے کوئی اضطراری فعل نہیں ؎

بامرش وجود از عدم نقش بست   کہ داند جزاء کردن از نیست ہست
اگر رہ بکتم عدم در برد   وزاں جا بصحرائے محشر برد

عہد الست[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر ان کی تمام ذریت کو ان کی پشت سے چیونٹیوں کی شکل نکالا۔ ان میں کچھ سفید تھیں اور کچھ سیاہ اور پھر ان کو آدم کے دائیں بائیں پھیلا دیا، پھر ان کو حیات اور عقل و شعور عطا کیا اور ان سے سوال کیا:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی.

یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں

سب نے بیک زبان اقرار کیا کہ:

---

(۱) دیکھو اصول الدین للامام البزدوی صفحہ ۲۸۸

بے شک تو ہی ہمارا رب ہے

قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا.

پھران کو ایمان اور احسان کا حکم کیا اور کفر اور شرک اور ظلم سے منع کیا۔ اب تمام لوگ اسی فطرت پر پیدا کئے جاتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے:

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا.

اور حدیث میں ہے:

کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانه و ینصرانه و یمجسانه

یعنی جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے کیونکہ ازل میں سب ایمان لا چکے ہیں اور الست بربکم کے جواب میں سب بلی کہہ چکے ہیں اور اس کی ربوبیت کا اقرار کر چکے ہیں پس جب تک وہ یہودی اور نصرانی نہ بنیں اس وقت تک اس عہد پر قائم ہیں اور جب سن شعور کو پہنچ کر کفر کیا تو انہوں نے اپنے اس عہد اور اقرار کو توڑ دیا اس آیت اور حدیث میں اللہ تعالیٰ نے کسی کے ایمان اور کفر کی خبر نہیں دی، بلکہ یہ بتلایا کہ جو شخص پیدا ہوتا ہے وہ فطری طور پر عہد الست پر قائم ہوتا ہے اور اس میں اسلام اور کفر دونوں کے قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اسلام ایک فطری مذہب ہے، اس کی ہر بات فطرت سلیمہ کے مطابق ہے۔ بخلاف دیگر مذاہب کے کہ وہ فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہیں۔ رہا یہ سوال کہ عہد الست کا واقعہ یاد کیوں نہیں رہا سو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ واقعہ اس عالم کی پیدائش سے پہلے عالم ارواح میں تھوڑی دیر کے لئے پیش آیا اور پھر اس وقت سے لے کر اجزاء انسانی پر ہزار ہا تغیرات پیش آئے اور صد ہا اور ہزار ہا سال گزر گئے تو ایسے واقعہ کا بھول جانا عقلاً مستبعد نہیں۔ بسا اوقات انسان کو ایک ہی دن کا واقعہ یاد نہیں رہتا۔ جو دن میں بحالت مشغولی ایک لمحہ یا دو لمحہ کے لئے پیش آیا ہو۔ بذریعہ وحی کے انبیاء کرام نے اس واقعہ کی خبر دی لہذا اس کو ماننا فرض اور لازم ہوا۔ انبیاء کرام نے بندوں کو اس قدیم عہد کی خبر دی اور ان کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔

خلاصہ کلام

یہ کہ تمام موجودات علوی اور سفلی کا موجد اور خالق ایک ہی خدا ہے جو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے اور صفات نقصان سے مبرا ہے جیسا کہ مخلوق اپنی ذات سے معدوم ہے اور تمام صفات کمالیہ سے خالی اور عاری ہے اسی طرح خالق وجود مطلق اور نور السموات والارض اور تمام صفات کمال وجلال کے ساتھ موصوف ہے ممکن کی اصل حقیقت عدم ہے اور اس میں جو وجود ہے وہ خدا کے وجود کا ایک پرتوہ ہے جیسے آفتاب اپنی حرکت طلوعی میں زمین کو اپنے نور کا ایک پرتوہ عنایت کرتا ہے اور حرکتِ غروبی میں اس کو زمین سے چھین لیتا ہے۔ اسی طرح مخلوقات کو سمجھو کہ اپنی ذات سے عدم اور نیستی ہیں اور ظاہری وجود جو ان میں نظر آتا ہے وہ خداوند عالم کے وجود مطلق اور نور مطلق کا ایک پرتوہ ہے۔ اسی طرح سے مخلوقات کی حقیقت کو دیکھیے تو یوں نظر آتا ہے کہ ہر مخلوق وجود اور عدم سے مرکب ہے۔ عدم ہر مخلوق کی حقیقت کا جز ہے اور وجود عارضی ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ ایک نور تو وہ ہے کہ جو آفتاب کی صفت ہے اور اس کے ساتھ لگا ہوا ہے اور کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا اور ایک نور وہ ہے کہ جو آفتاب کے نور کا اثر ہے جس کو دھوپ اور شعاع کہتے ہیں۔

اسی طرح ایک نور تو وہ ہے کہ جو نور السموات والارض کی صفت ہے اور اس کے ساتھ قائم اور لازم ہے اور ایک نور وہ ہے کہ جو اس کے نور قدیم کا ایک عکس اور پرتوہ ہے جو مخلوقات پر پڑ رہا ہے۔ یہ عکس اور پرتوہ قدیم نہیں بلکہ حادث ہے اور محدود اور متناہی ہے اور حق تعالیٰ کا فیض اور عطیہ ہے، اور وہ نور جو خداوند قدیم کی صفت ہے وہ قدیم اور ازلی ہے اور غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔

عقیدۂ پنجم

سبوحیت وقدوسیت

حق جل شانہ تمام نقائص اور عیوب سے اور حدوث کے نشانوں سے اور مخلوقات کے مشابہت اور مماثلت سے پاک اور منزہ ہے اور وہ خداوند بے مثل و مانند ہے جوہر اور عرض ہونے سے مبرا اور صورت اور شکل اور جسم اور جسمانیت سے معرا ہے اور جواہر اور اجسام اور اعراض کی صفات اور لوازم سے مبرا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ.(۱)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ.(۲)

اور اصطلاح میں اس کا نام سبوحیت اور قدوسیت ہے اور بالفاظ دیگر تسبیح وتقدیس ہے۔

وہ بے مثل اور بے چون وچگون ہے

۱۔ وہ بے مثل اور بے چون وچگون ہے کوئی شی اس کے مثل اور برابر نہیں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اور کوئی چیز خدا تعالیٰ کے ہمسر نہیں۔ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔(۳) هل تعلم له سميا(۴) اس لئے خدا قدیم اور ازلی ہے تو وہ ممکن اور حادث کے مشابہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اگر بالفرض خدا کا مخلوق کے مشابہ ہوجانا جائز ہوتو پھر مخلوق کے احکام کا خالق پر جاری ہونا بھی ممکن ہوگا۔ الغرض نہ خدا مخلوق کے مشابہ ہے اور نہ مخلوق خدا کے مشابہ ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ قدیم کی کوئی صفت حادث میں اور حادث کی کوئی صفت قدیم میں پائی جائے اس لئے اللہ تعالیٰ ہر قسم کے

---

(۱) کوئی چیز اس کے مثل نہیں ہے، اور وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ دیکھتا ہے۔ (شوریٰ/۱۱)

(۲) تمہارا پروردگار، عزت کا مالک، ان سب باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔ (صفت/۱۸۰)

(۳) اس کے جوڑ کا کوئی بھی نہیں۔ (اخلاص/۴)

(۴) کیا تمہارے علم میں کوئی اور ہے جو اس جیسی صفات رکھتا ہو۔ (مریم/۶۵)

اس کی ہستی سمت اور جہت اور مکان اور زمان کی حدود اور قیود سے پاک ہے لہٰذا خدا تعالیٰ کے متعلق یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ وہ کہاں ہے اور کب سے ہے اس لئے کہ وہ مکان اور زمان سب سے سابق اور مقدم ہے۔ مکان اور زمان سب اس کی مخلوق ہے وہ تو لا مکان اور لا زمان ہے۔ اس کی ہستی مکان اور زمان پر موقوف نہیں بلکہ زمان اور مکان کی ہستی اس کے ارادہ پر موقوف ہے۔ مشبہہ اور مجسمہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیلئے جہت ہے اور وہ جہت فوق میں ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے۔ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی عَمَّا یَصِفُوْن.

صفات متشابہات

علماء اہل سنت و جماعت یہ کہتے ہیں کہ براہین قطعیہ اور دلائل عقلیہ ونقلیہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی مشابہت اور مماثلت سے اور کمیت اور کیفیت اور مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہے لہٰذا جن آیات اور احادیث میں حق جل شانہ کی ہستی کو آسمان یا عرش کی طرف منسوب کیا ہے ان کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان اور عرش اللہ کا مکان اور مستقر ہے بلکہ ان سے اللہ جل شانہ کی شانِ رفعت اور علو اور عظمت اور کبریائی کو بیان کرنا مقصود ہے اس لئے کہ مخلوقات میں سب سے بلند عرش عظیم ہے، ورنہ عرش سے لے کر فرش تک سارا عالم اس کے سامنے ایک ذرہ بے مقدار ہے وہ اس ذرہ میں کیسے سما سکتا ہے۔ سب اسی کو مخلوق ہے اور مخلوق اور حادث کی کیا مجال کہ وہ خالق قدیم کا مکان اور جائے قرار بن سکے۔

شعر

پر تو حسنت نہ گنجد در زمین و آسمان
در حریم سینہ حیرانم کہ چوں جا کردہ (۱)

خدا تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ وہ عرش پر یا کسی جسم پر متمکن اور مستقر ہو جس طرح بادشاہ کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نسبت ایسا کہنا جائز نہیں

(۱) آپ کے حسن کی روشنی نہیں سما سکتی نہ زمین میں نہ آسمان میں، میں حدود سینہ پر حیران ہوں کہ اس نے کیسے جگہ بنالی۔

اس لئے کہ خدا تعالیٰ کوئی مقداری نہیں کیونکہ کسی جسم پر وہی چیز متمکن ہو سکتی ہے کہ جو ذی مقدار ہو اور اس سے بڑی ہو یا چھوٹی ہو یا اس کے برابر ہو اور یہ کمی بیشی بارگاہِ خداوندی میں محال ہے۔ عقلاً یہ ممکن نہیں کہ کوئی جسم مخلوق جیسے مثلاً عرش کہ وہ اپنی خالق کو اپنے اوپر اٹھا سکے اور پھر فرشتے اس جسم کو (عرش کو) اپنے کاندھوں پر اٹھائیں۔ کما قال تعالیٰ:

وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَة. [1]

عقلاً یہ بات محال ہے کہ کوئی مخلوق فرشتہ ہو یا جسم ہو وہ اپنے خالق کو اپنے کاندھوں پر اٹھا سکے۔ خالق کی قدرت مخلوق کو تھامے ہوئے ہے مخلوق میں یہ قدرت نہیں کہ وہ خالق کو اٹھا سکے اور تھام سکے اور جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی شانِ علو اور فوقیت کا ذکر آیا ہے ان سے علو مرتبہ اور فوقیتِ قہر و غلبہ مراد ہے حسی اور مکانی فوقیت اور علو مراد نہیں۔ کما قال تعالیٰ:

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ. [2] وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْر. [3] وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى. [4]

اور جیسے "وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِيْم" [5] اور "اِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْن" [6] میں فوقیت مرتبہ اور فوقیت قہر اور غلبہ مراد ہے اور جن آیات اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور بُعد کا ذکر آیا ہے اس سے مسافت کے اعتبار سے قرب اور بُعد مراد نہیں، بلکہ معنوی قرب اور بعد مراد ہے اور نزول خداوندی سے نزول رحمت یا خدا تعالیٰ کا بندوں کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے معاذ اللہ خدا کا بلندی سے پستی کی طرف اترنا مراد نہیں اور دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا اس لئے نہیں کہ آسمان اللہ تعالیٰ کا مکان ہے بلکہ اس لئے

---

(۱) اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (الحاقہ/۱۷)

(۲) اور وہ اپنے بندوں کے اوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے۔ (انعام/۱۸)

(۳) اور اللہ ہی وہ ہے جس کی شان بھی اونچی ہے، رتبہ بھی بڑا۔ (حج/۶۲)

(۴) اور اسی کی سب سے اونچی شان ہے۔ (روم/۲۷)

(۵) اور جتنے علم والے ہیں، ان سب کے اوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے۔ (یوسف/۷۶)

(۶) اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے۔ (اعراف/۱۲۷)

ہے کہ آسمان قبلہ دعا ہے جیسا کہ خانہ کعبہ قبلہ نماز ہے۔ خانہ کعبہ کو جو بیت اللہ کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کا گھر ہے اور معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کا مکان ہے اور اس کے رہنے کی جگہ ہے۔ سمتِ قبلہ عابدین کی عبادت کے لئے مقرر کی گئی معاذ اللہ معبود کی سمت نہیں۔ پس جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے ویسے ہی آسمان دعاء کا قبلہ ہے اور دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ وہ خانہ کعبہ کے اندر یا آسمان کے اندر متمکن ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان اوصاف کو اوصاف تسبیحی کہتے ہیں اور اوصاف تنزیہی اور اوصاف جلال بھی کہتے ہیں اور علم وقدرت اور سمع و بصر جیسے اوصاف کو اوصاف تحمیدی اور اوصاف جمال کہتے ہیں۔

مجسمہ اور مشبہہ یہ کہتے ہیں کہ عرش ایک قسم کا تخت ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر مستوی ہے یعنی اس پر مستقر اور متمکن ہے اور فرشتے اس عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ''[1] سے ظاہر لفظ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ استواء علی العرش سے عرش پر بیٹھنا مراد ہے۔

اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں ہے اور ہر جگہ میں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے حجت پکڑتے ہیں:

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ.[2] الاية

اور حق تعالیٰ کے اس قول سے:

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ.[3]

اور

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ.[4]

---

(۱) وہ بڑی رحمت والا عرش پر استوفرماتے ہوئے ہیں۔ (طٰہٰ/۵)
(۲) کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ نہ ہو۔ (مجادلہ/۷)
(۳) اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (ق/۱۶)
(۴) اور ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں مگر تمہیں نظر نہیں آتا۔ (واقعہ/۸۵)

اور

هُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الْاَرْضِ اِلٰه.[1]

سے دلیل لاتے ہیں۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس قسم کی جس قدر آیتیں وارد ہوئی ہیں ان سے حق شانہ کے کمال علو اور رفعت شان کو اور اس کے احاطہ علم وقدرت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت تمام کائنات کو محیط ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں آیا ہے:

قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمن

مومن کا دل خدا کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

سو اس سے بالا جماع متعارف اور ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں بلکہ اس سے قدرت علی التقلیب بیان کرنا ہے کہ قلب خدا کے اختیار میں ہے جدھر چاہے پھیر دے۔ اور حدیث میں حجر اسود کے متعلق یہ آیا ہے:

انه یمین الله فی الارض

کہ حجر اسود زمین میں اللہ کا دایاں ہاتھ ہے

تو یہاں بھی بالاتفاق ظاہری معنی مراد نہیں، بلکہ معنی مجازی مراد ہیں کہ حجر اسود کو بوسہ دینا گویا کہ اللہ سے مصافحہ کرنا اور اس کے دستِ قدرت کو بوسہ دینا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ الله.

کہ جو لوگ نبی کریم کے دستِ مبارک پر بیعت کرتے ہیں گویا کہ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔

یہاں بھی بالاتفاق معنی مجازی مراد ہیں۔ معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ خدا اور رسول دونوں ایک دوسرے کا عین ہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ استواء علی العرش سے ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے بلکہ اس سے اللہ کے علو شان اور رفعت مرتبہ کا بتلانا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

---

(۱) وہی (اللہ) ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود۔ (زخرف/۸۴)

رَفِيْعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْش. (۱)

اور اسی طرح جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شب آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے سو معاذ اللہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کوئی جسم ہے کہ عرش سے اتر کر آسمان دنیا پر آتا ہے بلکہ اس خاص وقت میں اس کی رحمت کا نزول یا کسی رحمت کے فرشتے کا آسمان دنیا پر اترنا مراد ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا بندہ سے قرب اور بعد باعتبار مسافت کے مراد نہیں بلکہ قربِ عزت و کرامت اور بعد ذلت واہانت مراد ہے۔ مطیع اور فرمانبردار بندہ اللہ سے بلا کیفیت اور بلا کسی مسافت کے قریب ہے اور نافرمان بندہ بلا کیفیت اور بلا مسافت کے اللہ سے بعید ہے۔

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان اور جہت اور سمت سے پاک اور منزہ ہے۔ اس لئے کہ جو چیز کسی مکان میں ہوتی ہے تو وہ محدود ہوتی ہے اور مقداری ہوتی ہے اور مکین مقدار میں اور مسافت میں اور مساحت میں مکان سے کم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مقدار سے اور مساحت سے اور مسافت سے اور کمی اور زیادتی سے منزہ ہے اور جو چیز سمت اور جہت میں ہوتی ہے تو وہ اس سمت اور جہت میں محصور اور محدود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی منزہ ہے۔ مکان اور زمان اور جہت اور سمت سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے ازل میں، صرف اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا کوئی شے نہ تھی، نہ مکان اور نہ زمان اور نہ عرش اور کرسی اور نہ زمین اور آسمان اس نے اپنی قدرت سے عرش اور کرسی اور زمین و آسمان کو پیدا کیا وہ خداوند قدوس ان چیزوں کے پیدا کرنے کے بعد اسی شان سے ہے کہ جس شان سے وہ مکان اور زمان اور زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے پہلے تھا۔ ہم اہل سنت ایمان لائے اس بات پر کہ بلا کسی تشبیہ اور تمثیل کے اور بلا کسی کمیت اور کیفیت کے اور بلا کسی مسافت اور مساحت کے رحمٰن کا استواء عرش پر حق ہے جس معنی کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے اور جو اس کی شان کے لائق ہے جس کا علم اللہ ہی کو ہے معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ جیسے بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے ایسا ہی اللہ تعالیٰ بھی عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور عرش پر مستقر اور متمکن ہے اس لئے کہ

---

(۱) وہ اونچے درجوں والا، عرش کا مالک ہے۔ (مومن/۱۵)

تمکن اور استقرار شان حادث اور ممکن کی ہے۔ مکان، مکین کو محیط ہوتا ہے اور عرش تو ایک جسم عظیم نورانی ہے جو اللہ کا مخلوق ہے اس کی کیا مجال کہ وہ خداوند ذوالجلال کو اٹھا سکے معاذ اللہ عرش خدا تعالیٰ اٹھائے ہوئے نہیں بلکہ اللہ کا لطف اور قدرت عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے۔

استواء علی العرش کے ذکر سے خداوند ذوالجلال کی علوشان اور بے مثال رفعت کو بیان کرنا ہے، اور ''وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَ فِی الْاَرْضِ اِلٰه '' سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آسمان وزمین میں سب جگہ اسی کی عبادت کی جاتی ہے اور وہی آسمان وزمین میں متصرف ہے اور سب جگہ اسی کا حکم چلتا ہے۔ آسمان وزمین اس کی عبادت اور تصرف کا اور اس کی حکمرانی کا ظرف ہے معبود کا ظرف نہیں، اور معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ عرش یا آسمان اللہ تعالیٰ کا مکان ہے جس میں خدا تعالیٰ رہتا ہے۔

مجسمہ اور مشبہہ نے ان آیات کا یہ مطلب سمجھا کہ عرش عظیم یا آسمان وزمین اللہ کا مکان اور جائے قرار ہے اور یہ نہ دیکھا کہ سارا قرآن تنزیہ اور تقدیس سے بھرا پڑا ہے کہ اللہ مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے اور تمام انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو ایمان تنزیہی کی دعوت دی ہے ایمان تشبیہی اور تمثیلی کی دعوت نہیں دی۔

عقیدۂ ششم

نزاہت حق جل شانہ از حلول واتحاد

حق جل شانہ کسی کے ساتھ متحد نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی چیز خدا کے ساتھ متحد ہوسکتی ہے۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ کی حقیقت سب سے الگ ہے اور وہ قدیم ہے اور قدیم حادث کے ساتھ متحد نہیں ہوسکتا۔ اتحاد وہاں ہوتا ہے جہاں دو چیزیں ایک جنس کی ہوں اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نہ جنس جواہر سے ہے اور نہ جنس اعراض سے ہے تو پھر وہ کسی کے ساتھ کیسے متحد ہوسکتا ہے۔ اتحاد کے معنی یہ ہیں دو چیزیں ایسی رل مل جائیں کہ دونوں کا وجود ایک ہوجائے اور دونوں کا عمل ایک ہوجائے اور یہ بات خدا تعالیٰ میں محال ہے۔ اس لئے کہ خدا غیر محدود

اور غیر متناہی ہے اور اس کے سوا جو بھی ہے وہ محدود اور متناہی ہے اور محدود اور غیر محدود کا اس طرح رل مل جانا کہ دونوں کا وجود اور محل ایک ہو جائے عقلاً محال ہے اس لئے کہ اس صورت میں محدود کا غیر محدود ہو جانا اور غیر محدود کا محدود ہو جانا لازم آتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ امر بلاشبہ محال ہے۔ غرض یہ کہ خدا تعالیٰ کسی کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا اور علی ہذا نہ کوئی چیز خدا تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو سکتی ہے اور علی ہذا نہ خدا کسی چیز میں حلول کر سکتا ہے اور نہ کوئی چیز خدا تعالیٰ میں حلول کر سکتی ہے۔ نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ متحد ہو گیا یا خدا کی ذات یا خدا کی کوئی صفت مسیح بن مریم میں حلول کر آئی ہے۔ نصاریٰ کے نزدیک عیسیٰ اور روح القدس اور خدا تعالیٰ تینوں مل کر ایک ہیں۔ تینوں ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہیں یہ سب باطل ہے اس لئے کہ حلول کرنے والی چیز اس محل کی محتاج ہوتی ہے جس میں وہ حلول کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک اور منزہ ہے۔ نیز محل حال سے مقدم ہوتا ہے اور اللہ سے کوئی چیز مقدم نہیں ہو سکتی۔ نیز حال (حلول کرنے والی چیز محل کے تابع ہوتی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خدا کسی کا تابع ہو۔ اور جس طرح اللہ کی ذات کسی چیز میں حلول نہیں کر سکتی اسی طرح اللہ کی کوئی صفت بھی کسی مخلوق میں حلول نہیں کر سکتی۔ نیز محل حال (حلول کرنے والی چیز) کو محیط ہوتا ہے اور خدا کا کون احاطہ کر سکتا ہے۔

نیز نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود نے خداوند یسوع مسیح کو پھانسی دی تو علماء نصاریٰ بتلائیں کہ کیا بندے بھی خدا کو پھانسی دے سکتے ہیں اور ہندوؤں کے نزدیک بھی خدا تعالیٰ کا جسم انسانی اور جسم حیوانی میں حلول کرنا جائز ہے جس طرح نصاریٰ حضرت مسیح کو معبود مانتے ہیں اسی طرح ہندو اپنے اوتاروں کو معبود مانتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا کرشن اور رامچندر وغیرہ کے جسم میں حلول کرنا اور خدا کا مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا جائز ہے اور اسلام میں یہ بات کفر اور شرک ہے۔ اس لئے کہ حلول کے معنی کسی چیز میں سما جانے اور پیوست ہو جانے کے ہیں اور یہ خاصہ ممکنات کا ہے جیسے برف پانی میں گھل کر ایک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ کسی کے ساتھ مل کر ایک ہو جائے۔ عقلاً یہ بات محال ہے کہ کوئی شخص یا کوئی جسم بذات خود حادث ہو اور اس کا کوئی جز خدا ہو۔ عجیب بات ہے کہ ہندو اس بات کے دعوے دار ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کے اوتاروں میں حلول کر آتا ہے۔ حالانکہ ان

کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ رامچند ر اوتار کی بیوی کو روان لنکا کا راجہ زبردستی چھین کر لے گیا تھا۔ پھر مدت تک رامچند ر اس کے عشق میں گرفتار اور سرگرداں رہے اور کچھ پتہ نہ چلا۔ بالآخر جب حال معلوم ہوا تو ہندومان وغیرہ کی مدد سے روان کو شکست دی معاذ اللہ کیا خدا بھی کسی عورت کے عشق میں گرفتار ہو سکتا ہے اور کیا معاذ اللہ کوئی خدا کی محبوبہ کو بہکا کر لے جا سکتا ہے۔ نعوذ باللہ من هذه الخرافات۔

عقیدۂ ہفتم

خلق افعال عباد

حق جل شانہ جس طرح بندوں کی ذوات اور صفات کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال اور اعمال کا بھی خالق ہے وہ افعال خیر ہوں یا شر سب اسی کی تقدیر سے ہیں لیکن خیر سے وہ راضی ہے اور شر سے راضی نہیں۔ ان اللہ لا یرضٰی بعبادہ الکفر

اہل حق کہتے ہیں کہ بندہ شجر اور حجر کی طرح مجبور نہیں بلکہ اللہ نے اس کو کچھ قدرت اور اختیار دیا ہے لیکن بندہ اپنی اس قدرت اور اختیار میں مستقل نہیں بلکہ بندہ کی قدرت اور اختیار اللہ کی قدرت اور اختیار کے ماتحت ہے۔ بندہ بغیر اللہ کی مشیت کے کچھ نہیں کر سکتا اور یہی حق ہے اس لئے کہ یہ بات عقلاً محال ہے کہ بندہ اپنے افعال و اعمال میں مستقل ہو اور اس کی حرکات اور سکنات اللہ کی قدرت اور مشیت کے دائرہ سے خارج ہوں۔ خدا تعالیٰ نے بندہ کو جو قدرت عطا کی ہے اس کا نام استطاعت ہے۔ کما قال تعالیٰ:

مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. (1)

اور بندہ جو اس خداداد قدرت اور استطاعت سے کام کرتا ہے۔

اصطلاح شریعت میں اس کا نام کسب ہے۔ اور خدا تعالیٰ اپنی قدرت ازلیہ سے جو کام کرتا ہے اس کا نام خلق اور ایجاد ہے۔ اس لئے تمام اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع

(۱) جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہو۔ (آل عمران/ ۹۷)

ہے کہ بندہ کے افعال واعمال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مگر بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے۔ کما قال تعالیٰ:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ.(۱)

خدا تعالیٰ نے بندہ کو جو قدرت اور اختیار دیا ہے وہ خیر اور شر دونوں کے لئے استعمال ہوسکتا ہے لیکن اگر باوجود اسی قدرت اور اختیار کے ہوتے ہوئے حق تعالیٰ کے لطف اور عنایت سے اور اس کی خاص نصرت اور اعانت سے بندہ کا اختیار خیر کی طرف متوجہ ہوجائے تو یہ اللہ کی توفیق ہے اور اگر اللہ بندہ کو بندہ کے حال پر چھوڑ دے اور اپنے لطف و عنایت سے اس کی دستگیری نہ فرمائے تو اسی ترک نصرت اور ترک عنایت کا نام خذلان ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت اور توفیق سے نوازے وہ اس کا فضل ہے اور جس کو چاہے گمراہ کرے تو یہ اس کا عدل ہے اللہ پر کسی کا حق نہیں۔

فائدہ:

جاننا چاہئے کہ ہدایت کے دو معنی ہیں ایک سیدھا راستہ بتلا دینا۔ دوسرے معنی سیدھے راستہ سے منزلِ مقصود تک پہنچا دینا۔ یہ دوسرے معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں کہ وہ کسی کو منزل مقصود تک پہنچا دے اور ہدایت کے پہلے معنی قرآن شریف اور نبی کریم ﷺ کے لئے بھی ثابت ہیں کہ قرآن بھی سیدھا راستہ بتاتا ہے اور نبی کریم ﷺ بھی سیدھا راستہ بتلاتے ہیں۔ اسی معنی کر آپ کو ہادی کہا جاتا ہے مگر سیدھے راستہ پر چلنے کے توفیق دے دینا اور مقصود تک پہنچا دینا یہ اللہ ہی کا کام ہے پس ''انک لاتھدی'' اور ''انک تھدی'' دونوں ارشادِ حق اور مطابق ہوگئے۔ ''انک لا تھدی'' میں جو یہ کہا گیا کہ آپ ہدایت نہیں کرسکتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ توفیق دینا اور منزلِ مقصود تک پہنچانا آپ کے اختیار میں نہیں اور دوسری آیت میں جو کہا گیا کہ اے نبی

---

(۱) اس کو فائدہ بھی اسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادے سے کرے اور نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو اپنے ارادے سے کرے۔ (بقرہ/۲۸۶)

آپ لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں، اس آیت میں ہدایت سے سیدھا راستہ بتلانے کے ہیں اس معنی کر آپ ہادی ہیں اور علیٰ ہذا اضلال گمراہ کرنے کے بھی دو معنی ہیں ایک حق سے بہکا کر باطل کی راہ دکھانا۔ یہ کام شیطان کا ہے، اسی معنی کر قرآن میں اضلال کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اور اضلال کے دوسرے معنی اپنی توفیق اور لطف اور عنایت سے محروم کر دینے کے ہیں اور قرآن کریم میں جو جابجا یہ آیا ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ ان سب آیات میں ہدایت دینے سے توفیق عطا کرنے کے معنی مراد ہیں اور گمراہ کرنے سے توفیق سے محروم کر دینے کے معنی مراد ہیں اور توفیق اللہ کا فضل اور احسان ہے جس کو چاہے اس سے نوازے اور جس کو چاہے محروم کر دے۔

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ.[1] وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.[2]

عقیدۂ ہشتم

عدم وجوب شئے بر حق سبحانہ

خدا تعالیٰ پر کوئی شی واجب نہیں نہ لطف اور نہ قہر اور نہ ثواب اور نہ عقاب وہ جو چاہے کرے کسی کی مجال نہیں کہ اس سے سوال کر سکے کہ یہ کیوں کیا:

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ.[3] يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ.[4] اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ.[5]

---

(۱) یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ (مائدہ/۵۴)

(۲) حالانکہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص فرمالیتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ (بقرہ/۱۰۵)

(۳) وہ جو کچھ کرتا ہے اس کا کسی کو جوابدہ نہیں ہے اور ان سب کو جواب دہی کرنی ہوگی۔ (انبیاء/۲۳)

(۴) اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (ابراہیم/۲۷)

(۵) اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔ (مائدہ/۱)

کرا زہرہ آنکہ از بیم تو کشاید زبان جز بہ تسلیم تو[1]

جس کو چاہے عزت وراحت دے۔ وہ اس کی رحمت ہے اور جس کو چاہے ذلت اور مصیبت دے وہ اس کی حکمت ہے۔ وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔ وہ مالک ہے جس کو چاہے بینا بنائے اور جس کو چاہے نابینا کرے۔ جس کو چاہے حسین وجمیل بنائے اور جس کو چاہے کوڑھی اور جذامی بنائے، کوزہ گر کو اختیار ہے کہ جس کوزہ کو چاہے سیدھا بنائے اور جس کو چاہے ٹیڑھا بنائے۔

عقیدۂ نہم

مالکیت موت وحیات

حق تعالیٰ تمام کائنات کی موت اور حیات کا اور ان کی صحت اور مرض کا اور ان کے رزق کا اور سامانِ رزق کا مالک ہے جس کو چاہے جلادے اور جس کو چاہے مارے اور جس کو چاہے اسیر بنائے اور جو کو چاہے فقیر بنائے۔

اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَ یَقْدِرُ لَہٗ.[2] وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ.[3]

ہر حیوان کا رزق مقرر اور مقدر ہے جب تک اللہ تعالیٰ کو اس کا زندہ رکھنا مقصود ہے اس وقت تک اس کا مقدر رزق اس کو ضرور پہنچتا رہے گا اس نے اپنے اختیار سے جس کا جتنا چاہا رزق مقدر کردیا۔ خدا کے ذمہ رزق میں مساوات واجب نہیں بلکہ کسی چیز میں بھی اس پر مساوات واجب نہیں۔ کسی کو عقل زیادہ دی اور کسی کو کم، کسی کو علم زیادہ دیا اور کسی کو کم۔ وغیرہ وغیرہ

---

(۱) آپ کے خوف کے سامنے کس کی جرأت ہے کہ زبان درازی کرے سوائے آپ کی تابع فرمانی کے۔

(۲) اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں کشادگی کردیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی کردیتا ہے۔ (عنکبوت/۶۲)

(۳) اور اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں کو رزق کے معاملہ میں دوسروں پر برتری دے رکھی ہے۔ (نحل/۷۱)

شکم شکم کا نعرہ لگانے والے اور معاشی مساوات کا دم بھرنے والے یہ نہیں دیکھتے کہ کیا سب کے شکم برابر اور یکساں ہیں اور کیا سب کی بھوک برابر ہے اور کیا سب کے جسم برابر ہیں اور کیا استنجا اور پیشاب میں سب برابر ہیں۔ بفرض محال اگر ان دیوانوں کے خیال کے مطابق کسی زمانہ میں حکومت کی طرف سے روٹیاں اور کپڑے برابر تقسیم ہونے لگیں تو یہ بتلائیں کہ مزدوروں کے پیٹوں کے مساوات کی کیا صورت ہوگی کہ سب کے پیٹ اور سب کی بھوک اور سب کی خواہش اور رغبت اور قضاء حاجت سب یکساں اور برابر ہو جائیں۔

ایں خیال است و محال و جنون(۱)

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ؎

اوست سلطاں ہر چہ خواہد آں کند　　عالمے را در دمے ویران کند
ہست سلطانی مسلم مر او را　　نیست کس را زہرۂ چون و چرا
آن یکے را گنج نعمت می دہد　　دیگرے را رنج و زحمت می دہد
آن یکے را ز دو صد ہمیاں دہد　　دیگرے در حسرت نان جان دہد
آن یکے برتخت باصد عز و ناز　　دیگرے کردہ دہاں فاقہ باز

آں یکے پوشیدہ سنجاب و سمور
دیگرے خفتہ برہنہ در تنور(۲)

---

(۱) یہ خیال، محال اور جنون ہے۔

(۲) وہ بادشاہ ہے جو چاہے کر سکتا ہے، جہاں کو ایک دم میں ویران کر سکتا ہے۔
بادشاہی خاص اسی کی تسلیم شدہ ہے، کسی شخص کو ٹال مٹول کا حوصلہ نہیں ہے۔
وہ ایک کو خزانہ اور نعمت دیتا ہے تو دوسرے کو رنج اور تکلیف دیتا ہے۔
وہ ایک کو دو سو تھیلیاں سونا دیتا ہے تو دوسرا روٹی کی حسرت میں جان دیتا ہے۔ وہ ایک سو عزت و ناز سے تخت پر (ہے جبکہ) دوسرا فاقہ سے منہ کھولا ہوا ہے۔
ایک نے سنجاب و سمور کی گرم کھالیں پہنی ہوئی ہیں دوسرا ننگے بدن تنور پر سویا ہوا ہے۔ (پندنامہ در حمد باری تعالیٰ)

مخلوقات کی صفات اور کیفیات اور حالات کا اختلاف سب اللہ کے ارادہ اور مشیت ہے اور اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ کسی کی قدرت میں نہیں کہ اخلاق اور اعمال اور احوال میں مساوات قائم کر سکے۔

عقیدۂ دہم

قضاء وقدر

قضا وقدر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ تقدیر کے معنی لغت میں اندازہ کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں تمام اشیاء عالم کا ان کے ایجاد اور آفرینش سے پہلے ہی اندازہ فرمالیا تھا کہ یہ چیز فلاں وقت میں اس طرح پیدا کی جائے گی اور یہ چیز اس طرح ''قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدراً. وَ خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْراً'' پس اللہ تعالیٰ کا ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک واقع ہونے والی چیزوں کی حد اور اندازہ مقرر کر دینے اور ان کو لکھ دینے کا نام تقدیر ہے اور پھر اس اندازہ کے مطابق اشیاء عالم کو بتدریج پیدا کرنے کا نام قضاء ہے۔ اول تقدیر ہے۔ پھر قضاء ہے اور ایمان بالقدر کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اس بات پر یقین کرے کہ عالم میں جو کچھ خیر وشر اور ایمان اور کفر واقع ہو رہا ہے وہ سب اللہ کے علم اور ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے اور اس عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو آئندہ ہوگا اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم تھا اور ایجاد سے پہلے ہی اللہ نے ان کو اپنی تقدیر (اندازہ) سے مقرر فرمادیا تھا کہ فلاں وقت اور فلاں مکان میں یہ بھلی یا بری چیز پیدا ہوگی۔ کوئی اندازہ اس کی تقدیر سے باہر نہیں۔

لاتتحرک ذرة الا باذن اللہ

کوئی ذرہ بغیر اللہ کے حکم کے حرکت نہیں کر سکتا۔

اور چونکہ قضاء وقدر کا تعلق اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت سے ہے۔ اس لئے اس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں۔ بندہ کے علم میں غلطی اور خطا ہو سکتی ہے مگر خداوند علیم وخبیر کے علم میں غلطی اور خطا نہیں ہو سکتی۔

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ بندہ جو کچھ کرتا ہے نیک ہو یا بد ہو ایمان ہو یا کفر ہو طاعت ہو یا معصیت ہو سب خدا کی تقدیر سے ہے اور وہی اس کا خالق ہے۔ اور عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اسی کی مشیت سے ہو رہا ہے اللہ نے بندہ کو قدرت اور اختیار دیا مگر بندہ اپنے قدرت اور اختیار میں مستقل نہیں۔ بندہ کا اختیار اللہ کے اختیار اور اس کی مشیت کے ماتحت ہے۔ اللہ نے بندہ کو قدرت اور اختیار دے کر حکم دیا کہ ہمارے دئے ہوئے اختیار اور قدرت کو ایمان کے لئے استعمال کرنا، کفر کے لئے استعمال نہ کرنا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بندوں کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنے علم ازلی سے جان لیا کہ بندے پیدا ہونے کے بعد کیا کریں گے۔ پس جب بندے پیدا ہوئے تو ان کو حکم ہوا کہ ایمان لاؤ مگر اللہ تعالیٰ کو پہلے سے معلوم تھا کہ کون ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ اللہ نے بندہ کو خیر و شر اور ایمان اور کفر کرنے کی یکساں قدرت عطا کی کہ جو چاہے کرے مگر حکم دیا ایمان کا اور کفر سے منع کیا۔ لیکن اس علیم و خبیر کو پہلے سے معلوم تھا کہ کون کیا کرے گا۔ اور اس نے اپنے علم ازلی کی بنا پر سعادت اور شقاوت سب کو مقدر کر دیا۔ پس جس طرح بندہ پیدا ہونے سے پہلے اس کے علم اور قدرت کے دائرہ میں محصور تھا اسی طرح پیدا ہونے کے بعد بھی اس کے دائرہ علم اور قدرت سے باہر نہیں۔

پس اللہ کی تقدیر حق ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے لیکن اپنے افعال و اعمال کی حجت میں تقدیر کو پیش کرنا جائز نہیں۔ مثلاً کوئی چوری اور زنا کرے اور عذر یہ کرے کہ میری تقدیر میں ایسا ہی لکھا ہوا تھا تو یہ عذر اس کو مواخذہ سے نہیں بچا سکتا۔ بے شک اللہ نے ہر چیز کو مقدر کیا ہے مگر اس کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں کہ تقدیر میں کیا لکھا ہے اور اس شخص نے جو چوری کی یا زنا کیا تو اس نے یہ کام نفسانی خواہش کے غلبہ اور دباؤ سے کیا ہے تقدیر کے دباؤ سے نہیں کیا اس لئے کہ اس کو اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ تقدیر کے لکھے ہوئے کا کسی کو علم نہیں اور نہ ہو سکتا ہے اور چونکہ اس اقدام کی علت ہوائے نفسانی اور خدا کی نافرمانی ہے اس لئے اس پر حد جاری کی جائے گی اور ارتکاب زنا کے بعد اس کا یہ کہنا کہ میری تقدیر میں یوں ہی تھا اس کو سزا سے نہیں بچا سکتا۔ لہٰذا کسی کا یہ کہنا کہ یہ کام میں نے اس لئے کیا کہ میری تقدیر میں یہی لکھا تھا اور بندہ تو مجبور ہے تقدیر کے

خلاف کچھ نہیں کرسکتا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اللہ کے علم اور تقدیر سے بندہ مجبور نہیں ہو جاتا۔ بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ خداداد قدرت واختیار سے بصد شوق ورغبت کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ بندہ اپنے اس فعل میں مجبور نہیں اس لئے کہ اضطراری اور غیر اختیاری فعل میں شوق اور رغبت اور دوڑ دھوپ نہیں ہوتی۔ اب رہا یہ امر کہ بندہ سے خلاف تقدیر کسی فعل کا سرزد ہونا کیوں ناممکن ہے۔ سو اس کی یہ وجہ نہیں کہ بندہ مجبور ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا علم اور اس کی خبر اور اس کی تقدیر میں غلطی کا امکان نہیں۔

اگر کوئی حاکم دو نوکروں کو بلا کر کوئی حکم دے اور بعد میں اپنے کسی مقرب سے یہ کہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ ان میں سے فلاں آدمی تو امانت دار معلوم ہوتا ہے دیانت سے کام کرے گا اور دوسرا خائن معلوم ہوتا ہے وہ کام میں خیانت کرے گا اور پھر بعد میں ایسا ہی نکلا تو قصوروار اگر یہ عذر پیش کرے کہ آپ نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ شخص خائن ہے اس لئے میں نے خیانت کی نہ آپ مجھ کو خائن کہتے نہ میں ایسا کام کرتا۔ لہٰذا میرا کیا قصور ہے تو اہل عقل خوب جانتے ہیں کہ خائن اس کہنے سے سزا سے بری نہیں ہوسکتا کیونکہ حاکم کا یہ قول محض ایک خبر تھی جو اس نے اپنے علم کی بنا پر دی تھی۔ اس خبر سے وہ ملازم خیانت کرنے پر مجبور نہیں ہو گیا تھا۔ اسی طرح سمجھو کہ تقدیر اللہ کے علم کی ایک حکایت اور خبر ہے اور علم معلوم کے تابع نہیں ہوتا ہے اور حکایت اور خبر محکی عنہ اور واقع کے مطابق اور موافق ہوتی ہے۔ معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا اور محکی عنہ اور واقعہ حکایت اور خبر کے تابع نہیں ہوتا۔ علم سے معلوم مجبور نہیں ہو جاتا اللہ تعالیٰ کو جس طرح ہمارے افعال اور اعمال کا علم ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کو اپنے افعال کا بھی علم ہے۔ مگر خدا تعالیٰ اس علم کی وجہ سے کسی فعل میں مجبور نہیں اسی طرح بندہ اللہ کے علم اور تقدیر سے مجبور نہیں ہو جاتا، خدا نے بندہ کو قدرت اور اختیار دیا ہے جس سے وہ اپنے دین اور دنیا کے کام کرتا ہے لیکن بندہ اس اختیار میں مستقل نہیں۔ جس طرح بندہ اپنے وجود میں مستقل نہیں اسی طرح وہ اپنے اختیار میں بھی مستقل نہیں۔ اس لئے اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ بندہ جبر اور قدر کے بین بین ہے نہ شجر اور حجر کے طرح مجبور محض ہے جیسا کہ جبریہ کہتے ہیں، اور نہ فاعل مستقل ہے جیسا کہ قدریہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق اور فاعل مستقل ہے دونوں فریق باطل پر ہیں اور افراط

وتفریط میں مبتلا ہیں۔ صحیح مذہب توسط اور اعتدال کا ہے کہ بندہ جبر اور قدر کے بین بین ہے نہ بالکل مجبور ہے اور نہ بالکل مختار ہے۔ بندہ اپنے افعال میں مختار ہے مگر اس خداداد اختیار میں مختار نہیں۔ جس طرح آنکھ اور کان خدا کے دیئے ہوئے ہیں بندہ آنکھ اور کان میں مختار نہیں البتہ دیکھنے اور سننے میں مختار ہے اسی طرح بندہ اختیار میں مختار نہیں بلکہ اپنے افعال میں مختار ہے۔

عقیدۂ یازدہم

خالقیت صفاتِ مخلوقات و کیفیات کائنات

اللہ جل شانہ جس طرح کائنات کی ذوات کا خالق ہے اسی طرح ان کی صفات اور کیفیات کا بھی خالق ہے جس طرح ہر چیز کا وجود اور عدم اس کے قبضہ قدرت میں ہے اسی طرح ہر چیز کی ہر صفت اور ہر کیفیت اور ہر خاصیت اور اس کی تاثیر کا وجود اور عدم بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ یہ عالم عالم اسباب ہے اس عالم کے اسباب اور مسببات سب اسی کے مخلوق ہیں اور اسباب کی سببیت بھی اس کی مخلوق ہے اور اسی کی مشیت کے تابع ہے دنیا کی کوئی حقیقت بالذات موثر نہیں جب تک اللہ کا ارادہ اور مشیت اس کے ساتھ مقرون نہ ہو اور مادہ کے اجزاء اور ذرات بسیطہ میں جو اجتماع اور اتصال ہے، یا افتراق یا انفصال ہے یا کسی قسم کی قوت جاذبہ ہے یا کسی قسم کی کشش ہے وہ سب اسی کی پیدا کردہ ہے اور اس کے ارادہ کے تابع ہے۔ بہرحال عالم کی کوئی چیز بالذات اور بالطبع بذات خود موثر نہیں۔ جب تک اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت نہ ہو۔ نیچری لوگ مادی اسباب وعلل کو موثر بالذات اور مستقل بالتاثیر سمجھتے ہیں اور ان کو قوانینِ قدرت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اپنے اسی زعم فاسد کی بنا پر انبیاء کرام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں قانون قدرت کے خلاف ہیں۔ ''**كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا**''(۱) اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے کہ بعض چیزوں کو بعض چیزوں

---

(۱) بڑی سنگین بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے۔ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔ (کہف/۵)

کے لئے سبب اور ذریعہ اور وسیلہ بنایا کہ ان اسباب و وسائل کے ذریعہ مسبب تک رسائی ہو سکے مگر وہ اسباب بذاتہا موثر نہیں بلکہ حقیقی موثر ارادہ خداوندی ہے۔

حق جل شانہ نے اپنی کمال قدرت وحکمت سے غذا کو قوت اور دفع بھوک کا سبب بنایا اور آگ کو جلانے اور پکانے کا سبب بنایا اور پانی کو سیرابی کا اور آگ بجھانے کا سبب بنایا عالم اسباب میں حق جل شانہ کی یہ سنت اور عادت ہے کہ اس نے اسباب اور مسببات کا ایک سلسلہ قائم فرمایا اور مسبب کو سبب کے ساتھ مربوط کر دیا۔ مگر سبب کے بعد مسبب کا ظہور، اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے، وہ اگر چاہے تو غذا بجائے قوت اور صحت کے مرض اور ضعف کا ذریعہ بن جائے ۔

از قضا سرکنگبیں صفر افزود روغن بادام خشکی می نمود[1]

جس طرح اشیاء عالم کا نفسِ وجود اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے اسی طرح اشیاء عالم کے خواص اور آثار اور ان کی تاثیر بھی اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے۔ آگ بالذات خود بخود کسی کو جلانے پر قادر نہیں جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے آگ بے شک ظاہر میں جلانے کا سبب ہے مگر وہ قطعی اور یقینی نہیں اللہ جب چاہے آگ کو بجھا دے اور اس کی حرارت کو سلب کر لے اور اگر چاہے تو آگ اپنے حال پر رہے مگر اس سے احتراق (جلانے) کی خاصیت سلب کر لے۔ پس جس خدا نے ان اجسام کو اور ان کی طبائع مختلفہ کو پیدا کر کے ان میں گونا گو افعال وخواص رکھے ہیں کیا وہی خدا اب ان طبیعتوں اور قوتوں کے افعال و اثار کو روکنے یا سلب کرنے پر قادر نہیں رہا۔ یہ طبیعتیں اور قوتیں بظاہر اثر کرتی ہیں مگر بالذات موثر نہیں اور نہ اپنی تاثیر میں آزاد اور خود مختار ہیں بلکہ اپنے خالق اور مالک کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہیں۔ ایک مخلوق دوسری مخلوق میں بالاستقلال موثر اور بالذات متصرف نہیں ہوسکتی۔ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ. وَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْد.

(۱) اللہ کے حکم سے شکنجبین سے صفرہ زیادہ ہوتا ہے (اور) روغنِ بادام سے خشکی ظاہر ہوتی ہے۔

عقیدۂ دوازدہم

اسماء وصفات خداوندی

قال اللہ تعالیٰ:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا.

اللہ تعالیٰ کے لئے اسماء حسنیٰ اور صفات علیٰ ہیں ان کے ذریعہ خدا تعالیٰ سے دعا مانگا کرو مثلاً یا اللہ اور یا رحمٰن اور یا غفار کہہ کر دعا مانگو اور یا ذات اور یا موجود اور یا شئی کہہ کر دعا مت مانگو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کو سوال اور دعا کا ذریعہ بناؤ خود تراشیدہ ناموں سے اللہ کو مت پکارو۔

اسماء حسنیٰ سے اللہ کے نام اور اوصاف مراد ہیں جو اس کی ذات پاک پر یا اس کی کسی صفت پر دلالت کریں۔ لفظ اللہ ذات خداوندی کا اسم علم اور اسم ذات ہے۔ جو اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور باقی اوصاف سب اس کے تابع ہیں اور بعثت نبوی سے پہلے عرف عرب میں لفظ اللہ ذات خداوندی کے لئے بولا جاتا تھا۔ شریعت نے اسی نام کو بحال رکھا۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور اس کے کمالات کی کوئی حد نہیں مگر اللہ پر صرف ان اسماء کا اطلاق درست ہے جو شرع شریف سے ثابت ہیں اور اہل شرک خدا کے لئے جو ایسی صفات ثابت کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں ان کے اطلاق اور استعمال سے پرہیز کریں اور اپنی رائے سے خدا کے ناموں اور اس کی صفتوں میں تغیر اور تبدل نہ کریں۔ ہر زبان میں ذات الٰہی کے لئے کچھ نام ہیں لیکن کفار اور مشرکین کی زبان میں جو نام مخصوص ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کو پکارنا نہ چاہیے مگر ان کی بے تعظیمی بھی نہ چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں یعنی صاحب شرع کے واقف کرانے اور بتلانے پر موقوف ہیں۔ شرع میں جس اسم کا اطلاق حق تعالیٰ کی ذات پر آیا ہے اس اسم کا اطلاق کرنا تو جائز ہے اور جس اسم کا اطلاق نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے اگرچہ اس میں معنی کمال کے پائے جاتے ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر جواد اور کریم کا اطلاق جائز ہے اس لئے کہ اس اسم کا اطلاق شرع

میں آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کو سخی کہنا جائز نہیں اس لئے کہ اس اسم کا اطلاق شرع میں نہیں آیا۔ لہٰذا ہم کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ کو ان ناموں سے پکاریں جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں اپنی رائے اور قیاس سے خدا کے نام تجویز نہ کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان للہ تسعة و تسعین اسما من احصاھا دخل الجنة

یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو محفوظ اور یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہوا۔

سو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات بے شمار ہیں لیکن یہ ننانوے نام تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیٰ کی اصل ہیں کہ دنیا میں عقل کے نزدیک جس قدر صفات کمال متصور ہوسکتی ہیں وہ سب انہی ننانویں اسماء حسنیٰ کے تحت درج ہیں اور یہ ننانوے اسماء حسنیٰ بے شمار صفات کمالیہ کے لئے بمنزلہ اصل کے ہیں اور تمام صفاتِ کمال کا خلاصہ اور اجمال ہیں اور حدیث میں احصار سے محض زبانی یاد کرلینا مراد نہیں بلکہ ان کو سمجھنا اور ان کے معانی پر اعتقاد رکھنا مراد ہے۔ یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ان تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیٰ کے ساتھ موصوف ہے تو جس شخص نے حق تعالیٰ کو تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف جانا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ اللہ کے ان ناموں کو یاد اور ان کا ورد کرے اور ان ناموں سے اللہ کو پکارے اور اپنی طرف سے اللہ کا نیا نام نہ مقرر کرے اگرچہ بظاہر عقل کے نزدیک اس کا اطلاق درست ہو یا اس کے معنی اللہ کے نام کے مطابق ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسماءِ حسنیٰ

ا۔ اللہ

معبود برحق اور موجود مطلق۔ یہ نام خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیر خدا پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ نہ حقیقۃً نہ مجازاً

۲۔ الرحمٰن

نہایت رحم والا۔

۳۔ الرحیم

بڑا مہربان۔

۴۔ الملک

بادشاہ حقیقی اپنی تدبیر اور تصرف میں مختارِ مطلق۔

۵۔ القدوس

تمام عیبوں اور برائیوں سے پاک اور منزہ، فضائل اور محاسن کا جامع اور معائب سے اور مخلوقات کی صفات سے معرا اور مبرا۔

۶۔ السلام

آفتوں اور عیبوں سے سالم اور سلامتی کا عطا کرنے والا بے عیب۔

۷۔ المؤمن

مخلوق کو آفتوں سے امن دینے والا اور امن کے سامان پیدا کرنے والا۔

۸۔ المھیمن

ہر چیز کا نگہبان اور پاسبان۔

۹۔ العزیز

عزت والا اور غلبہ والا کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس پر غلبہ پاسکتا ہے۔

۱۰۔ الجبار

جبر اور قہر والا۔ ٹوٹے ہوئے کا جوڑنے والا اور بگڑے ہوئے کا درست کرنے والا کوئی اسے مجبور نہیں کرسکتا۔

۱۱۔ المتکبر

انتہائی بلند اور برتر، یعنی بزرگ اور بے نیاز جس کے سامنے سب حقیر ہیں۔

مرا ورا رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

۱۲۔ الخالق

مشیت اور حکمت کے مطابق ٹھیک اندازہ کرنے والا اور اس کے مطابق پیدا کرنے

والا۔ اس نے ہر چیز کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی کسی کو چھوٹا اور کسی کو بڑا اور کسی کو انسان اور کسی کو حیوان، کسی کو پہاڑ اور کسی کو پتھر اور کسی کو مکھی اور کسی کو مچھر، ہر ایک کی ایک خاص مقدار مقرر کر دی۔

۱۳۔ البارئ

بلا کسی اصل کے اور بلا کسی خلل کے پیدا کرنے والا۔

۱۴۔ المصور

طرح طرح کی صورتیں بنانے والا کہ ہر صورت دوسری صورت سے جدا اور ممتاز ہے۔

۱۵۔ الغفار

بڑا بخشنے والا اور عیبوں کا چھپانے والا اور پردہ پوشی کرنے والا۔

۱۶۔ القہار

بڑا قہر اور غلبہ والا کہ جس کے سوا سب عاجز ہوں۔ ہر موجود اس کی قدرت کے سامنے مقہور اور عاجز ہے۔

۱۷۔ الوھاب

بغیر غرض کے اور بغیر عوض کے بخشنے والا۔ بندہ بھی کچھ بخش دیتا ہے مگر اس کی بخشش ناقص اور ناتمام ہے۔ بندہ کسی کو کچھ روپیہ پیسہ دے سکتا ہے مگر صحت اور عافیت نہیں دے سکتا۔

۱۸۔ الرزاق

روزی دینے والا اور روزی کا پیدا کرنے والا رزق اور مرزوق سب اسی کی مخلوق ہے۔

۱۹۔ الفتاح

رزق اور صحت کا دروازہ کھولنے والا اور مشکلات کی گرہ کھولنے والا۔

۲۰۔ العلیم

بہت جاننے والا جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوسکتی اس کا علم تمام کائنات کے ظاہر اور باطن کو محیط ہے۔

۲۱۔ القابض

تنگی کرنے والا۔

۲۲۔ الباسط

فراخی کرنے والا یعنی رزق حسی اور معنوی کی تنگی اور فراخی سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ کسی پر رزق کو فراخ کیا اور کسی پر تنگ کیا۔

۲۳۔ الخافض ۲۴۔ الرافع

پست کرنے والا، اور بلند کرنے والا۔ جس کو چاہے پست کرے اور جس کو چاہے بلند کرے۔

۲۵۔ المعز ۲۶۔ المذل

عزت دینے والا اور ذلت دینے والا جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔

۲۷۔ السمیع

بہت سننے والا۔

۲۸۔ البصیر

بہت دیکھنے والا۔

۲۹۔ الحکم

حکم کرنے والا اور فیصلہ کرنے والا کوئی اس کے فیصلہ کو رد نہیں کرسکتا اور نہ کوئی اس کے فیصلہ پر تبصرہ کرسکتا ہے۔

۳۰۔ العدل

انصاف کرنے والا، اس کی بارگاہ میں ظلم اور جور وستم عقلاً محال ہے۔

۳۱۔ اللطیف

باریک بین اور نیکی اور نرمی کرنے والا۔ ایسی خفی اور باریک چیزوں کا ادراک کرنے والا جہاں نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔

۳۲۔ الخبیر

بڑا ہی آگاہ اور باخبر ہے، ہر چیز کی حقیقت اور کنہ کو جانتا ہے۔ ہر چیز کی اس کو خبر ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز موجود ہو اور خدا کو اس کی خبر نہ ہو۔

۳۳۔ الحلیم

بڑا ہی بردبار۔ علانیہ نافرمانی بھی اس کو مجرمین کی فوری سزا پر آمادہ نہیں کرتی۔ گناہوں کی وجہ سے وہ رزق نہیں روکتا۔

۳۴۔ العظیم

بڑی ہی عظمت والا جس کے سامنے سب ہیچ ہیں اور کسی کی اس تک رسائی نہیں۔

۳۵۔الغفور

بہت بخشنے والا۔

۳۶۔الشکور

بڑا قدر دان۔تھوڑے عمل پر بڑا ثواب دینے والا۔

۳۷۔العلی

بلند مرتبہ کہ اس سے اوپر کسی کا مرتبہ نہیں۔

۳۸۔الکبیر

بہت بڑا کہ اس سے بڑا کوئی متصور نہیں۔

۳۹۔الحفیظ

نگہبان۔مخلوق کو آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے والا۔

۴۰۔المقیت[1]

مخلوق کو قوت یعنی غذا اور روزی دینے والا۔روح اور جسم دونوں کو روزی دینے والا۔

۴۱۔الحسیب

ہر حال میں کفایت کرنے والا یا قیامت کے دن بندوں سے حساب لینے والا۔

---

(۱) المغیث۔فریاد کو پہنچنے والا۔

۴۲۔ الجلیل

بزرگ قدر۔ یعنی کمال استغناء اور کمال تقدس اور کمال تنزیہ کے ساتھ موصوف ہے۔

۴۳۔ الکریم

کرم اور بخشش والا۔ بغیر سوال کے اور بغیر وسیلہ کے عطا کرنے والا۔

۴۴۔ الرقیب

نگہبان اور نگران کسی شے سے وہ غافل نہیں اور کوئی چیز اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

۴۵۔ المجیب

دعاؤں کا قبول کرنے والا۔ اور بندوں کی پکار کا جواب دینے والا۔

۴۶۔ الواسع

فراخ علم والا اور فراخ نعمت والا۔ جس کا علم اور جس کی نعمت تمام اشیاء کو محیط ہے۔

۴۷۔ الحکیم

حقائق اور اسرار کا جاننے والا جس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اور حکمت کے معنی کمال علم کے ساتھ فعل اور عمل کا عمدہ اور پختہ ہونا یعنی اس کی کار اور گفتار سب درست اور استوار ہے۔

۴۸۔ الودود

نیک بندوں کو دوست رکھنے والا خیر کو اور احسان کو پسند کرنے والا۔

۴۹۔ المجید

ذات اور صفات اور افعال میں بزرگ اور شریف۔

۵۰۔ الباعث

مُردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے والا اور سوتے ہوؤں کو بستروں سے جگانے والا۔

۵۱۔ الشہید

حاضر و ناظر اور ظاہر و باطن پر مطلع اور بعض کہتے ہیں کہ امور ظاہرہ کے جاننے والے کو شہید کہتے ہیں اور امور باطنہ کے جاننے والے کو خبیر کہتے ہیں اور مطلق جاننے والے کو علیم کہتے ہیں۔

۵۲۔ الحق

ثابت اور برحق یعنی جس کی خدائی اور شہنشاہی حق ہے اور اس کے سوا سب باطل اور ہیچ۔

۵۳۔ الوکیل

کارساز جس کی طرف کسی نے اپنا کام سپرد کر دیا ہو۔ وہ اس کا کام بنانے والا ہے۔

۵۴۔ القوی

غیر متناہی قوت والا یعنی توانا اور زور والا جس کو کبھی ضعف لاحق نہیں ہوتا۔

۵۵۔ المتین

استوار اور شدید القوت جس میں ضعف اور اضمحلال کا امکان نہیں اور اس کی قوت میں کوئی اس کا مقابل اور شریک نہیں۔

۵۶۔ الولی

مددگار اور دوست رکھنے والا یعنی اہلِ ایمان کا محبّ اور ناصر۔

۵۷۔ الحمید

سزاوارِ حمد و ثنا ذات وصفات اور افعال کے اعتبار سے ستودہ۔

۵۸۔ المحصی

کائناتِ عالم کی مقدار اور شمار کو جاننے والا۔ زمین کے ذرے اور بارش کے قطرے اور درختوں کے پتے اور انسانوں اور حیوانوں کے سانس سب اس کو معلوم ہیں۔

۵۹۔ المبدی

پہلی بار پیدا کرنے والا اور عدم سے وجود میں لانے والا۔

۶۰۔ المعید

دوبارہ پیدا کرنے والا۔ پہلی بار بھی اسی نے پیدا کیا اور قیامت کے دن بھی وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور معدومات کو دوبارہ ہستی کا لباس پہنائے گا۔

۶۱۔ المحیی

زندہ کرنے والا۔

۶۲۔ الممیت

مارنے والا جسمانی اور روحانی ظاہری اور باطنی موت اور حیات کا مالک جس نے ہر ایک کی موت اور حیات کا وقت اور اس کی مدت مقرر اور مقدر کر دی۔

۶۳۔ الحی

بذاتِ خود زندہ اور قائم بالذات جس کی حیات کو کبھی زوال نہیں۔

۶۴۔ القیوم

کائنات عالم کی ذات وصفات کا قائم رکھنے والا اور تھامنے والا یعنی تمام کائنات کا وجود اور ہستی اس کے سہارے سے قائم ہے۔

۶۵۔ الواجد

غنی اور بے پروا کہ کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، یا یہ معنی کہ اپنی مراد کو پانے والا جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے نہ کوئی اس سے چھوٹ سکتا ہے اور نہ کوئی اس تک پہنچ سکتا ہے۔

۶۶۔ الماجد

بڑی بزرگی والا، بزرگ مطلق۔

۶۷۔ الواحد

ایک کوئی اس کا شریک نہیں۔

۶۸۔ الاحد[1]

ذات وصفات میں یکتا اور یگانہ۔ یعنی بے مثال اور بے نظیر۔

---

(۱) احد کا لفظ ترمذی کی روایت میں اور بیہقی کی دعوات کبیر میں نہیں آیا ہے۔ البتہ ابن ماجہ کی روایت میں یہ لفظ آیا ہے۔ (دیکھو شرح کتاب الاذکار صفحہ ۱۱۵ جلد ۳)

۶۹۔ الصمد

سردار کامل۔ سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج۔ یعنی ذات وصفات کے اعتبار سے ایسا کامل مطلق کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔

۷۰۔ القادر

قدرت والا۔ اسے اپنے کام میں کسی آلہ کی ضرورت نہیں عجز اور لاچارگی سے پاک اور منزہ۔

۷۱۔ المقتدر

بذات خود کامل القدرت کسی چیز کے کرنے میں اسے دشواری نہیں اور کسی میں یہ قدرت نہیں کہ اس کی قدرت میں مزاحمت کر سکے۔

۷۲۔ المقدم ۷۳۔ الموخر

دوستوں کو آگے کرنے والا اور دشمنوں کو پیچھے کرنے والا۔

۷۴۔ الاول

سب سے پہلا۔

۷۵۔ الاخر

سب سے پچھلا۔ یعنی اس سے پہلے کوئی موجود نہ تھا اور اس کے سوا جو موجود ہوا اس کو اسی کی بارگاہ سے وجود ملا۔

۷۶۔الظاہر ۷۷۔الباطن

آشکار پوشیدہ

یعنی بلحاظ دلائل قدرت کے آشکارا ہے کہ ہر ذرہ اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے اور باعتبار کنہ اور حقیقت کے پوشیدہ ہے۔

۷۸۔الوالی

کارساز اور مالک اور تمام کاموں کا متولی اور منتظم۔

۷۹۔المتعالی

عالیشان اور بہت بلند اور برتر کہ جہاں تک کوئی نہ پہنچ سکے۔

۸۰۔البر

نیکی اور احسان کرنے والا، نیکوکار۔

۸۱۔التواب

توبہ قبول کرنے والا، اور توجہ کرنے والا۔

۸۲۔المنتقم

سرکشوں سے بدلہ لینے والا۔

۸۳۔العفو

گناہوں اور تقصیروں سے بڑا درگزر کرنے والا اور گناہوں کو مٹا دینے والا۔

۸۴۔ الرؤف

بڑا ہی مہربان جس کی رحمت کی غایت اور نہایت نہیں۔

۸۵۔ مالک الملک

خداوند جہان ملک کا مالک جس طرح چاہے تصرف کرے کوئی اس کے حکم اور تصرف کو نہ روک سکے۔

۸۶۔ ذوالجلال والاکرام

صاحب عظمت وجلال جس کا حکم جاری اور نافذ ہے اور اس کی اطاعت لازم ہے اور اپنے فرمانبردار بندوں کی تعظیم وتکریم کرنے والا اور ان کو عزت دینے والا اور ان پر کرم کرنے والا جس کے پاس جو عزت اور کرامت ہے وہ اسی کا عطیہ ہے۔

۸۷۔ المقسط

عادل اور منصف مظلوم کا ظالم سے بدلہ لیتا ہے۔

۸۸۔ الجامع

تمام متفرق چیزوں کو جمع کرنے والا جس نے اپنی قدرت وحکمت سے جسم انسانی اور حیوانی میں عناصر متضادہ کو جمع کر دیا۔

۸۹۔ الغنی

بے پرواہ سے کسی کی حاجت نہیں اور کوئی اس سے مستغنی نہیں۔

۹۰۔ المغنی

مخلوق کو بے پروا کرنے والا یعنی وہ خود بے نیاز ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے حسب حکمت و مصلحت اس کو بے پروا کر دیتا ہے اور بقدرِ ضرورت اس کو دے دیتا ہے۔

۹۱۔ المانع

روکنے والا اور باز رکھنے والا جس چیز کو وہ روک لے کوئی اس کو دے نہیں سکتا۔

۹۲۔ الضار ۹۳۔ النافع

ضرر پہنچانے والا نفع پہنچانے والا

یعنی نفع اور ضرر سب اس کے ہاتھ میں ہے۔ خیر و شر اور نفع و ضرر سب اس کی طرف سے ہے۔

۹۴۔ النور

وہ بذات خود ظاہر اور روشن ہے اور دوسروں کو ظاہر اور روشن کرنے والا ہے۔ نور اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو ظاہر بنفسہٖ ہو اور دوسرے کے لئے مظہر ہو۔ آسمان و زمین سب ظلمت عدم میں مستور تھے۔ اللہ نے ان کو عدم کی ظلمت سے نکال کر نور وجود عطا کیا جس سے سب ظاہر ہو گئے اس لئے وہ نور السموات والارض ہے ۔

در ظلمت عدم ہمہ بودیم بے خبر
نور وجود سر شہود از تو یافتیم!

۹۵۔ الھادی

راہ دکھانے والا اور بتلانے والا اور چلانے والا کہ یہ راہ سعادت ہے اور یہ راہ شقاوت ہے۔

۹۶۔ البدیع

بے مثال اور بے نمونہ عالم کا پیدا کرنے والا۔

۹۷۔ الباقی

ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا یعنی دائم الوجود جس کو کبھی فنا نہیں اور اس کے وجود کی کوئی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ ماضی کے اعتبار سے وہ قدیم ہے اور مستقبل کے لحاظ سے وہ باقی ہے ورنہ اس کی ذات کے لحاظ سے وہاں نہ ماضی ہے اور نہ مستقبل ہے اور وہ بذات خود باقی ہے اور جنت وجہنم کو جو دوام اور بقاء ہے وہ اس کے باقی رکھنے سے ہے اور بقاء اور ابقاء میں فرق ہے۔

۹۸۔ الوارث

تمام موجودات کے فنا ہو جانے کے بعد سب کا وارث اور مالک جب سارا عالم فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے گا تو وہ خود ہی فرمائے گا لِـمَنِ الْـمُلْکُ الْیَوْم اور خود ہی جواب دے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار۔

۹۹۔ الرشید

رہنمائے عالم یعنی دینی اور دنیوی مصلحتوں میں عالم کا رہنما اور اس کا ہر تصرف عین رشد اور عین صواب اور اس کی ہر تدبیر نہایت درست ہے۔

۱۰۰۔ الصبور

بڑا صبر کرنے والا کہ نافرمانوں کے پکڑنے اور سزا دینے میں اور دشمنوں سے انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ننانویں نام ہیں جن کے ساتھ اسم اللہ مل کر سو (۱۰۰) کا عدد پورا

سو جاتا ہے اور جنت کے سو درجے ہیں سو جو ان اسماء حسنیٰ کو یاد کرے اور ان کے معانی کو سمجھ کر دل میں یہ یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے اور ان ناموں کے ذریعہ سے اللہ کو یاد کرے اور ان کے ذریعے اپنی حاجتیں مانگے یعنی جو نام اس کی حاجت اور ضرورت کے مناسب ہو اس نام کے ذریعہ اللہ سے دعا کرے مثلاً جو روزی کا حاجت مند ہو وہ یارزاق کہہ کر دعا مانگے اور طالب علم دین یا علیم کہہ کر دعا مانگے اور گم گشتہ راہ یاہادی کہہ کر دعا مانگے وغیرہ وغیرہ۔ جو ایسا کرے گا وہ بہشت میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہ ننانویں نام ترمذی وغیرہ کی روایت میں آئے ہیں جن میں سے اکثر قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اللہ کے اسماء وصفات بے شمار ہیں مگر مشہور حدیثوں میں ان ننانویں ناموں کا ذکر آیا ہے۔ اس لئے ہم نے ان پر اکتفاء کیا کیونکہ یہ ننانویں نام تمام صفات کمالیہ کی اصل اور جڑ ہیں۔ باقی ان کے علاوہ اور بھی اللہ کے کچھ نام ہیں جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ مثلاً قاہر اور شاکر اور دائم اور قدیم اور وتر اور فاطر اور علام اور ملیک اور اکرم اور مدبر اور رفیع اور ذی الطول اور ذی المعارج اور ذی الفضل اور خلاق اور سید اور حنان اور منان اور دیان وغیرہ وغیرہ۔ دیکھو المقصد الاسنیٰ شرح اسماء اللہ الحسنیٰ صفحہ ۱۰۶ للامام الغزالی۔

اس لئے ہم نے ان ننانویں ناموں کی شرح پر اکتفا کیا کہ جو سلف صالحین میں بطور ورد معروف ومشہور ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ ان اسماء الحسنیٰ کو یاد کرے اور ان کو ورد اور وظیفہ بنائے۔ اور ان تمام اسماء حسنیٰ میں اسم اللہ، اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم (۲) ہے۔ جس کے ذریعہ دعا قبول ہوتی ہے اور اسم اللہ ذات واجب الوجود اور معبود برحق کا نام ہے اور یہ نام سوائے حق تعالیٰ کے کسی اور پر اطلاق نہیں کیا جاسکتا نہ حقیقۃً اور نہ مجازاً۔

حضرات اہل علم اگر اسماء حسنیٰ کی مزید تفصیل معلوم کرنا چاہیں تو امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات از صفحہ ۶ تا ۹۴ دیکھیں اور امام غزالی کی کتاب المقصد الاسنیٰ شرح اسماء اللہ الحسنیٰ اور شرح کتاب الاذکار از صفحہ ۱۹۹ تا ۲۲۶ جلد ۳ دیکھیں۔

---

(۱) الاسمآء الحسنی مائۃ علی عدد درج الجنۃ والذی بکمال المائۃ اللہ۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار صفحہ ۲۱۰ جلد ۳

(۲) اسم اعظم کی تفصیل کے لئے شرح حصن حصین اور شرح کتاب الاذکار دیکھیں۔ ۱۲

عقائد متعلقہ بہ ملائکہ کرام علیہم السلام

عقیدۂ اول

فرشتے اللہ کی بزرگ اور معصوم بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا کیا ہے اور ہماری نگاہوں سے ان کو پوشیدہ رکھا ہے ان کے اجسام نورانی ہیں۔ اللہ نے ان کو یہ قدرت دی ہے کہ جس شکل میں چاہیں ظاہر ہوں اور یہ مختلف صورتیں ان کے حق میں لباس کا حکم رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا لطیف اور نورانی بنایا ہے کہ ہمارے سامنے سے گزر جائیں اور ہم ان کو نہ دیکھیں۔ فرشتے چونکہ نور سے پیدا ہوئے ہیں تو وہ لطافت اور شفافیت کے وجہ سے نظر نہیں آتے جیسا کہ ہوا اور ایتھر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتے۔ سوائے انبیاء کے کوئی ان کو نہیں دیکھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اجسام لطیفہ بنایا ہے اور ان کو ایسے اعمال کی قدرت دی ہے جس سے انسانی قوتیں بالکل عاجز ہیں جیسے ہوا میں بڑے بڑے مکانوں اور درختوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا۔

کہربائی کرشمے آج دنیا کے سامنے ہیں کہ جو ہزاروں من کی چیز کو ایک دم میں اوپر اٹھا لے جاتے ہیں۔ جن کو ہزاروں آدمی مل کر حرکت بھی نہیں دے سکتے اور اسی کہربائی قوت سے ہزار ہا میل کی مسافت گھنٹوں میں طے ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ قدرت دی ہے کہ وہ منٹوں میں آسمان سے زمین پر اور زمین سے آسمان پر آ جا سکیں اور کسی بستی کو اٹھا کر زمین پر پٹک سکیں۔

عقیدۂ دوم

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نورانی مخلوق یعنی فرشتوں کو اپنے اور اپنے پیغمبروں کے درمیان سفیر بنایا تا کہ اللہ کے احکام اور اس کے پیغام اس کے پیغمبروں کو بلا کم وکاست پہنچائیں اور اس کے علاوہ اور دیگر امور پر ان کو مامور فرمایا جس چیز کا ان کو امر ہوتا ہے اس کو بجالاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہیں کھانے پینے اور پہننے سے اور توالد وتناسل سے پاک ہیں۔ وہ نہ زن ہیں اور نہ مرد ہیں۔

عقیدۂ سوم

فرشتوں کی بہت سی قسمیں ہیں بعض وہ ہیں کہ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں پر کتابیں اور صحیفے نازل کئے اور بعض وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے اعمال لکھنے پر مقرر کیا ہے جن کو کراماً کاتبین کہتے ہیں اور کچھ فرشتے وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قبض ارواح پر مقرر کیا ہے جن کے سردار عزرائیل ہیں اور بہت سے فرشتے ان کے اعوان اور مددگار ہیں۔

ان سب باتوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ضروریات دین میں سے ہے اور ان کا انکار بلاشبہ کفر ہے۔ فرشتوں کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ **وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ**۔ تمام فرشتوں میں چار فرشتے زیادہ مقرب اور مشہور ہیں:

۱۔ جبرائیل علیہ السلام: وحی اور الہام کا کام ان کے سپرد ہے۔
۲۔ میکائیل علیہ السلام: مخلوق کو روزی پہنچانا ان کے سپرد ہے۔
۳۔ اسرافیل علیہ السلام: قیامت کے دن صور پھونکنا ان کے سپرد ہے۔
۴۔ عزرائیل علیہ السلام: ارواح کا قبض کرنا ان کے سپرد ہے۔

عقیدۂ چہارم

کراماً کاتبین کا وجود حق ہے اور ان پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے ہر مکلّف کیلئے دو فرشتے مقرر کئے ہیں جو کبھی اس سے جدا نہیں ہوتے اور اس کے جملہ اقوال اور افعال کو لکھتے ہیں خواہ وہ خیر ہوں یا شر ہوں جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحَافِظِیْنَ کِرَاماً کَاتِبِیْنَ. [1] عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْد. مَایَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْد. [2]

اور کراماً کاتبین کے علاوہ ملائکہ حافظین کی ایک جماعت ہے جو بندوں کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں جو بندہ کی جنات اور دیگر موذیات سے حفاظت کرتے ہیں۔ دیکھو شرح عقیدہ سفارنیہ از صفحہ ۳۸۲ تا صفحہ ۳۸۸ و شرح اضاءۃ الدجنۃ صفحہ ۱۴۱

جنات

فرشتوں کی طرح جنات اور شیاطین بھی اللہ کی مخلوق ہیں جو آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔ **من مارج من نار من نار السموم**۔ انسانوں کی طرح جنات بھی احکام شریعت کے مکلّف ہیں بعض ان میں سے مومن ہیں اور بعض کافر ہیں اور جو ان میں سرکش ہیں ان کو شیاطین کہتے ہیں۔ جنات بعض چیزوں میں فرشتوں کے مشابہ ہیں۔ مثلاً مختلف شکلوں میں نمودار ہونا اور نظروں سے پوشیدہ رہنا اور بڑے بڑے کاموں پر قادر ہونا جس سے ہزاروں آدمی عاجز ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدن انسانی میں گھس جانے کی اور دل میں القاء کرنے اور وسوسہ ڈالنے کی قدرت عطا کی ہے۔

---

(۱) حالانکہ تم پر کچھ نگران مقرر ہیں، وہ معزز لکھنے والے۔ (انفطار/۱۰،۱۱)

(۲) ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے، انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا مگر اس پر ایک نگران مقرر ہوتا ہے، ہر وقت (لکھنے کے لئے) تیار۔ (ق/۱۷،۱۸)

عقیدۂ پنجم

جنات اور شیاطین اللہ کی ایک مخلوق ہیں جن کی خبر سے قرآن اور حدیث بھرا پڑا ہے۔ جس طرح فرشتوں کے وجود کا انکار کفر ہے اسی طرح جنات اور شیاطین کے وجود کا انکار کفر ہے۔ قرآن اور حدیث فرشتوں اور جنات اور شیاطین کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ لہٰذا فرشتوں اور جنات اور شیاطین کے وجود کا انکار قرآن کریم کی بے شمار آیات کا انکار ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ فرشتے اور جنات دونوں اللہ کی مخلوق ہیں اور موجود ہیں قرآن اور حدیث نے ان کے وجود کی خبر دی ہے لہٰذا ان کے وجود کو حق اور درست ماننا فرض ور لازم ہے اور ان کے وجود کا انکار کفر ہے۔

موجودہ فلاسفہ اور فرقہ نیچر یہ ملائکہ اور جنات کے وجود کا منکر ہے اور انکار کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کو نظر نہیں آتے۔ جواب یہ ہے کہ ایتھر جس کے آپ حضرات قائل ہیں تمام عالم میں بھرا ہوا ہے مگر وہ آپ کو نظر نہیں آتا اسی طرح عقلاً یہ بھی ممکن ہے کہ آسمان اور زمین میں بے شمار فرشتے اور جنات موجود ہوں اور ہم کو نظر نہ آتے ہوں اور ملاحدہ اور نیا چرہ یہ کہتے ہیں کہ ملائکہ سے قوائے ملکوتی انسانی مراد ہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ ملائکہ سے قوائے مدبرہ عالم مراد ہیں اور شیاطین سے انسان کے قوائے حیوانی نفسانی مراد ہیں اور ان دونوں قوتوں کی بے انتہا ذریات ہیں۔ جو ہر ایک قسم کی نیکی اور بدی ہیں اور وہی انسان کے فرشتے اور ان کی ذریات ہیں اور وہی انسان کے شیطان اور اس کی ذریات ہیں اور قرآن میں جو فرشتوں کا ذکر آیا ہے اس سے یہی قوائے انسانی ملکوتی مراد ہیں اور شیاطین سے انسان کے قوائے بہیمی مراد ہیں۔ یہ سب الحاد اور زندقہ ہے جس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لہٰذا ایمان کے لئے فرشتوں اور جنات کے وجود پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس بات پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ فرشتے اللہ کے معصوم بندے ہیں۔ اور اس کی نافرمانی سے معصوم ہیں اور جنات اللہ کی ایک مخلوق ہے جو انسانوں کی طرح احکام شریعت کی مکلف ہے۔

عقائد متعلقہ بہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام

عقیدۂ اول

انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے معصوم اور برگزیدہ بندے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ اور سفیر اور نائب بنا کر بندوں کی طرف بھیجا تاکہ خدا کے احکام بندوں کو پہنچائیں اور سعادت اور شقاوت کی راہ ان کو بتائیں تاکہ بندوں پر اللہ کی حجت قائم ہو اور بندوں کو اللہ کی اطاعت کی دعوت دیں اور جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے اس کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور جو ان کی دعوت کو قبول نہ کرے اس کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں، ان حضرات کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔

وحی:

اور بذریعہ فرشتے کے اللہ کا جو پیغام نبی پر نازل ہوتا ہے اس کو وحی کہتے ہیں۔ نیاچرہ کے نزدیک وحی کی حقیقت صرف ادراک وانکشاف علوم وحقائق ہے کہ جو بغیر تعلیم و تعلم کے اس کے قلب میں پیدا ہوتا ہے نیاچرہ فرشتوں کے وجود ہی کے قائل نہیں۔ تا بوحی چہ رسد۔ صابئین اور براہمہ یعنی برہمن لوگ انبیاء کی بعثت کے منکر ہیں اور اس کو بے سود اور بے کار بتلاتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے حصول کے لئے اور جوہر نفس کو شہوانی کدورتوں اور ظلمتوں سے پاک کرنے کے لئے عقل کافی ہے۔ اسلام یہ بتلاتا ہے کہ انبیاء کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے ان احکام سے آگاہ کریں جہاں عقل اور حس کی رسائی نہیں اور "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی"(1) کا بھولا ہوا

---

(۱) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا تھا کہ کیوں نہیں۔ (اعراف/۱۷۲)

سبق ان کو یاد دلائیں اور ان کو معاش اور معاد کے احکام بتلائیں اور ان کی روحانی اور باطنی بیماریوں کا علاج کریں اور ان کے نفوس کا تزکیہ کریں۔ انبیاء کرام روحانی طبیب ہیں روحانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ بنی نوع انسان، جسمانی طبیب کی اتنی محتاج نہیں جتنا کہ روحانی طبیب کی محتاج ہے اور جیسے طبیب کی صداقت اور حذاقت تجربہ سے معلوم ہوتی ہے۔ ایسے ہی انبیاء کی صداقت اور حقانیت ان کے عجیب وغریب تزکیہ اور تربیت کے مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہے جس طرح کوئی شخص بغیر طبیب کے خود اپنا علاج نہیں کرسکتا، اور اپنی عقل سے یہ معلوم نہیں کرسکتا کہ کونسی دوا میرے لئے مفید ہوگی۔

غرض یہ کہ کوئی مریض بغیر طبیب کی رہنمائی کے خود اپنا علاج نہیں کرسکتا۔ اسی طرح روحانی مریض بغیر طبیب روحانی کے خود اپنے باطنی امراض کا علاج نہیں کرسکتا۔ جسمانی طبیب مریض کو یہ بتلاتا ہے کہ سم الفار (سنکھیہ) مہلک ہے مگر عقلی طور پر اس کی وجہ نہیں بتاسکتا کہ سم الفار (سنکھیہ) میں ہلاک کرنے کی تاثیر اور خاصیت کیوں رکھی گئی۔ اسی طرح نبی اور رسول اللہ کے حکم سے یہ بتلاتا ہے کہ کفر اور شرک روح کے لئے مہلک ہے اور کفر اور شرک روح کے ہلاک کرنے میں سم الفار کا حکم رکھتا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ تکبر اور حسد اور حرص اور طمع اور بدکاری اور بے حیائی وغیرہ وغیرہ اس قسم کی چیزیں روح کو ہلاک کرنے والی ہیں مگر اس بات کے سمجھانے سے قاصر ہے کہ کفر اور شرک اور فواحش اور منکرات کے ارتکاب سے روح کیوں اور کس طرح ہلاک ہوتی ہے۔ انبیاء کا اصل مقصود سعادت اور شقاوت کو سمجھا دینا ہے اور یہ بتلا دینا ہے کہ منزل مقصود آخرت ہے اور یہ دنیا رہ گزر ہے۔

محض عقل سے تو دنیا کا راستہ بھی نظر نہیں آتا آخرت کا راستہ محض عقل سے کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اہل اسلام کے نزدیک نبوت ورسالت ایک خاص منصب کا نام ہے جو من جانب اللہ کسی خاص برگزیدہ بندہ کو عطا ہوتا ہے اور وہ بندہ احکام الٰہی کی تبلیغ پر مامور ہوتا ہے اور نیاچرہ کا مذہب یہ ہے کہ نبوت صرف کمال قوت قدسیہ علمیہ وعملیہ کا نام ہے۔ من جانب اللہ کسی عہدہ اور منصب کا نام نہیں یہ عقیدہ صریح کفر ہے۔

انبیاء ورسل کی تعداد

انبیاء ورسل بہت ہوئے ہیں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کل انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتے ہیں جن میں سے تین سو تیرہ رسول ہیں سب پر ایمان لانا فرض ہے اور ان میں تفریق کرنا یعنی بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا کفر ہے۔

عقیدۂ دوم

تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نبوت ورسالت محض ایک وہبی منصب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے کوئی کسبی اور اختیاری چیز نہیں کہ مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہو جائے جیسا کہ بعض فلاسفہ کا خیال ہے اور علی ہذا اس پر بھی امت کا اتفاق ہے کہ جن کو حق جل شانہ نے نبوت ورسالت کا منصب عطا فرمایا، وہ کبھی اپنے منصب سے معزول نہیں ہوئے۔ زمانہ حال کے بعض مصنفین کا خیال ہے کہ ترقی کا سلسلہ خود نوع انسان میں قائم ہے یہاں تک قوائے عقلیہ صفائی باطن اور پاکیزہ خوئی میں ترقی کرتے کرتے انسان ملکوتیت کی حد تک پہنچ جاتا ہے یہی مرتبہ ہے جس کو ہم نبوت اور رسالت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دیکھو علم الکلام مصنفہ شبلی صفحہ ۱۴۲ و صفحہ ۱۴۳

غرض یہ کہ علامہ شبلی کے نزدیک نبوت کی حقیقت قوت قدسیہ کا کامل ہونا ہے یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی خاص بندہ کو پیغام رسانی کے لئے مامور فرمائیں۔ اور کسی منصب پر اس کو فائز کریں۔

عقیدۂ سوم

تمام انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے معصوم بندے تھے۔ صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور منزہ تھے۔ انبیاء اور مرسلین کے لئے عصمت اور امانت اور صداقت لازم ہے عصمت کے معنی ظاہر و باطن کا معصیت سے پاک ہونا ہے اور امانت کے معنی خیانت سے پاک ہونے کے

ہیں۔ انبیاء کرام سرتاپا صداقت وامانت اور سرتاپا اطاعت ہوتے ہیں۔ خدا کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں یعنی قصداً ان سے کبھی کوئی خطا صادر نہیں ہوتی خدا تعالیٰ نے مخلوق کو بے چون و چرا ان کی اطاعت اور متابعت کا حکم دیا اوران کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اگر وہ معصوم نہ ہوتے تو اس طرح ان کی اطاعت اور متابعت کا حکم نہ ہوتا اوران کی متابعت کو دائمی نجات کا ذریعہ نہ قرار دیا جاتا۔

عقیدۂ چہارم

انبیاء کرام سے وحی الٰہی اور تبلیغ احکام میں خطا اور سہو اور نسیان کا واقع ہونا محال ہے ورنہ دین اور شریعت سب مشکوک ہو جائے اور وحی الٰہی سے اطمینان اٹھ جائے۔ البتہ بعض اوقات بمقتضائے بشریت نبی کو ذاتی فعل میں سہو ونسیان کا لاحق ہو جانا ممکن ہے۔ مثلاً آنحضرت ﷺ کو ایک مرتبہ نماز میں سہو پیش آیا۔ اور ایک مرتبہ سفر میں غلبہ نیند کی وجہ سے نماز قضا ہو گئی۔ سو یہ سہو بر بنائے غفلت نہ تھا بلکہ من جانب اللہ تھا تا کہ امت کو سجدہ سہو اور قضاء فائتہ کا حکم معلوم ہو جائے۔ غرض یہ کہ پیغمبر خدا کا سہو ونسیان بھی رحمت ہے اس لئے کہ یہ سہو تشریع احکام کا ذریعہ ہے۔

عقیدۂ پنجم

تمام انبیاء میں سب سے پہلے نبی اور پہلے رسول ہمارے جد محترم حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ خود اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی خاص روح ان میں پھونکی اور بالمشافہ ان سے کلام اور خطاب فرمایا اور مسجود ملائکہ بنایا جیسا کہ ابوذر غفاری کی حدیث میں آیا ہے اور سب سے آخری نبی اور آخری رسول ہمارے نبی اکرم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کا دین اور آپ کی شریعت تمام گذشتہ دینوں اور شریعتوں کی ناسخ ہے اور آپ کی کتاب آخری کتاب ہے اور تمام گذشتہ کتابوں اور صحیفوں سے بہتر ہے۔ اور توریت اور انجیل اور زبور اور تمام صحف سماویہ کی ناسخ ہے۔ کتب منزلہ میں سب سے افضل و اکمل قرآن کریم ہے اور پھر توریت اور پھر انجیل اور پھر زبور۔

اللہ تعالیٰ نے رسالت اور نبوت کو محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم کر دیا اور آپ کی شریعت سے تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور آپ کی شریعت کو قیامت تک غیر منسوخ ٹھہرایا۔

عقیدۂ ششم

انبیاء کرام کے معجزات حق ہیں اور ان کی نبوت کی دلیل اور برہان ہیں ان پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کا انکار کفر ہے۔ انبیاء کرام چونکہ صورت کے اعتبار سے انسان ہوتے ہیں اور صورت ظاہری کے اعتبار سے ان میں اور دوسرے انسانوں میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو معجزہ دے کر بھیجتا ہے یعنی ان سے ایسے امور کا صدور ہوتا ہے کہ جو قوت بشریہ کے حدود سے خارج ہوتے ہیں تاکہ یہ معجزات ان کی صداقت اور حقانیت کی دلیل ہوں اور لوگ ان خارقِ عادات امور کو دیکھ کر جن پر سوائے اللہ کے کسی کو قدرت نہیں اور ساری دنیا اس کے مقابلہ سے عاجز ہو ایسے امور کو دیکھ کر سمجھ جائیں کہ یہ لوگ فرستادگان ہیں اور سچے اور راستباز ہیں اور ظاہری صورت میں اگرچہ ہمارے مشابہ اور ہمشکل ہیں مگر حقیقت اور باطن میں ہم سے جدا اور ممتاز ہیں عاقل اور غافل میں صورت اور شکل کے اعتبار سے فرق نہیں ہوتا مگر اندرونی حقیقت دونوں کی بالکل مختلف اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی ہے اسی طرح انبیاء کرام قوت روحانیہ کے اعتبار سے جدا اور ممتاز ہوتے ہیں لیکن یہ امتیاز ظاہر طور پر ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ انبیاء کو معجزات عطا کرتا ہے تاکہ ان میں اور دوسروں میں ظاہری طور پر بھی امتیاز ہو جائے اور لوگوں پر ان کا کمال اور تفوق ظاہر ہو جائے، اور یہ ظاہری امتیاز اور تفوق ان کی صداقت کی حسی دلیل بنے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَذٰنِکَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَّبِّکَ

اے موسیٰ! یہ عصا اور ید بیضا کے دو معجزے تیری نبوت کی دو روشن دلیلیں ہیں جو تجھ کو تیرے پروردگار کی طرف عطا کی گئیں تاکہ تیری اس شان امتیازی کو دیکھ کر لوگ سمجھ جائیں کہ خدا تعالیٰ کے یہاں اس شخص کا خاص مقام ہے۔

اور معجزہ اس فعل الٰہی کو کہتے ہیں کہ جو خلاف دستور اور خلاف عادت بلا سبب ظاہری

من جانب اللہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور لوگ اس کو دیکھ کر یہ سمجھ جائیں کہ جس کے ہاتھ پر یہ کرشمہ خداوندی ظاہر ہو رہا ہے وہ خدا کا مقبول اور برگزیدہ بندہ ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے اور خدا تعالیٰ کے یہاں اس شخص کا خاص مقام اور خاص مرتبہ ہے لہٰذا اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے اور وہ جو کہے اسے بے چون و چرا مان لینا چاہئے۔ اس لئے کہ وہ فرستادہ خداوندی ہے بادشاہ اگر کسی کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجتا ہے تو اس کو خاص نشانی دے کر بھیجتا ہے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ یہ بادشاہ کا ایلچی ہے۔ اسی طرح معجزات خدائی نشانیاں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ کہ جن کے ہاتھ پر خدا کی یہ نشانیاں ظاہر ہو رہی ہیں وہ خدا کے ایلچی ہیں اور خدا کے خاص اور مخصوص بندے ہیں جن کے ساتھ حق تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے ہماری اس تقریر سے ملاحدہ کے اس وسوسہ کا جواب ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ نبوت اور معجزہ میں کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ جواب یہ ہو گیا کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے۔ دلیل اور مدلول میں جو تعلق ہے وہی تعلق معجزہ اور نبوت میں ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللهُ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ.

یعنی رسول لوگوں کے پاس اپنی نبوت کی کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ مگر پھر بھی ان لوگوں نے نہ مانا تو اللہ نے ان کو سخت پکڑا اور اللہ قوی اور سخت عذاب والا ہے۔

حق تعالیٰ نے جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ ہماری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْکَ بِاٰیٰتِیْ۔[1] چنانچہ جب وہ فرعون کے پاس گئے تو کہا کہ ہم خدا کی طرف سے آئے ہیں اور اس کی نشانیاں ہمارے ساتھ موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے قَدْ جِئْتُکَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ۔ اور دوسری جگہ ہے

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ.

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں دیں اور ان کی نشانیوں کو دیکھ کر جادوگر مسلمان ہو گئے۔

---

(۱) تم اور تمہارے بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ۔ (طٰہٰ/۴۲)

عقلاء اور اہل انصاف خوارق عادات اور معجزات کو دیکھ کر یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ان امور کا ظہور بغیر تائید الٰہی کے ممکن نہیں اور یہ شخص اللہ کا مقبول اور معتمد علیہ بندہ ہے اور صادق اور امین ہے۔ لہٰذا یہ شخص خدا کی طرف سے جو احکام پہنچائے خواہ وہ معاد سے متعلق ہوں یا معاش سے ان کو قبول کر لینا چاہئے۔ ان خوارق عادات امور کو دیکھ کر تہہ دل سے لوگوں کو ان کے صدق کا یقین ہو گیا۔

چنانچہ جن لوگوں میں ذرا بھی سلامتی تھی انہوں نے انبیاء کی دعوت کو قبول کیا اور جن لوگوں کے دلوں میں زیغ اور عناد تھا انہوں نے انبیاء کرام کی دعوت کو رد کیا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو رسول بنا کر بھیجا اس کو کوئی خاص نشان بھی دیا جو اس کی نبوت کی نشانی اور دلیل اور برہان بنے۔ اور جو لوگ باوجود ان نشانات کے دیکھنے کے پھر بھی ایمان نہ لائے ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور علیٰ ہٰذا کل انبیاء کو جو نشانیاں دی گئیں وہ سب واضح اور روشن تھیں ان کی نبوت کی دلیل اور برہان تھیں۔ کما قال تعالیٰ:

فَلَمَّا جَآءَ تْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا.

یعنی جب ان کے پاس ہمارے روشن نشانیاں آئیں جن کو دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں، تو معاندین زبان سے یہ کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے لیکن ان کے دل یقین کر چکے تھے مگر انہوں نے ظلم اور تکبر کی بناء پر ان کو نہ مانا۔

بہر حال سارا قرآن اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ معجزات انبیاء کی صداقت کی نشانیاں تھیں اور ان کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین تھے لہٰذا کسی (۱) کا یہ کہنا کہ

---

(۱) یہ سرسید کی طرف اشارہ ہے جس نے اپنی تفسیر القرآن میں لکھا ہے کہ معجزات سے رسالت ثابت نہیں ہو سکتی اور علامہ شبلی نے بھی الکلام صفحہ ۲۷ میں ایسا ہی لکھا ہے کہ لاٹھی کو سانپ بنا دینے سے پیغمبری کو کیا تعلق۔ مرزا قادیانی بھی معجزات کا منکر ہے۔ اور جب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو معجزات سے سبکدوشی حاصل کرنے کی یہ تدبیر نکالی کہ قرآن میں جو انبیاء کے معجزات مذکور ہیں وہ درحقیقت معجزات نہ تھے بلکہ مسمریزم تھا اور میں اس عمل کو حقیر سمجھتا ہوں ورنہ اعجوبہ نمائیوں میں میں عیسیٰ بن مریم سے کم نہ رہتا۔۱۲

معجزات سے نبوت و رسالت ثابت نہیں ہوسکتی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قوم عاد اور قوم ثمود کے کافر پیغمبروں کی نشانیوں کو دیکھ کر کہا کرتے تھے۔

سلاطین عالم جب کسی کو اپنے تقرب کے لئے منتخب کرتے ہیں تو ان کو عزت و کرامت کے وہ نشانات عطا کرتے ہیں جو دوسروں کے حوصلہ تمنا سے خارج ہوتے ہیں۔ اسی طرح حق جل شانہ جب کسی کو منصب نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں تو ان کو خاص خاص نشانات عطا ہوتے ہیں جس سے وہ تمام عالم میں ممتاز[1] ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات سلطنت کے خاص خاص اسرار پر ان کو مطلع کیا جاتا ہے جس پر دوسروں کا مطلع ہونا ناممکن ہے۔

تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ.[2]

منکرین معجزات کا رد

فلاسفہ اور ملاحدہ عصر انبیاء کرام کے معجزات کے قائل نہیں یہ لوگ خوارق عادات اور معجزات کو محال اور ناممکن بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء قانون فطرت (نیچر) کے خلاف ہیں۔ معلوم نہیں کہ جس قانون فطرت کا یہ لوگ نام لیتے ہیں کہ وہ کونسا قانون ہے اور اس کے کیا اصول ہیں۔ کیا کسی آسمانی یا زمینی کتاب کا کوئی نسخہ ان کو لندن یا فرانس کی لائبریری میں مل گیا ہے جس میں فطرت اور قدرت کے قوانین کا بالتفصیل ذکر ہے جس کی بنا پر یہ ملاحدہ معجزات کا انکار کرتے ہیں اور اگر ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی اسی عام عادت کا نام قانون قدرت رکھا ہے تو ان کو چاہئے کہ یہ ثابت کریں کہ عادت مستمرہ کے خلاف خدا تعالیٰ کوئی کام نہیں کرسکتا۔ مثلاً عام عادت یہ ہے کہ مرد اور عورت کے اختلاط

(۱) علامہ شبلی کا خیال یہ ہے کہ نبی میں کوئی صفت ایسی نہیں ہوتی جو بشریت سے بالاتر ہو۔ دیکھو الکلام صفحہ ۸۴

(۲) (اے پیغمبر!) یہ غیب کی کچھ باتیں ہیں جو ہم تمہیں وحی کے ذریعہ بتا رہے ہیں، یہ باتیں نہ تم اس سے پہلے جانتے تھے نہ تمہاری قوم، لہٰذا صبر سے کام لو اور آخری انجام متقیوں ہی کے حق میں ہوگا۔ (ہود/۴۹)

سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو کیا اس عام طریقہ کے خلاف ولادت عقلاً محال اور ناممکن ہے۔ آئے دن عالم میں ایسے عجیب وغریب امور ظاہر ہوتے رہتے ہیں کہ جو عام عادت کے خلاف ہوتے ہیں اور عالم میں ہزارہا ایسی چیزیں ان فلاسفہ کے سامنے موجود ہیں کہ جن کی عظمت اور غرابت پر نظر کرنے سے معجزات کے بارہ میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ سکتا اس لئے کہ اگر معجزات قانون فطرت کے خلاف ہیں تو اس فلسفی کے جسم میں سر سے پیر تک ایسے عجائبِ قدرت نظر آئیں گے جو اس کے مذہب پر قانونِ فطرت (نیچر) کے خلاف ہوں گے۔

انبیاء کرام کے لئے معجزات اور خوارقِ عادات کا وجود اور ثبوت اخبار متواترہ سے ثابت ہے اور جس چیز کا وجود اور وقوع خبر متواتر سے ثابت ہو عقلاً اس کا انکار کسی طرح درست نہیں۔

قرآن کریم انبیاء کرام کے معجزات کی خبروں سے بھرا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب کبھی کوئی رسول بھیجا تو اس کی تائید اور تصدیق کے لئے اس کو معجزات عطا کیے تاکہ وہ اس کے دعوے کی صداقت کی دلیل ہوں اور قرآن کریم میں ان معجزات کو آیات بینات یعنی روشن دلیلیں اور آیۃ مبصرہ فرمایا کہ جس کو دیکھ کر آنکھ کو یقین آجائے۔

فلاسفہ اور ملاحدہ ان معجزات کو محال سمجھ کر ان کا انکار کرتے ہیں لیکن اگر ذرا عقل سے کام لیں تو ان پر واضح ہوجائے کہ کوئی معجزہ عقلاً ناممکن اور محال نہیں۔ البتہ عجیب و غریب ضرور ہے معجزات بندہ کی قدرت کے اعتبار سے اگرچہ محال ہیں مگر خدا تعالیٰ کی قدرت کے اعتبار سے محال نہیں۔ تمام کائنات اللہ کی مخلوق ہیں جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے۔ کسی مادہ اور طبیعت اور فطرت کی اور کسی نیچر اور ایتھر کی یہ مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرکشی کرسکے۔ دنیا میں جو بھی قانون فطرت ہے وہ خدا ہی کا بنایا ہوا ہے خدا اس کے توڑنے اور اس کے خلاف کرنے پر ہر حال میں قادر ہے۔ مثلاً

(۱) مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے سمندر پھٹ گیا اور اس میں بارہ راستے ہوگئے اور بنی اسرائیل ان راستوں سے گزر گئے۔ بعد ازاں فرعون اور اس کا لشکر جب بنی اسرائیل کے تعاقب میں پہنچا اور سمندر کے اندر داخل ہوا تو سمندر کا پانی ہر طرف سے مل گیا اور فرعون اور اس کا لشکر ڈوب

گیا۔ پس سمندر کے پانی کا اس طرح پھٹ جانا اور پھر اس کا مل جانا عقلاً جائز اور ممکن ہے جس کے ماننے سے عقلاً کوئی محال لازم نہیں آتا اس لئے کہ پانی بھی عام اجسام کے طرح قابل انقسام ہے اور اس کے اجزاء میں باہمی اتصال اور انفصال کی استعداد موجود ہے جیسے بڑے بڑے دریا موسم سرما میں منجمد ہو جاتے ہیں اور حیوانات اس پر سے گذرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا اگر اللہ کی قدرت سے موسیٰ علیہ السلام کے لئے کچھ دیر کے لئے سمندر پھٹ جائے اور اس کا پانی تھم جائے تو عقلاً کوئی محال نہیں۔ دریاؤں کے پانیوں کا انجماد اور ان کی سیلانی کوئی محال چیز نہیں۔ دنیا اس کا مشاہدہ کرتی ہے پس اگر خدا کی قدرت سے کسی دریا کا پانی کسی برگزیدہ بندہ کے لئے کسی خاص ہیئت پر منجمد ہو جائے تو عقلاً محال نہیں۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل میثاق پر کسی طرح راضی نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو ان کے سروں پر معلق کر دیا۔ کما قال تعالیٰ ''ورفعنا فوقکم الطور '' جسے دیکھ کر بنی اسرائیل فوراً میثاق پر راضی ہو گئے۔

بظاہر یہ محال معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت محال نہیں اس لئے کہ جو خدا اپنی قدرت سے آسمان جیسے عظیم جسم کو بلند کر سکتا ہے اسے کوہِ طور کا بلند کرنا کیا مشکل ہے۔ پہاڑ آسمان سے زیادہ تو بڑا نہیں۔

(۳) نیز قرآن کریم میں ہے کہ ساحران فرعون کے مقابلہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا بنا دیا جو ساحروں کی رسیوں کو نگل گیا۔ سو یہ بھی محال نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ کسی جماد (عصا) کو بغیر اسباب عادیہ کے ایسا حیوان بنا دے کہ جو تمام رسیوں اور لکڑیوں کو دفعۃً نگل جائے اور ڈکار بھی نہ لے۔ جادوگروں کے سامنے جب عصا کا معجزہ ظاہر ہوا تو تمام جادوگر سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ کرشمہ قدرت ہے جو منجانب اللہ موسیٰ علیہ السلام کے تصدیق کے لئے ظاہر ہوا ہے۔

(۴) اور علی ہذا سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کا اور جنات کا مسخر ہونا عقلاً ممکن ہے آخر

جنات اور ہوا سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کے حکم کے تابع ہیں اور علی ہذا ہدہد کا اور چیونٹی کا سلیمان علیہ السلام سے کلام کرنا بھی خلاف عقل نہیں خدا تعالیٰ ہر جسم میں گویائی پیدا کرنے پر قادر ہے۔

(۵) اور علی ہذا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتی کا معجزہ عطا کیا سو وہ بھی عقلاً جائز اور ممکن ہے اگر چہ عادۃً ممکن نہ ہو اس لئے کہ جو خدا جماد کو حیوان بنا سکتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کو اژدہا کو بنا سکتا ہے اور ایک جماد کو جسم حیوانی اور شعور حیوانی عطا کرنے پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ جو روح بدن سے پرواز کر گئی ہو دوبارہ اس کو پہلے بدن میں واپس کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے معجزات اپنے پیغمبروں کو ان کے دعوائے رسالت کی تائید کے لئے عطا فرمائے اور جو شخص خدا پر اور اس کی قدرت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ ان معجزات پر بھی ایمان لائے اور ان کے تسلیم کرنے میں پس و پیش نہ کرے۔ منکرین معجزات کا گروہ یہ کہتا ہے کہ خوارق عادات اور معجزات اور کرامات قانون قدرت کے خلاف ہیں اور یہ آیت بھی پڑھ دیتے ہیں:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا.

یہ بے شک درست ہے کہ خدا کی سنت کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

لیکن آپ یہ بتلائیں کہ آپ کو سنت الٰہیہ اور قانون فطرت کا علم کیسے ہوا اور کہاں سے ہوا اور کس طرح ہوا ذرا اس کی تشریح فرمائیں اس آسمانی یا زمینی کتاب کا پتہ دیں جس میں قوانین فطرت کو بیان کیا گیا ہو نیز یہ بتلائیں کہ کیا خدا تعالیٰ خود بھی اپنی سنت اور عادت کے بدلنے پر قادر نہیں اور یہ بتلائیں کہ کیا سنتِ الٰہیہ اور قانون فطرت خدا کے دوستوں اور دشمنوں کے لئے یکساں ہے یا کچھ فرق ہے۔ یہ منکرین خوارق اپنی عادت اور خدا کی عادت میں فرق نہیں کرتے بلکہ ظاہری اسباب کو دیکھ کر اپنے دل میں ایک قانون مستنبط کر لیتے ہیں اور اس کو عادت الٰہیہ سمجھنے لگتے ہیں اور دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ یہی قانون قدرت ہے اور یہی سنت اللہ ہے اور اس کے خلاف ہونا ناممکن اور محال ہے حالانکہ اس کے محال ہونے پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ یہ سب آپ کے خیالی پلاؤ ہے قدرت خداوندی اور سنت الٰہیہ

کسی کو معلوم نہیں اور نہ ہوسکتا ہے ۔

اوست سلطان آنچہ خواہد می کند

عقیدۂ ہفتم

سرور کائنات خلاصہ موجودات محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ خدا کے رسول برحق ہیں جن کو خدا نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ ان کے دن کو تمام دینوں پر غالب کردے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

دلائل نبوت اور براہین رسالت محمد ﷺ

اور معجزات سے آپ کی تائید فرمائی تاکہ لوگ ان خوارق عادات اور غیبی کرامات کو دیکھ کر آپ کی نبوت کے شواہد اور آپ کی رسالت کے براہین سمجھیں اور یقین کریں کہ یہ شخص خدا کا فرستادہ اور اس کا برگزیدہ بندہ ہے اور آپ پر ایمان لائیں چنانچہ قریش کی فرمائش پر آپ کے ہاتھ کے اشارہ سے چاند شق ہوگیا اور مثلاً پتھر نے آپ کو سلام کیا اور اونٹ نے آپ سے کلام کیا اور آپ کے دست مبارک میں سنگریزوں نے تسبیح پڑھی اور آپ کے دسترخوان پر طعام نے تسبیح پڑھی اور آپ کی دعا سے مینہ برسا اور آپ کے لعاب دہن کی برکت سے پانی میں اس قدر برکت ہوئی کہ لشکر عظیم سیراب ہوگیا اور آپ کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اور اس قسم کے بے شمار معجزات آپ ﷺ سے صادر ہوئے۔ تفصیل کے لئے اتحاف شرح احیاء العلوم صفحہ ۲۰۳ تا صفحہ ۲۱۲ جلد ۲ دیکھیں۔

آنحضرت ﷺ کے ان معجزات میں سے جو قرآن کریم اور حدیث متواتر سے ثابت ہیں وہ معجزہ شق قمر اور معجزہ معراج ہے یہ دونوں معجزے مشہور و معروف ہیں ان پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کا انکار کفر ہے اور ان میں تاویل کرنا گمراہی ہے جس میں اندیشہ کفر کا ہے اس لئے کہ یہ دونوں معجزے ایسے نصوص صریحہ سے ثابت ہیں جس میں تاویل کی گنجائش نہیں ۔ موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے دریا شق ہوگیا اور آنحضرت ﷺ کے انگلی کے اشارہ سے چاند شق ہوگیا۔ انفلاق بحر کا معجزہ زمین پر ظاہر ہوا اور شق قمر کا معجزہ

آسمان پر ظاہر ہوا۔ ان دونوں معجزوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ آسمان اور زمین میں فرق ہے۔ اس قسم کے معجزات کو دیکھ کر لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص ملہم من اللہ ہے اور تائید غیبی اس کے ساتھ ہے۔ سارا عالم مل کر بھی اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

حق جل شانہ نے آپ کو بے شمار معجزات عطا کئے جن کی تفصیل کتب حدیث و سیرت سے معلوم ہو سکتی ہے اور منجملہ معجزات کے قرآن کریم اور آپ کی شریعت مطہرہ خود ایک مستقل اور بڑا معجزہ ہے فصحاء عرب نے جب قرآن سنا تو سمجھ گئے کہ اس کی فصاحت و بلاغت اتنی بلند ہے کہ انسانی فہم اور ادراک وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور معنوی طور پر یہ دیکھا کہ یہ (۱) قرآن صحیح صحیح نظریات کی دعوت دیتا ہے اور دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے ان کو ثابت کرتا ہے اور وہمیات کو باطل کرتا ہے اور (۲) مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تلقین کرتا ہے اور (۳) سیاست ملکیہ اور منزلیہ اور معاش اور معاد کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔

اور ایسی ہدایات دیتا ہے کہ جہاں عقل کی رسائی نہیں حالانکہ یہ شخص امی ہے معلوم ہوا کہ یہ کلام اور پیغام خود اس کا کلام نہیں بلکہ یہ اس خدا کا کلام ہے جس نے اس کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے لوگوں نے دیکھا کہ یہ شخص امی ہے لکھنا پڑھنا نہیں جانتا مگر اس کی زبان علم وحکمت کا چشمہ بنی ہوئی ہے۔ اس کے پاس نہ مال و دولت ہے اور نہ قوت و طاقت خود اس کا خاندان بھی اس کا دشمن بنا ہوا ہے مگر جو شخص اس کے پاس پہنچ جاتا ہے تو اس کا رنگ ہی بدل جاتا ہے جو پہلے خون کا پیاسا تھا اب وہ عاشق زار بن گیا۔ جو پہلے کندہ ناتراش تھا وہ حکیم و فلسفی بن گیا۔ جو پہلے بیمار تھا اب وہ طبیب حاذق بن گیا جو پہلے فقیر اور نادار تھا اب وہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا مالک بن گیا، یہ کرشمہ قدرت اور تائید غیبی نہیں تو اور کیا ہے۔

گذشتہ زمانہ میں جب پیغمبر مبعوث ہوتے اور دعوت پر مامور ہوتے تو دعوائے نبوت کی صحت اور اثبات کے لئے بطور حجت و برہان ان کو معجزہ عطا ہوتا تھا گویا کہ دعوت اور حجت دو علیحدہ علیحدہ اور جدا جدا چیزیں تھیں۔ مگر ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کو جو قرآن کریم عطا ہوا اس میں دعوت اور حجت دونوں جمع کر دی گئیں۔ قرآن کریم معنی کے لحاظ سے دعوت ہے اور وجوہ بلاغت کی رو سے معجزہ اور حجتِ دعوت ہے۔ پس کیا عمدہ بات ہے کہ ایک ہی چیز میں دعوت اور حجت دونوں جمع ہو گئے، اور جو چیز دعوت تھی وہی بعینہٖ حجت ہو گئی۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب — گر دلیلے باید ازوئے رو متاب[1]

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص طبیب ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں طبیب ہوں، اور بیماریوں کا علاج کرتا ہو اور اسی دعوے کے ساتھ فن طب میں ایک ایسی جامع کتاب پیش کرتا ہے جو قانون شیخ سے بھی بڑھ کر ہے تو لوگ اس کے طبیب ہونے میں شک نہیں کریں گے۔

اسی طرح سمجھو کہ نبی اکرم محمد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے دعویٰ کیا کہ میں پیغمبر خدا ہوں اور تمہارے لئے روحانی طبیب ہوں اور تمہارے لئے من جانب اللہ طب روحانی کی یہ کتاب (قرآن کریم) لے کر آیا ہوں جس میں تمہارے باطنی امراض اور روحانی بیماریوں کی شفاء ہے۔ اور آؤ میرے نسخہ کو استعمال کرو چنانچہ سل اور جذام کے بیماروں نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ ایک ہی گھونٹ میں تندرست ہوگئے اور اس قرآن کو دیکھا تو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ تو عجیب کتاب ہے کہ جس میں باطنی اور روحانی امراض کی تشخیصات اور معالجات کا وہ بیان ہے کہ جو نہ کسی نے سنا اور نہ دیکھا تو یقین کرلیا کہ یہ شخص بلاشبہ طبیب روحانی ہے۔ بعد چندے لوگوں نے آپ کے صحابہ کو دیکھا کہ یہ وہی لوگ ہیں کہ جو پہلے شرک اور کفر کے سل اور جذام کے بیماری میں موت کے کنارہ پر پہنچ گئے تھے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے نہ معلوم کہ اس نے کیا تریاق دیا کہ ایک ہی گھونٹ میں چنگے ہو کے باہر نکلے اور ایک لخت ان کی بیماری مبدل بہ صحت وقوت ہوئی اور فقط اتنا ہی نہیں ہوا کہ بیماری سے تندرست ہو کر نکلے ہوں بلکہ طبیب حاذق بن کر باہر آرہے ہیں۔ تو کیا جو شخص ایک انجکشن میں مریض کو طبیب بنا دیتا ہو تو کیا یہ اس کے طبیب حاذق ہونے کی دلیل نہیں اور لوگوں نے دیکھا کہ اس کے علاوہ عجیب وغریب قدرت کے کرشمے اس شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہو رہے ہیں جیسے قریش کی آزمائش پر آپ کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا۔ یہ دیکھ کر انصاف پسند طبیعتوں نے سمجھ لیا کہ یہ شخص بلاشبہ خدا کا خالص بندہ ہے جس کی تائید اور تصدیق کے لئے قدرت کے یہ کرشمے ظاہر ہو رہے ہیں۔

---

(۱) سورج خود سورج نکلنے کی دلیل ہے اگر تجھے کوئی دلیل چاہئے تو اس سے چہرہ مت پھیر۔

فلاسفہ اس قسم کے معجزات اور خوارق عادات کو محال اور ناممکن کہہ کر ان کا انکار کر دیتے ہیں ان لوگوں کا عجیب حال ہے۔ دن رات عجائب قدرت اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں لیکن ان کے سامنے جب خدا کے کسی برگزیدہ بندہ کے معجزہ اور کرامت کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً محال کہہ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ آخر آفتاب اور ماہتاب بھی آسمان و زمین کی طرح ایک قسم کے جسم ہیں جو بہت سے اجزاء سے مل کر بنے ہیں پس جس طرح ایک فلسفی کے جسم کے دو ٹکڑے ہو جانا عقلاً ممکن ہے اسی طرح خدا کی قدرت سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا بھی عقلاً ممکن ہے۔ جسمیت کے اعتبار سے سب برابر ہیں اور خدا کی قدرت کے اعتبار سے تمام اجسام ارضیہ اور سماویہ چھوٹے اور بڑے سب برابر ہیں۔ پس جو خدا اس زمین و آسمان پر قادر اور متصرف ہے وہ شق قمر بھی قادر ہے۔ کیونکہ چاند اور سورج اور پہاڑ اور ٹیلے جسمیت میں سب برابر ہیں اور اتصال اور انفصال اور شق والتیام میں مساوی ہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ چاند بڑا ہے اور پہاڑ چھوٹا ہے تو خدا کی قدرت کے سامنے سب برابر ہیں چھوٹائی اور بڑائی کا فرق بندوں کی قدرت کے لحاظ سے ہے خدا کی قدرت کے سامنے سب یکساں ہیں۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ قدیم فلاسفہ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آسمانوں میں خرق والتیام محال ہے بالکل غلط ہے زمین کی طرف آسمان بھی ایک جسم ہے اور دونوں بہت بڑے جسم ہیں۔ جسمیت اور اتصال اور انفصال اور خرق و التیام میں سب برابر ہیں اور آسمان و زمین میں بلندی اور پستی کا جو فرق ہے سو وہ بندوں کے اعتبار سے ہے۔ خدا کی قدرت کے اعتبار سے بلندی اور پستی سب برابر ہیں۔

معجزہ وقوف شمس اور معجزہ رد شمس

اس تقریر سے معجزہ وقوف شمس اور معجزہ رد شمس کے متعلق فلاسفہ کا شبہہ دور ہو جائے گا احادیث میں ہے کہ حضرت یوشع بن نون بنی اسرائیل کے ہمراہ جب جبارین سے قتال کر رہے تھے تو ان کے لئے آفتاب ٹھہر گیا تھا اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے لئے غروب کے بعد آفتاب پھر لوٹا دیا گیا سو جاننا چاہئے کہ آفتاب کا ٹھہرنا اور آفتاب کا لوٹنا اگرچہ فی نفسہ امر عظیم ہے لیکن محال نہیں اس لئے کہ آفتاب کی حرکت

اور اس کا طلوع وغروب سب اللہ کی قدرت اور مشیت سے ہوتا ہے جو خدا ان اجرام عظیم کو حرکت دینے پر قادر ہے وہ ان کی حرکت کے روکنے اور بدلنے پر بھی قادر ہے۔ ہماری نظر قاصر میں زمین وآسمان میں فرق ہے مگر اللہ کے نزدیک امکان اور جواز میں زمین اور آسمان سب برابر ہیں جو خدا اتنے بڑے جسم کو حرکت دے سکتا ہے وہ اس کو ٹھہرا بھی سکتا ہے اور حرکت کو معکوس بھی بنا سکتا ہے۔ فلاسفہ اور ملاحدہ اس قسم کے خوارق عادات کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس قسم کے کائناتی تغیرات ناموس عظیم یعنی قوت جاذبہ پر مبنی ہیں اور اپنی ان بے سروپا تاویلوں کو فلسفہ اور اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو عقل دے۔

عقیدۂ ہشتم

ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت ورسالت کو آپ پر ختم کردیا ہے۔ آپ خدا تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ کی نبوت کے بعد نبوت کا دروازہ بند کردیا گیا۔ اب آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور آپ کا دین تمام گذشتہ دینوں کا ناسخ ہے اور آپ کی کتاب تمام گذشتہ کتابوں سے بہتر ہے۔ قیامت تک آنے والوں کے لئے صرف آپ کے دین اور آپ کی شریعت کا اتباع فرض ہے اور اس کے سوا تما دینوں کا ترک کرنا لازم ہے۔ سوائے آپ کی پیروی کے خدا تک پہنچنے کی سب راہیں مسدود ہیں اور آپ کی شریعت تمام شریعتوں کی ناسخ ہے اب قیامت تک آپ ہی کی شریعت رہے گی اور کبھی منسوخ نہ ہوگی۔ جو شخص آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین نہ سمجھے وہ بلاشبہ کافر ہے اور جو شخص آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ بلاشبہ کافر اور دجال ہے۔

آنحضرت ﷺ کے وقت سے لے کر اس وقت تک سینکڑوں نے نبوت کے دعوے کیے سب جھوٹے اور دجال تھے اور ہر زمانے میں باتفاق علماء دعوت نبوت کی وجہ سے سلاطین اسلام ان کو قتل کراتے آئے۔ (دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم جلد ۲، صفحہ ۲۰۲)

از روئے قرآن وحدیث اور باتفاق صحابہ وتابعین آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ پر نبوت ختم ہوگئی اور آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند کردیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ

السلام آپ سے چھ سو سال پہلے نبی بنائے گئے اور آسمان پر اٹھائے گئے۔ غرض یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے نبی بنائے آپ کی بعثت کے بعد ان کو نبوت نہیں ملی۔ قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور نزول کے بعد شریعت محمد یہ کا اتباع کریں گے اور آپ امتی اور تابع ہو کر رہیں گے۔ اور آپ کی شریعت پر عمل کریں گے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ بلاشبہ خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں۔ جو شخص آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ بلاشبہ کافر دجال ہے اور جو شخص خاتم الانبیاء کے بعد کسی مدعی نبوت کو مسلمان سمجھے تو ایسا سمجھنے والا خود دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

عقیدۂ نہم

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت عام ہے۔ آپ ﷺ تمام عالم کے جن و انس کے لئے تا قیامت نبی بنا کر بھیجے گئے۔ کما قال تعالیٰ:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا.

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا.

عقیدۂ دہم

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ افضل المخلوقات اور افضل الانبیاء ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بہتر اور برتر ہیں اور تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کل انبیاء و رسل کا سردار اور سرخیل بنایا ہے ؎

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" (۱)

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن آدم اور ان کی تمام اولاد میرے جھنڈے کی نیچے ہوگی اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ میں فخر نہیں کرتا (بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر خبر دیتا ہوں) کہ میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں۔ شیخ فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں ؎

(۱) مختصر قصہ یہ ہے خدا کے بعد بلند آپ ہی ہیں۔

سیادت وافضلیت

خواجہ دنیا و دیں گنج وفا صدر و بدرِ ہر دو عالم مصطفیٰ(۱)
آفتاب شرع و دریائے یقین نور عالم رحمۃ للعالمین(۲)
خواجہ کونین سلطانِ ہمہ آفتاب جان و ایمانِ ہمہ(۳)
پیشوائے ایں جہان و آنجہاں مقتدائے آشکارا و نہاں(۴)
مہترین و بہترینِ انبیاء
رہنمائے اصفیا و اولیاء(۵)

اول ماخلق اللہ نوری

آنچہ اول شد پدید از جیبِ غیب بود نور پاک او بے ہیچ ریب(۶)

عموم بعثت

گشت او مبعوث تا روز شمار از برائے کل خلق روز گار(۷)

(۱) دنیا اور دین کا سردار وفا کا خزانہ ہے۔ دونوں جہاں کے چاند اور پیشوا مصطفیٰ ﷺ۔
(۲) شریعت کا آفتاب اور یقین کا دریا، دنیا کا نور مخلوقات کے لئے رحمت ہیں۔
(۳) دونوں جہانوں کا سردار اور سب کے بادشاہ ہیں، سب کی جان اور ایمان کا سورج ہیں۔
(۴) اس دنیا و آخرت کے رہنما، ظاہر و باطن کے امام ہیں۔
(۵) انبیاء علیہم السلام میں سب سے بہتر اور سب کے سردار ہیں، اولیا اور اصفیا کے رہنما ہیں۔
(۶)
(۷) قیامت تک کے لئے وہ بھیجے گئے، زمانے کی تمام مخلوق کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

ختمِ نبوت

ختم کردہ حق نبوت را بدو معجز و خلق و فتوت را بدو[1]
دعوتش فرمود بہر خاص و عام نعمت خود را بدو کردہ تمام[2]

مہرِ نبوت

درمیانِ کتفِ او خورشید دار داشتہ مہرِ نبوت آشکار[3]
ہم زحق بہتر کتابے یافتہ ہم زکل کل حسابے یافتہ[4]
امہاتِ مومنین ازواج او احترام مرسلین معراج او[5]
حق تعالیش از کمال احترام بردہ در توریت و در انجیل نام[6]

التجاءِ شفاعت

یا رسول اللہ بس درماندہ ام بار برکف خاک بر سر ماندہ ام[7]
بیکساں را کس توئی در ہر نفس من ندارم در دو عالم جز تو کس[8]
یک نظر سوئے من غمخوارہ کن چارہ کار من بے چارہ کن[9]

---

(۱) اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نبوت کو ختم کر دیا ہے، معجزہ، اخلاق اور انسانیت کو ان پر ختم کر دیا ہے۔
(۲) انہوں نے ہر خاص و عام کو اللہ کی دعوت پہنچائی اپنی نعمت کو اسی پر ختم کر دیا۔
(۳) وہ اپنے دونوں شانوں کے درمیان رکھنے والے ہیں ان کے دونوں شانوں کے درمیان سورج سمجھو، وہ واضح نبوت کی مہر رکھتے تھے۔
(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین کتاب پائی ہے، اسی طرح سب سے حساب و کتاب کو پایا۔
(۵) امہات المومنین ان کی بیویاں ہیں، انبیاء علیہم السلام کا احترام ان کی معراج ہے۔
(۶) اللہ تعالیٰ ان کے کمالِ احترام کی وجہ سے توریت اور انجیل میں ان کا نام ذکر کیا ہے۔
(۷) اے اللہ کے رسول بہت عاجز ہوں، بوجھ ہتھیلی پر اور سر پر مٹی رکھی ہے۔
(۸) ہر وقت بے کسوں کے لئے آپ ہی ہیں، میرے لئے ان دو جہانوں میں آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔
(۹) ایک نظر مجھ غم خوار پر کر لیجئے اور مجھ بے چارہ کا کام کر دیجئے۔

گرچہ ضائع کردہ ام عمر از گناہ　　تو بہ کردم عذر من از حق بخواہ(۱)
روز و شب بنشستہ در صد ماتم　　تا شفاعت خواہ باشی یک دم(۲)
از درت گریک شفاعت در رسد　　معصیت را مہر طاعت در رسد(۳)
اے شفاعت خواہ مشتی تیرہ روز　　لطف کن شمع شفاعت بر فروز(۴)

عقیدۂ یازدہم

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے جو اس نے بذریعہ جبریل امین محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا ہے اور وہ بلفظہ منزل من اللہ ہے اس کی ترتیب وترکیب میں سوائے خدا کے کسی کو دخل نہیں اور جو شخص اس مصحف کو کلام اللہ اور منزل من اللہ نہ مانے وہ کافر ہے اور یہ قرآن بعینہ اور بلفظہ کل کا کل محفوظ ہے نہ اس میں کچھ کمی ہوئی اور نہ کچھ زیادتی خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے ذریعہ جو قرآن ہم کو پہنچا وہ بعینہ وہی قرآن ہے کہ جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ صحابہ کرام نے نہایت امانت اور دیانت کے ساتھ بعینہ وہی قرآن کل کا کل بلا کسی کمی اور زیادتی کے امت کو پہنچا دیا جو حضور پُر نور ﷺ پر نازل ہوا تھا اور حسب وعدہ الٰہی وہ تحریف سے بالکلیہ محفوظ ہے اور جو شخص قرآن کریم کو محرف جانے وہ مسلمان نہیں۔

قرآن کریم آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے تمام عرب فصاحت اور بلاغت کا دم بھرتے تھے مگر اس کے مثل لانے پر قادر نہ ہوئے اور بجائے اس کے مقابلہ اور مقاتلہ پر تل گئے اور آپ کو قتل کرنے اور وطن سے نکالنے کا ارادہ کیا مگر قرآن کے مثل نہ لاسکے باوجودیکہ آنحضرت ﷺ امی (ناخواندہ) تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور علاوہ

---

(۱) اگرچہ میں نے اپنی عمر گناہ کی وجہ سے ضائع کردی ہے، میں نے توبہ کی ہے، میری معافی اللہ تعالیٰ سے طلب کیجئے۔
(۲) دن رات سینکڑوں مصیبتوں میں بیٹھا ہوا ہوں تاکہ ایک لمحہ کے لئے آپ میرے سفارشی بن جائے۔
(۳) اگر آپ کے دروازہ سے ایک بھی سفارش پہنچ جائے تو معصیت کی جگہ اطاعت کی محبت آجاتی ہے۔
(۴) تاریک روز کے واسطے سفارش کرنے والے، مہربانی کیجئے، سفارش کی شمع روشن کیجئے۔

فصاحت و بلاغت کے غیب کے عجیب عجیب حالات بیان کئے جن کی سچائی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ بالآخر مجبور ہوئے اور آپ کی نبوت و رسالت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ اور اس معجزہ علمی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزوں اور کرامتوں سے آپ کی تائید فرمائی۔ جیسے چاند کا شق ہونا اور کنکریوں کا تسبیح اور شجر وحجر میں سے آپ کو یا رسول اللہ کی آواز آنا اور چوپایوں کا بولنا اور انگشتان مبارک میں پانی کا جاری ہو جانا اور لشکرِ عظیم کا اس سے سیراب ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔ لوگوں نے ان معجزات اور کرامات کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہے جس کی غیب سے تائید ہو رہی ہے اور یہ شخص دعوائے نبوت و رسالت میں صادق اور سچا ہے۔ معجزہ دیکھ کر نبی کے صدق کا بدیہی طور پر علم اور یقین ہو جاتا ہے۔

فائدہ:

آنحضرت ﷺ کے بعد چار الوالعزم پیغمبروں کا مرتبہ ہے:

۱۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ	۲۔ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ
۳۔ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ	۴۔ اور حضرت نوح نجی اللہ

پس آنحضرت ﷺ کو شامل کر کے پانچ ہو گئے جن کا اس آیت میں ذکر ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ.[1]

(دیکھو شرح عقیدہ سفاریہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۶)

بعثت انبیاء کی غرض و غایت

شریعت محمدیہ کی اور تمام شرائع انبیاء کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی احکام کی ہدایت اور اس کی اطاعت و عبادت کی دعوت دینا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں جو

---

(۱) اور (اے پیغمبر) وہ وقت یاد رکھو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا، اور تم سے بھی، اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔ (احزاب/ ۷)

بدن کے ساتھ خاص علاقہ ہے جب تک وہ علاقہ رہتا ہے تو آدمی کو زندگی حاصل رہتی ہے اور جب وہ علاقہ ٹوٹ جاتا ہے تو موت آجاتی ہے اور یہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، ادراک کرتی ہے اور لذت اور الم کا احساس کرتی ہے۔ نیز اہل سنت و جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر شخص کی عمر خدا کے یہاں مقرر ہے نہ اس سے کم ہو سکتی ہے نہ زیادہ حتیٰ کہ مقتول بھی اپنے وقت پر مرتا ہے بس جب آدمی کی موت آتی ہے تو فرشتہ موت جس کو عزرائیل کہتے ہیں اور وہ اسی کام پر مقرر ہے اس کی روح نکال لیتا ہے پھر جب مردہ کو قبر میں دفن کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر اس میں روح ڈال دیتا ہے اور اس قدر حواس اور عقل بھی دے دیتا ہے جس سے مردہ منکر نکیر کے سوال کو سن کر اور سمجھ کر جواب دے سکے۔

قبل اس کے کہ احوال قبر کے متعلق کچھ لکھیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً کچھ روحِ انسانی کے متعلق بیان کر دیا جائے۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جسم کے علاوہ انسان کے اندر ایک روح ہے اور وہ ایک امر موجود ہے جس کی حقیقت خدا ہی جانتا ہے بہت سے ملاحدہ وجود روح کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی کے مرتے وقت ہمیں مردہ کے منہ سے کوئی شئے نکلتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اگر روح کوئی شئے ہوتی تو ضرور دکھائی دیتی اور محسوس ہوتی۔ کہتے ہیں کہ بدن حیوانی میں عناصر کے امتزاج سے ایک خاص کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے اس کی حیات وابستہ ہے۔

جواب

یہ ہے کہ روح کا محسوس نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لطافت کی وجہ سے ہمیں محسوس نہیں ہوتی جیسے ہوا اور ایتھر کو فلاسفہ عصر مانتے ہیں۔ حالانکہ حواس خمسہ سے اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ پس اسی طرح سمجھو کہ انسان کے لئے اس کے اس بدن اور جسم عنصری کے علاوہ ایک اور چیز ہے جس کو روح کہتے ہیں اور اس کو بدن کے ساتھ ایک خاص علاقہ ہے جب تک وہ علاقہ رہتا ہے اس وقت تک اس جسم کو زندگی حاصل رہتی ہے اور جب روح کا بدن سے علاقہ قطع ہو جاتا ہے اور یہ روح اس بدن سے جدا ہو جاتی ہے تو موت آجاتی ہے اور موت اور حیات کی یہی حقیقت ہے روح کا بدن سے

متعلق ہوجانے کا نام حیات ہے اور روح کا بدن سے تعلق منقطع ہوجانے کا نام موت ہے۔ مشرکین عرب یہ خیال کرتے تھے کہ موت کے معنی بالکل نیست ہوجانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بتلادیا کہ آدمی مرکر محض نیست اور نابود نہیں ہوجاتا ہے بلکہ ملک الموت اس کے قالب جسمانی سے روح انسانی کو نکال لیتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَقَالُوْا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كَافِرُوْنَ. قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ.(۱)

روح کی حقیقت

دھریہ اور مادہ پرست تو روح کے قائل نہیں ان کا خیال تو یہ ہے کہ انسان صرف اس جسم عنصری کا نام ہے جو ایک خاص ہیئت اور خاص اعضاء پر مشتمل ہے اور ایک نظام معین کے ساتھ قائم ہے جس سے زندگی کا سلسلہ قائم ہے جب تک یہ نظام چل رہا ہے اس وقت تک انسان زندہ ہے اور جب یہ نظام مختل اور معطل ہوگیا تو زندگی ختم ہوگئی اور اسی کا نام موت ہے۔ اہلِ یورپ نے بھی تحقیق روح کے مسئلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر تا حال کسی صحیح مرکز تک رسائی نہیں ہوئی۔

اسلام یہ کہتا ہے کہ روح فقط اس ہیکل عنصری کا نام نہیں بلکہ روح جسم کے علاوہ ایک جداگانہ حقیقت ہے اصل حقیقت تو اس کی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ مگر آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے اس قدر ثابت ہوا ہے کہ روح ایک جسم لطیف اور نورانی ہے اور نہایت لطیف اور شفاف ہے اور وہ بذاتہ زندہ ہے اور اس جسم عنصری کے رگ و پے میں سرایت کیا ہوا ہے اور اس کے ساتھ ایسا ملا ہوا ہے جس طرح پانی سرسبز شاخ میں اور آگ کوئلہ میں ملی ہوتی ہے۔ جب تک روح کا اس جسم کے ساتھ تعلق قائم ہے اس وقت تک یہ جسم مادی زندہ ہے اور جب روح کا اس جسم عنصری سے تعلق قطع ہوجائے تو مرجاتا ہے اور انسانی شعور اور

---

(۱) اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم زمین میں رل کر کھو جائیں گے، تو کیا اس وقت ہم کسی نئے جنم میں پیدا ہوں گے؟ بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پروردگار سے جا ملنے کا انکار کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ”تمہیں موت کا وہ فرشتہ پورا پورا وصول کرلے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے۔ (الم سجدہ/۱۰،۱۱)

ادراک سب ختم ہو جاتا ہے۔ زندگی میں جسم میں تحلیل و تبدیل ہوتی رہتی ہے مگر روح اول عمر سے لے کر اخیر عمر تک یکساں رہتی ہے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور تحلل نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اس بدن خاکی میں کوئی اور چیز مستور ہے جو ادراک اور شعور کے ساتھ موصوف ہے جو اندر سے یہ کہتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ میں نے یہ کام کیا اور یہ نہیں کیا۔

پس روح انسانی ایک جوہر نورانی ہے جو مادہ اور اس کے لوازم سے پاک ہے اور یہ جسم اور اس کے تمام اعضاء اور قویٰ بمنزلہ اس کے خدام کے ہیں، انسان کے ہاتھ پیر کٹ جاتے ہیں مگر روح میں قطع و برید نہیں ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ روح اس جسم خاکی کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اس لئے کہ جسم میں تحلل اور تبدل ہوتا رہتا ہے اور روح میں کوئی تحلل اور تبدل نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ متبدل چیز غیر متبدل چیز کے مغایر ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اس پیکر جسمانی کے اندر روح ہوتی ہے اور وہ ایک شئ موجود ہے جس کے وجود کی اللہ تعالیٰ نے اور اس کی رسول نے خبر دی ہے اس کا وجود حق ہے اور اس کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے۔

اور روح کے وجود کا قائل ہونا ذرہ برابر خلاف عقل نہیں البتہ اس کا انکار خلاف عقل ہے۔ فلاسفہ روح کے وجود کے فقط اس لئے منکر ہیں کہ وہ ان کو محسوس نہیں ہوتی۔ سو جاننا چاہئے کہ کسی چیز کا محسوس نہ ہونا اس کے عدم کو مقتضی نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ چیز ہم لطافت کی وجہ سے محسوس نہ ہوتی ہو جیسے ایتھر جس کے یہ لوگ قائل ہیں حالانکہ وہ ایتھر کبھی ان کو محسوس نہیں ہوا کیونکہ اس کے اجزاء اور ذرات غایت درجہ باریک اور چھوٹے ہوتے ہیں اس لئے نظر نہیں آتے۔

اثبات عالم آخرت

عصر حاضر کے فلاسفہ اس عالم کے سوا کسی دوسرے عالم کے وجود کے قائل نہیں ان لوگوں کا یہ قول ہے کہ جب تک ہم حواس خمسہ سے کسی چیز کا ادراک نہ کر لیں ہم اس کو نہیں مانتے اس لئے وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا کے سوا کوئی دوسرا عالم نہیں اس لئے کہ ہمیں اس کے وجود پر کوئی دلیل نہیں جس سے ہم اس کے قائل ہوتے۔

جواب یہ ہے

کہ فلاسفہ عصر زبان سے تو یہی کہتے ہیں مگر اپنے اس قول پر قائم نہیں اس لئے کہ مادہ (ایتھر) کو مانتے ہیں اور اس کو ثابت کرتے ہیں مگر حواس خمسہ سے کسی نے اس کا ادراک نہیں کیا پس جب ہمارے حواس اس مادی دنیا کی چیزوں کے ادراک سے قاصر ہیں تو اگر اس مادی دنیا کے علاوہ دوسرے عالم کی چیزوں کے ادراک سے قاصر اور عاجز ہوں تو کیا مستبعد ہے اور کسی چیز کا پتہ نہ لگنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شئی نفس الامر میں بھی موجود نہیں آخر قدیم طبیعیات کے ہزاروں ماہر گزر گئے جن پر رعد و برق کے یہ تحقیقیں منکشف نہیں ہوئیں جواب متاخرین کو دریافت ہوئیں۔ عقل یہ کہتی ہے کہ اگر کسی شئے کے وجود کی ہمیں دلیل معلوم نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں وہ شئے موجود نہیں اور یہ امر بدیہی اور مسلمہ ہے کہ حقائق اشیاء کے واقفیت کے بارہ میں ہمارا علم اور تجربہ محدود اور ناتمام ہے پس معلوم ہوا کہ یہ امر بلا شک ممکن ہے کہ اس مادی عالم کے علاوہ کوئی اور عالم ہو جس کو ہم نے اب تک نہیں دیکھا مگر جن راستبازوں نے اس عالم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ اپنے مشاہدہ کے بنا پر اس کے وجود کی خبر دے رہے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی مخبر صادق اور راستباز انسان کسی ایسی آبادی اور بستی کے وجود کے خبر دے جس کو ہم نے نہ دیکھا ہو تو عقلاً ہرگز ہرگز اس کا انکار جائز نہیں اس لئے کہ یہ راستباز اور مخبر صادق ایسی چیز کے وجود کی خبر دے رہا ہے جو عقلاً بلا شبہ ممکن ہے اور یہ خبر دینے والا سچا اور راستباز ہے تو عقلاً اس کی تکذیب جائز نہیں۔ راستباز کا مشاہدہ حجت ہے اور ہماری عدم واقفیت حجت نہیں۔

رہا یہ امر کہ اس مادی عالم کے سوا کسی دوسرے عالم کے وجود کی ہم کو دلیل نہیں ملی سو قرآن اور حدیث عالم آخرت کے وجود کے دلائل سے اور اس کی خبر سے بھرا پڑا ہے جس طرح یہ عالم موجود ہے اسی طرح کسی دوسرے عالم کا وجود بھی عقلاً ممکن ہے۔ اس فلسفی کا عقیدہ یہ ہے کہ جس مادی جہان میں میں رہتا ہوں اس کے سوا دوسرے جہان کا ہونا ناممکن اور محال ہے گویا کہ دنیا میں، میں ہی ایک فلسفی اور سائنس دان ہوں میرے سوا کسی فلسفی کا موجود ہونا ناممکن اور محال ہے۔ بہرحال اس عالم مادی کے علاوہ کسی دوسرے عالم کا وجود

عقلاً ممکن ہے کوئی محال نہیں اور تمام انبیاء نے قیامت کے آنے کی خبر دی ہے لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ قیامت کو مانا جائے اور اس کا انکار نہ کیا جائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

قال المنجم والطبیب کلاھما لن تبعث الاموات قلت الیکما

ان صح قولکما فلست بخاسر او صح قولی فالخسار علیکما

یعنی منجم اور طبیب دونوں نے یہ کہا کہ مردے کبھی زندہ نہیں کئے جائیں گے یعنی قیامت قائم نہ ہوگی اور کوئی حساب و کتاب نہ ہوگا۔ میں نے جواب میں کہا کہ اچھا ذرا الگ کھڑے ہو جاؤ اگر تمہاری بات صحیح نکلی یعنی قیامت نہ قائم ہوئی تو میرا کوئی نقصان نہیں اور اگر میرا کہنا صحیح نکلا تو تم دونوں کو نقصان اٹھانا پڑے گا کہ تم نے اس کی کوئی تیاری نہیں کی پس احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت اور قیامت پر ایمان لائیں اور انبیاء کرام کے ہدایت کے مطابق اس کی تیاری کریں اور اس چند روزہ زندگی کو فقط اس مادی دنیا کے لئے وقف کر کے دوسرے عالم کی فکر سے غافل نہ ہو جائیں۔

کیونکہ جو شخص معاد کا منکر ہو جاتا ہے وہ حلال وحرام کا قائل نہیں رہتا اور خیر وشر کی تمیز اس کی نظر سے اٹھ جاتی ہے اور انکارِ معاد سے جزا وسزا کا کھٹکا اس کے دل سے اٹھ جاتا ہے اور شکم اور شرمگاہ کا بندہ بن جاتا ہے نفسانی خواہش جدھر اسے اشارہ کرتی ہے اس طرف دوڑنے لگتا ہے اسی وجہ سے دنیا میں روز بروز برائیاں اور بے حیائیاں بڑھتی جارہی ہیں حرامکاری اور شرابخوری اور رشوت ستانی اور بداخلاقی اور بداعمالی اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ اب انسان انسان نہیں رہا بلکہ حیوان ہو گیا ہے جس طرح حیوان کے لئے حلال وحرام کی کوئی قید نہیں اسی طرح منکرین معاد (کمونسٹوں) کے نزدیک حلال وحرام کی کوئی تقسیم نہیں جہاں چاہا منہ مار لیا اور جس مادہ سے چاہا جفتی کر لی۔ دنیا کا امن وامان درہم برہم ہے اور ہر طرف سے خرابی اور تباہی اور بربادی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اے اللہ ہم کو اس قسم کے لوگوں سے پناہ دے۔ آمین ثم آمین

معاد جسمانی کے متعلق امام رازی کی تقریر

جاننا چاہئے کہ اصل انسان اس ڈھانچہ کا نام نہیں اس لئے کہ ہم بدیہی طور پر یہ جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ بدن کے اجزا میں کمی اور زیادتی اور تغیر اور تبدل ہوتا رہتا ہے ابتداء ولادت سے لے کر مرنے تک ہزارہا تغیرات پیش آتے ہیں مگر کہا یہی جاتا ہے کہ یہ وہی انسان ہے جو آج سے ستر سال پہلے پیدا ہوا تھا پس معلوم ہوا کہ انسان میں دو قسم کے اجزاء ہیں ایک اجزاء اصلیہ جو ابتداء ولادت سے لے کر اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں اور یہی اجزاء اصلیہ انسان کی حقیقت کا رکن اعظم ہیں اور دوسرے اجزاء زائدہ جو بچپن اور جوانی اور بڑھاپے اور صحت اور مرض کی حالت میں گھٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ غذا کی وجہ سے جسم میں نئے اجزاء پیدا ہوتے ہیں اور پھر تحلیل ہو جاتے ہیں اور دوسرے غذائی اجزاء ان کی جگہ لے لیتے ہیں مگر اس کی وجہ سے دوسرا انسان نہیں بن جاتا۔

اور جس خدا نے انسان کو پیدا کیا اس کو انسان کے اجزاء اصلیہ اور اجزاء زائدہ کا بکمال وتمام علم تام ہے خواہ وہ کتنے ہی منتشر ہو جائیں اس کے علم محیط سے اور اس کی قدرت کاملہ کے احاطہ سے نہیں نکل سکتے پس جس خدا نے ابتداء ولادت کے وقت روح کو اجزاء منتشرہ کے ساتھ متعلق کر دیا تھا وہی خدا مرنے کے بعد جب اجزاء انسانی منتشر ہو جائیں گے پھر اپنی قدرت کاملہ سے اجزاء اصلیہ اور اجزاء زائدہ کو جدا جدا اور الگ الگ کر کے ان کو جمع کر دے گا اور دوبارہ روح کو انسان کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ متعلق کر کے اسی جسم کو پہلی صورت اور شکل پر دوبارہ زندگی عطا فرمائے گا اور پھر روح اور ان اجزاء اصلیہ کا مجموعہ عذاب وثواب کا احساس کرے گا۔ پس ثابت ہو گیا کہ انسان کے دوبارہ زندہ کئے جانے میں عقلاً کوئی اشکال نہیں۔ لہٰذا ہمیں بعث بعد الموت اور معاد جسمانی پر ایمان لانا فرض ہے اگرچہ ہمیں اس بعث کی کیفیت اور تفصیل نہ معلوم ہو پس ہمیں اتنا اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ بعث بعد الموت حق ہے اور اللہ کے کمال علم اور کمال قدرت سے ممکن ہے۔ بعث بعد الموت کی کیفیت کا جاننا ہم پر فرض نہیں انسان دو چیزوں سے مل کر بنا ہے ایک روح سے اور ایک قالب سے جس کو ڈھانچا کہتے روح بمنزلہ سوار کے ہے اور یہ قالب بمنزلہ سواری کے ہے

اور دوبارہ زندہ کرنے میں روح تو وہی ہے اور قالب کے اجزاء اصلیہ بھی موجود ہیں اگر گھوڑے اور سواری میں کچھ تغیر آ گیا ہے تو سوار تو وہی ہے لڑکپن سے لے کر بڑھاپے تک اجزاء جسمانی بدلتے رہتے ہیں مگر روح انسانی وہی رہتی ہے جو ابتداء خلقت میں تھی دوبارہ زندہ ہونے پر شبہہ اور اعتراض انہی لوگوں کو پیش آتا ہے کہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی ہستی اور حقیقت یہی قالب ہے اور دوبارہ زندگی میں بعینہ وہ قالب باقی نہیں رہا اس لئے اشکال میں پڑ گئے۔ دھریہ اور فلاسفہ اور ملاحدہ معاد جسمانی کے منکر ہیں اور قرآن کریم اثبات معاد اور منکرین حشر کی تردید سے بھرا پڑا ہے۔

دھریہ اور فلاسفہ اور ملاحدہ اس لئے معاد جسمانی کے منکر ہیں کہ حشر ونشر اور جزاء اور سزا کا مسئلہ ان کی نفسانی آزادی میں مزاحم ہے جیسا کہ ہم عنقریب بتلا چکے ہیں۔ تفصیل کے لئے شرح عقیدہ سفارینیہ از صفحہ ۱۵۰ جلد ۲ تا صفحہ ۱۵۴ جلد ۲ دیکھیں۔

حدیث میں ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے مگر عجب الذنب (یعنی ریڑھ کی ہڈی) کہ یہ فنا نہیں ہوتی اس سے بدن انسانی کے اجزاء اصلیہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ محفوظ رہتے ہیں۔ اور ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ قیامت کے دن آسمان سے ایک بارش برسے گی جس سے تمام انسان اور حیوان زندہ ہو جائیں گے۔ حق جل شانہ کا ارشاد ہے ''وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيٍ'' یعنی پانی، حیات اور زندگی کا سامان ہے خیال گزرتا ہے کہ جس طرح پہلی مرتبہ قطرہ آب یعنی نطفہ سے حیات انسانی کا آغاز ہوا تھا اسی طرح دوسری مرتبہ حیات انسانی کا آغاز اس آسمانی بارش سے ہوگا اور جس طرح موسم برسات میں دفعۃً اکثر حیوانات کا بلا سلسلہ توالد وتناسل پیدا ہو جانا مشاہدہ میں آتا رہتا ہے تو اسی طرح قیامت کے دن مردوں کا آسمانی بارش سے دفعۃً زندہ ہو جانا محال اور ناممکن نہیں اور نہ بعید از عقل ہے قیامت کی حقیقت اتصال اور انفصال اور جمع وتفریق ہے پہلی مرتبہ کے صور سے اجسام عالم میں جو باہمی اتصال اور اجتماع تھا وہ مبدل بہ انفصال وافتراق ہو جائے گا اور دوسری مرتبہ کے صور سے اجسام عالم کا افتراق اور انفصال حسب سابق مبدل بہ اجتماع واتصال ہو جائے گا اور اجسام عالم کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ اتصال اور انفصال اور ان کے اجزاء کا اجتماع اور افتراق لوگوں کے مشاہدہ میں ہے۔ پھر قیامت کے دن اجسام

عالم کے اتصال اور انفصال کو کیوں محال سمجھتے ہیں۔

مقام حیرت ہے کہ یہ فلاسفہ دن رات، اجسام عالم کے اجتماع و افتراق کا اور ان کے اتصال اور انفصال کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں مگر جب کوئی خدا پرست ان کے سامنے قیامت کے اتصال اور انفصال اور اجتماع اور افتراق کا ذکر کرتا ہے تو ان بے دینوں کے حلقہ میں ایک قیامت قائم ہو جاتی ہے۔

یہ فلاسفہ قیامت کبریٰ کو مانیں یا نہ مانیں مگر قیامت صغریٰ (یعنی موت) کے انکار پر تو قدرت نہیں رکھتے فلسفی اپنے لخت جگر کی موت کے بعد اس کی لاش کو زمین میں دفن کرتا ہے یا آگ میں جلا کر اس خاک کو ہوا میں اڑا دیتا ہے کیا اجزاء انسانی کی یہ جمع اور تفریق قیامت کا نمونہ نہیں۔ موت، قیامت کا نمونہ ہے اور فلسفی کا رات کو بستر پر سو جانا یہ موت کا نمونہ ہے اور صبح کو سویرے یا دیر سے بستر سے اٹھنا یہ قبر سے اٹھنے کا نمونہ ہے۔ قبر کی جگہ اور چار پائی کی جگہ اور سیکنڈ کلاس اور فسٹ کلاس کی سیٹ پیمائش میں سب برابر ہیں جب رات آئی تو لوگ خواب غفلت میں غرق ہو گئے اور جب صبح کو دنیا بیدار ہوئی تو اب بستر خواب سے اٹھ کر کوئی دفتر جا رہا ہے اور کوئی بازار کا چکر لگا رہا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر رات کو فناء عالم کا نمونہ دکھلاتا ہے اور جب صبح اٹھتے ہو تو حشر و نشر کا نمونہ دکھلاتا ہے، خدارا ہوش میں آجاؤ اور قیامت اور روز جزاء اور حساب و کتاب پر ایمان لاؤ اور اس دن کے لئے توشہ تیار کرلو۔

عقیدۂ اول

ہر شخص کی اجل اور اس کی زندگی کا اور اس کی موت کا وقت اللہ کے علم میں مقرر اور مقدر ہے اس میں تقدم اور تاخر اور کمی اور زیادتی ناممکن ہے۔

اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَایُؤَخَّرُ لَوْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (۱)

(۱) بے شک جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو پھر مؤخر نہیں ہوتا کاش کہ تم سمجھتے ہو۔ (نوح/۴)

عقیدۂ دوم

ملک الموت حق ہے اس پر ایمان لانا فرض ہے وہ ایک فرشتہ ہے جو اللہ کے حکم سے ہر ذی روح کی روح کو قبض کرتا ہے وہ نہ بادشاہوں سے ڈرتا ہے اور نہ کسی کی رشوت قبول کرتا ہے اس کا نام عزرائیل ہے جس کے معنی عبد الجبار کے ہیں اور بہت سے فرشتے اس کے اعوان و انصار ہیں۔ روز آخرت کی تصدیق داخل ایمان ہے اور روز آخرت کی ابتدا موت سے ہوتی ہے۔

عقیدۂ سوم

قبر کا عذاب اور ثواب اور منکر اور نکیر کا سوال حق ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس میں ثابت قدم رکھے۔ قبر سے مراد زمین کا گڑھا نہیں جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ مراد عالم برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیانی عالم ہے جس میں مردہ مرنے سے لے کر قیامت تک اس میں رہتا ہے۔ قال تعالیٰ:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ.

برزخ اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں کہ جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک جہان بسایا ہے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں جو اس جہان سے اتنا زیادہ وسیع ہے جتنی یہ دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ وسیع ہے جب انسان مرجاتا ہے تو اس کی دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ روح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے مگر اس کو اپنے اس بدن سے ایک گونہ تعلق رہتا ہے تو یہ ایک بین بین حالت ہوتی ہے اس لئے اس عالم کی حیات کو برزخی حیات کہتے ہیں۔

غرض یہ کہ قبر سے عالم برزخ مراد ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیانی واسطہ ہے اس لئے اس کو عالم برزخ کہتے ہیں۔ قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی معہودہ حیات کی طرح نہیں ہوتی بلکہ دوسری قسم کی ہوتی ہے جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہوسکتا۔ وہ ایک برزخی حیات ہوتی ہے، نہ تو دنیوی زندگی کی طرح ہوتی ہے اور

نہ اخروی زندگی کی طرح ہوتی ہے ایک بین بین حالت ہوتی ہے جیسے خواب کی حالت میں روح کا جسم کے ساتھ پورا تعلق نہیں رہتا اور نہ بالکلیہ منقطع ہوجاتا ہے اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے ''النوم اخو الموت'' نیند موت کا بھائی ہے کہ سونے والا من وجہ زندہ ہے اور من وجہ مردہ ہے۔ مرنے کے بعد جب انسان اس جہان میں پہنچتا ہے تو اس کو اپنے ایمان اور کفر اور اطاعت اور معصیت کا اثر آنکھوں سے نظر آجاتا ہے اور قرآن اور حدیث نے جن باتوں کی خبر دی تھی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور اس عالم میں جو اس کو سانپ اور بچھو وغیرہ کی تکلیفیں پہنچتی ہیں وہ سب بطور ماحضر اور بطور نمونہ ہوتی ہیں پورا پورا عذاب اور پوری پوری سزا تو قیامت کے دن حساب وکتاب کے بعد ملے گی۔

روح جسم سے نکلنے کے بعد جس جگہ بھی قرار پکڑ جائے قیامت تک وہی اس کی قبر ہے مرنے کے بعد جسم جل جائے یا گل سڑ جائے یا سمندر میں گر کر کسی مچھلی کے پیٹ میں پہنچ جائے مگر من وجہ اور ایک گونہ روح کا تعلق اس جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ بہر حال یہ عالم برزخ اور اس کا ثواب اور عذاب آیات اور احادیث سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ قبر میں کافر مجاہر یعنی علانیہ کافر سے سوال نہیں ہوتا بلکہ بغیر سوال ہی کے اس کو عذاب دیا جاتا ہے البتہ منافق سے سوال ہوتا ہے اور تمام علماء کے نزدیک مومن اور کافر اور منافق سب سے سوال ہوتا ہے۔

فائدہ

علماء نے لکھا ہے کہ احادیث مختلفہ کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہید اور مرابط فی سبیل اللہ یعنی جو جہاد کے موقعہ پر سرحد کی پاسبانی اور نگہبانی کرتا ہو اور جو شخص شب جمعہ یا روز جمعہ میں مرجائے اور جو شخص ہر رات سورۃ الملک پڑھتا ہو اور جو شخص استسقاء یا اسہال کی بیماری میں مرجائے تو یہ سب لوگ سوال قبر سے مستثنیٰ ہیں ان لوگوں سے قبر میں سوال نہ ہوگا۔

منکر نکیر

منکر نکیر دو نہایت ہیبتناک فرشتے ہیں ایک[1] کا نام منکر ہے اور دوسرے کا نام نکیر ہے جو قبر میں آ کر سوال کرتے ہیں اور ایمان کی جانچ پڑتال کرتے ہیں مگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے سوال نہیں ہوتا وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ عالم برزخ میں پہنچنے کے بعد جو بات سب سے پہلے پیش آتی ہے وہ یہی منکر ونکیر کا سوال ہے۔ بے شمار احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں مردہ کے جسم میں اس کی روح لوٹائی جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ میت کو زندہ کر دیتا ہے تو منکر ونکیر آ کر اس کو بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے اور اس مرد یعنی پیغمبر ﷺ کے بارہ میں کیا کہتا ہے اگر مردہ مومن ہوتا ہے تو ٹھیک ٹھیک جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور اگر کافر اور منافق ہوتا ہے تو متحیر رہ جاتا ہے اور کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ جو لوگ قیامت کے دن عذاب کے مستحق ہوں گے ان پر قبر میں بھی عذاب ہوگا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُواً وَّ عَشِيًّا

یعنی یہ کافر صبح وشام عذاب پر پیش کئے جاتے ہیں۔

یہ تو قبر کا عذاب ہوگا اور قیامت کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا جس کا آئندہ آیت میں ذکر ہے:

اُدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ. [2]

اور قرآن کریم میں ہے:

---

(۱) فقد اخرج الترمذی و صححه و ابن حبان من حديث ابی هريرة رضى الله عنه اذا اقبر الميت او قال احدكم اتاه ملكان اسودان از رقان يقال لاحدهما المنكر و للاخر النكير . الحديث. اتحاف شرح احياء العلوم جلد ٢ صفحه ٢١٦

(۲) فرعون کے لوگوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔ (مومن/۴۶)

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِيْ رَبِّيْ وَ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ.[1]

کفار نے جب حبیب نجار کو شہید کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہوا۔ جب وہ جنت میں داخل ہو گیا تو اس کو یہ تمنا ہوئی کہ کاش میری قوم کو اس نعمت اور کرامت کا علم ہوتا کہ وہ بھی ایمان لائے۔ یہ ثواب مرنے کے بعد متصل ملا۔ یہ ثواب قبر تھا معلوم ہوا کہ قبر کا ثواب اور عذاب حق ہے اور سورہ واقعہ کی اس آیت کو پڑھے:

فَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ وَّجَنَّةُ نَعِيْمٍ.[2]

اس آیت میں فروح میں جو لفظ فاء واقع ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مرنے کے فوراً بعد مقربین پر یہ انعامات شروع ہو جاتے ہیں اور دوسری آیت:

فَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ.[3]

سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو مرتے ہی عذاب شروع ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا احادیث صریحہ اور متواترہ سے ثابت ہے جس میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں مگر منکر ونکیر کا یہ سوال و جواب اور قبر کا عذاب وثواب چونکہ دوسرے عالم کا ماجرا ہے تو اس عالم کی آنکھیں اس عالم کی چیزوں کے دیکھنے کے لئے کافی نہیں اور اسی وجہ سے ہم کو منکر ونکیر کا سوال ہمیں سنائی نہیں دیتا جیسا سوتا آدمی بظاہر ساکن ہوتا ہے مگر وہ اندر ہی اندر ان چیزوں کو دیکھتا ہے جو اس کے پاس بیٹھنے والا نہیں دیکھتا اس طرح سمجھو کہ قبر میں مردہ اگرچہ بظاہر ساکن نظر آتا ہے لیکن در پردہ اس میں کسی قسم کی حیات اور زندگی ہوتی ہے اور

---

(۱) کہا گیا کہ "جنت میں داخل ہو جاؤ" اس نے کہا کہ کاش میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ اللہ نے کس طرح میری بخشش کی ہے اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل کیا ہے۔ (یٰسین/۲۶،۲۷)

(۲) پھر اگر وہ (مرنے والا) اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہو تو اس کے لئے آرام ہی آرام ہے، خوشبو ہی خوشبو ہے اور نعمتوں سے بھرا باغ ہے۔ (واقعہ/۸۸،۸۹)

(۳) اور اگر وہ ان گمراہوں میں سے ہو جو حق کو جھٹلانے والے تھے تو (اس کے لئے) کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی ہے۔ (واقعہ/۹۲،۹۳)

اسی بنا پر وہ منکر ونکیر کے سوال کو سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ جبریل امین اور فرشتوں کو دیکھتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے مگر حاضرین مجلس نہ ان کو دیکھتے تھے اور نہ ان کی کوئی بات سنتے تھے۔

منکر ونکیر کے سوال کی بھی بعینہ یہی کیفیت ہے کہ مردہ تو ان کا کلام سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے مگر پاس کے لوگوں کو اس بات کی مطلق اطلاع نہیں ہوتی۔

فائدہ:

جاننا چاہئے کہ قبر میں فقط روح سے سوال نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے سوال ہوتا ہے۔ قبر میں اول جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے اور اس کو ایک خاص قسم کی حیات دی جاتی ہے اس کے بعد منکر نکیر اس سے سوال کرتے ہیں۔

فائدہ:

مرنے کے بعد مردہ قبر میں رکھا جائے یا نہ رکھا جائے بہر حال جس حال میں ہو اس سے یہ سوال ہوتا ہے اور بعد ازاں قبر میں جو عذاب اور ثواب ہوتا ہے اس میں جسم اور روح دونوں شریک ہوتے ہیں۔ قالب اگر چہ مٹی بن جائے یا برتن بن جائے جس حال میں بھی ہو روح کے ساتھ عذاب میں شریک رہتا ہے۔ مرنے کے بعد من وجہ روح کا تعلق جسم اور اس کے اجزاء سے باقی رہتا ہے اگر چہ وہ تعلق بظاہر محسوس نہ ہو جیسے خواب کی حالت میں جسم کا روح کے ساتھ من وجہ تعلق ہوتا اور من وجہ مفارقت ہوتی ہے اسی طرح عالم برزخ میں روح کو جسم سے کلی مفارقت نہیں ہوتی بلکہ من وجہ تعلق باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے جسم اور بدن ثواب اور عذاب کو محسوس کرتا ہے البتہ قیامت میں روح کا جسم کے ساتھ تعلق کامل ہوگا اور روح اور جسم دونوں کے آثار کامل طور پر ظاہر اور نمایاں ہوں گے۔ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے دنیا میں جسم کے احکام غالب اور ظاہر ہیں اور روح کے احکام مغلوب اور مستور ہیں اور عالم برزخ میں روح کے احکام غالب رہتے ہیں اور جسم کے احکام مستور ہوتے ہیں، دار دنیا میں جسم اور بدن ظاہر رہتا ہے اور روح مخفی اور پوشیدہ رہتی ہے اس لئے

دنیا میں جسم کے احکام ظاہر ہوتے ہیں اور روح کے مخفی ہوتے ہیں اور عالم برزخ میں روح ظاہر ہو جاتی ہے اور جسم اور اس کی ظاہری ہیئت ختم ہو جاتی ہے اس لئے اس عالم میں روح کے احکام زیادہ ظاہر ہوتے ہیں اور حشر کے دن جسم اور روح دونوں کے احکام پورے پورے ظاہر کر دیئے جائیں گے۔

فائدہ:

اور سوال و جواب کے لئے روح کا بعض اجزاء بدن سے تعلق کافی ہے تمام اجزاء بدن سے تعلق ضروری نہیں اس لئے کہ زندگی میں بھی تمام اجزاء بدن ادراک اور شعور اور خطاب اور جواب پر قادر نہیں بلکہ بدن انسانی میں سے بعض اجزاء مخصوصہ ہی ادراک اور فہم اور نطق اور کلام کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پس مرنے کے بعد قبر میں اللہ تعالیٰ ان اجزاء مخصوصہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر کے زندہ کر دیں گے اور منکر ونکیر کا سوال و جواب دراصل انہی اجزاء مخصوصہ سے ہوگا اور پھر قیامت کے دن یہی اجزاء اصلیہ حشر ونشر کے وقت اپنی اصلی اور قدیم صورت میں ظاہر ہوں گے۔ دیکھو نہایت الاقدام للامام الشہرستانی صفحہ ۴۶۹

عقیدۂ چہارم

روز قیامت حق ہے یعنی قیامت کا دن جس کو روز آخر کہتے ہیں اس کا آنا حق ہے اور وہ ضرور آنے والا ہے وہ دنیا کا آخری دن ہے اس دن تمام آسمان اور ستارے پارہ پارہ ہو جائیں گے اور زمین اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے جیسا کہ قرآن کریم کی بے شمار نصوص سے ثابت ہے اور تمام اسلامی فرقوں کا اس پر اجماع ہے اور قیامت کا منکر بالاجماع کافر ہے۔ حضرت آدم سے لے کر خاتم النبیین تک تمام پیغمبروں نے توحید کے بعد روز آخرت سے آگاہ کیا اور بتلایا کہ ایک دن یہ عالم فناء ہو جائے گا اور پھر مخلوق کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا وہاں ان کے اعمال کی جزاء وسزا ملے گی۔ تمام ادیان حقہ اس پر متفق ہیں کہ یہ عالم ایک دن فنا ہونے والا ہے اور اس کے بعد ایک اور عالم آنے والا ہے جہاں

فناءزوال نہیں اور یہ دنیا چندروزہ ہے۔ یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے اس عالم جاودانی کا کچھ سامان کرلو اور قیامِ قیامت کی صورت یہ ہوگی کہ اس روز صور پھونکا جائے گا جس سے تمام جاندار مر جائیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے پھر چالیس سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے اور قبروں سے اٹھ کر میدانِ حشر کی طرف دوڑیں گے۔

صور:

بگل اور سینگھ کے مانند ایک چیز ہے اسرافیل علیہ السلام جب اس کو منہ سے لگا کر بجائیں گے تو اس سے ایک ہولناک آواز پیدا ہوگی جس سے سارا عالم فنا ہو جائے گا اس کا نام نفخہ اولیٰ ہے دیکھو شرح عقیدہ سفارینیہ صفحہ ۱۴۴ جلد ۲۔ پھر چالیس سال کی مدت گزرنے کے بعد دوسری بار صور پھونکا جائے گا جس سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے۔ کما قال تعالیٰ:

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ. (۱)

اور قبروں سے نکل کر میدان حشر کی طرف دوڑیں گے اور اس میدان میں سب اکھٹے ہو جائیں گے اس کا نام نفخہ ثانیہ ہے۔ اور دونوں مرتبہ نفخ صور کا ذکر قرآن عزیز میں اور احادیث میں بکثرت و بصراحت موجود ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے۔

حق جل شانہ اپنی قدرت کاملہ سے دونوں نفخوں کی درمیانی مدت میں جسم کی بوسیدہ ہڈیوں اور خاک میں ملے ہوئے ریزوں کو ہر جگہ سے جمع کرے گا خواہ وہ آگ میں جلا ہو یا پانی میں غرق ہوا ہو یا ہوا میں اڑ گیا ہو یا دھوپ میں خشک ہو گیا یا گل سڑ کر خاک میں مل گیا ہو یا شکمِ حیوانات میں ہضم ہو گیا ہو جسم کے تمام اجزاء کو جمع کرے گا۔ حتیٰ کہ کوئی ذرہ اس میں سے باقی نہ رہے گا پھر اس کو اسی وضع اور ہیئت اور اسی صورت و شکل پر جو دنیا میں اس کو حاصل تھی ترکیب و ترتیب دے کر زندہ کر دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر دنیا میں اس کے جسم کا کوئی حصہ یا کوئی عضو قطع ہو گیا ہو تو وہ بھی اس کے ہمراہ اعادہ کر دیا جائے گا۔ انسان جب قبر سے

(۱) پھر دوسری بار پھونکا جائے گا تو وہ سب لوگ پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ (زمر/۶۸)

اٹھے گا تو غیر مختون اٹھے گا تا کہ جو کھال ختنہ میں کٹ گئی تھی وہ بھی لوٹا دی جائے گی۔ پہلی مرتبہ کے صور پھونکنے میں سارا عالم مر جائے گا۔ اس نفخہ کا نام نفخہ اماتت ہے اور جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو جائیں گے۔ اس نفخہ کا نام نفخہ احیاء ہے۔ ارواح سب کی سب صور اسرافیل میں جمع ہوں گی۔ نفخ صور کے ساتھ ہی تمام روحیں نکل پڑھیں گی اور اپنے اپنے کالبد[1] میں داخل ہو جائیں گی اور بحکم خداوندی سب زندہ ہو جائیں گے۔

اور اگر نظر عبرت سے دیکھا جائے تو ہر روز نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کا نمونہ لوگوں کی نظروں کے سامنے آتا ہے مگر لوگ قیامت سے غافل ہیں اور جب ان کو قیامت کی کوئی آیت یا روایت سنائی جاتی ہے تو شک اور تردد کے کان سے اس کو سنتے ہیں۔

مثلاً جب شام ہوتی ہے اور اندھیرا ہو جاتا ہے اور نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو تمام لوگ اپنے گھروں میں اور تمام جانور اپنے گھونسلوں میں گھس جاتے ہیں اور رات کو سو جاتے ہیں اور بے حس و حرکت ہو جاتے ہیں گویا کہ مر گئے۔ یہ حالت نفخہ اولیٰ کے مشابہ ہے۔ پھر جب صبح ہوتی ہے تو دفعتہً بے اختیار سب بیدار ہو جاتے ہیں اور ادھر ادھر منتشر ہو جاتے ہیں یہ حالت نفخہ ثانیہ کے مشابہ ہے اور حشر و نشر کا نمونہ ہے کہ دیکھ لو جس طرح اب نیند سے جاگے ہو اور بستروں سے اٹھ کر منتشر ہو رہے ہو اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے اٹھو گے۔

عقیدۂ پنجم

معاد جسمانی حق ہے یعنی اسی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہو کر جی اٹھنا حق ہے اور بالفاظ دیگر حشر و نشر حق ہے یعنی مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا اور گذشتہ ابدان میں سابق ارواح کا دوبارہ لوٹایا جانا اور قبروں سے اٹھ کر میدانِ حشر میں جمع ہو جانا حق ہے اس بات کا اعتقاد رکھنا فرض ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بوسیدہ ہڈیوں اور ریزہ ریزہ کالبد کے اجزاء کو جہاں کہیں وہ ہوں گے زیر زمین ہوں یا قعر دریا میں یا شکم حیوانات میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان تمام اجزاء کو اسی دنیاوی کالبد کی صورت میں جمع کرے گا اور وہی

(۱) ڈھانچہ

روحیں جو ان کو دنیا میں حاصل تھیں ان کے ابدان میں ڈالے گا اور تمام لوگ بامر الٰہی قبروں سے زندہ ہو کر اٹھیں گے۔

معاد جسمانی اور بعث پر ایمان لانے کے لئے ان سب باتوں کی تصدیق ضروری ہے اور معاد جسمانی کا مسئلہ قرآن اور حدیث سے قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہے جس میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں اور حشر ونشر کے ماننے پر ایمان اور اسلام کا دارومدار ہے اور ہر عصر میں علماء ربانیین کا اس پر اجماع رہا ہے اور ہر زمانہ کے علماء نے بالاتفاق منکرین حشر ونشر کے تکفیر کی ہے۔

فلاسفہ اور ملاحدہ معاد جسمانی اور حشر ونشر کے منکر ہیں اور اس کو محال اور ناممکن بتاتے ہیں۔ اہل حق کہتے ہیں کہ حشر ونشر یعنی روح کا اپنے گذشتہ جسم سے دوبارہ متعلق ہو جانا عقلاً ممکن ہے۔ اس کے تسلیم کرنے سے کوئی محال لازم نہیں آتا۔ جس خدا نے پہلی بار اس عالم کو عدم خالص سے بلا کسی اصل اور بلا کسی مادہ کے اس ہیئت میں پیدا کیا وہ یقیناً اس عالم کو نیست ونابود کر کے دوبارہ زندہ کرنے اور ہو بہو ہست اور موجود کرنے پر بھی قادر ہے اس کی قدرت غیر محدود ازلی اور ابدی ہے کسی زمان اور مکان کے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ جس خدا نے پہلی مرتبہ اس مشت خاک کو یہ صورت اور ہیئت اور یہ رطوبت اور یبوست عطا کی تھی وہی خدا بلاشبہہ دوسری زندگی میں بھی بعینہ یہی صورت اور شکل اور بعینہ یہی رنگ اور روپ عطا کرنے پر قادر ہے۔ جو ابتداء پر قادر ہے وہ اعادہ پر بھی قادر ہے جو خدا ایجاد معدوم پر قادر ہے وہ اعادہ معدوم پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَءُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْه. (۱)

عدم کے بعد وجود عطا کرنا اور وجود کے بعد پھر عدم طاری کرنا اس کی قدرت کے لحاظ سے برابر ہے پس معلوم ہوا کہ جو فلاسفہ قیامت اور معاد جسمانی کے منکر ہیں اور اعادہ معدوم کو محال سمجھتے ہیں یہ سب ان کا طفلانہ خیال ہے۔

---

(۱) اور وہ وہی ہے جو مخلوق کی ابتدا کرتا ہے پھر اس سے دوبارا پیدا کرے گا اور یہ کام اس کے لئے زیادہ آسان ہے۔ (روم/ ۲۷)

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ.[1]
وَمَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ.[2]

ابطال تناسخ

اور براہمہ اور ہندوں کا مذہب یہ ہے کہ قیامت کوئی چیز نہیں البتہ مرنے کے کچھ عرصہ بعد ارواح انسانیہ بطور تناسخ دوسرے ابدان میں واپس آتی ہیں جیسا عمل ہوتا ہے اس کے موافق بدن ہوتا ہے اور یہ عقیدہ سراسر خلاف عقل ہے، اس لئے کہ جزاء وسزا کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے کہ جس کو سزا دی جارہی ہے اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ مجھ کو فلاں عمل کی سزا دی جارہی ہے تا کہ وہ آئندہ کو اس کام سے بچے اور دوسرے اس سے عبرت پکڑیں مگر دوسرے جون میں آنے والے کو اس کا مطلق کوئی علم نہیں ہوتا کہ میں اس جون میں کس گناہ کی وجہ سے آیا۔ انسان اگر ایک سال بھی کسی شہر میں رہتا ہے اور پھر دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے تو سالہا سال وہاں کے واقعات کو یاد کرتا رہتا ہے مگر پنڈت جی بار بار اس دنیا میں رہ چکے ہیں اور ان کو کسی ایک جنم کا واقعہ بھی یاد نہیں، معلوم ہوا کہ یہ قول محض غلط ہے اور پنڈتوں کے پاس تناسخ (آواگون) کا کوئی عقلی ثبوت نہیں جس سے آواگون کا حق ہونا ثابت ہو سکے۔

اور علیٰ ہذا اہل فلسفہ کا انکار بھی بالکل غلط ہے اس لئے کہ اہل فلسفہ کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ ابتداء میں کائنات عالم کا مادہ ذرات کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ پس جس طرح خدا تعالیٰ نے ابتداءً ان ذرات کو ترکیب دے کر یہ عالم پیدا کیا اسی طرح جب نفخ صور سے یہ عالم تباہ اور برباد ہو کر اس کی ترکیب اور ترتیب زائل ہو جائے گی اور یہ تمام کائنات ابتدا کی طرح ذرات کی صورت میں ٹوٹ جائے گی تو جس خدا نے پہلی بار ذرات

---

(۱) بھلا کیا ہم پہلی بار پیدا کرنے سے تھک گئے تھے؟ نہیں لیکن یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کے بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ (ق/۱۵)

(۲) اور تم سب کو پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا (اللہ کے لئے) ایسا ہی ہے جیسے ایک انسان کو پیدا کرنا اور دوبارہ زندہ کرنا۔ (لقمان/۲۸)

کو ترکیب دے کر اس عالم کو بنایا تھا وہ دوبارہ بھی ذرات کو ترکیب و ترتیب دے کر پہلے کی طرح بنانے پر قادر ہے۔ فضا میں پھیلے ہوئے ذرات کی ترکیب اور تحلیل اس کی قدرت ازلیہ کے اعتبار سے یکساں ہے اور کائنات کا کون و فساد اس کے نزدیک سب برابر ہے۔ پہلی مرتبہ نفخ صور سے اس عالم کی ترکیب زائل ہوجائے گی اور یہ تمام عالم حسب سابق ذرات کی صورت میں آجائے گا۔ کما قال تعالیٰ:

فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًا. [۱] وَ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا. [۲]
اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا. [۳]

پس جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو پہلی مرتبہ کی طرح ان ذرات میں دوبارہ ترکیب پیدا ہوجائے گی اور ان ذرات کے ساتھ روح کا تعلق قائم ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کی ایک عمر اور ایک مدت مقرر ہے اسی طرح اس جہاں کی بھی ایک عمر مقرر ہے جب وہ عمر پوری ہوجائے گی تو اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دیں گے جس سے کل عالم فنا ہوجائے گا اور تمام مخلوق مرجائے گی اور جو مرچکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہوجائیں گی مگر جس کو اللہ بچانا چاہے گا وہ اپنے حال پر رہے گا۔

(خلاصہ کلام) یہ کہ معاد جسمانی حق ہے یعنی اسی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہوکر جی اٹھنا حق ہے تمام انبیاء و مرسلین کا اس کے حق ہونے پر اتفاق ہے۔ فلاسفہ اور ملاحدہ اور بے دین لوگ معاد کے منکر ہیں انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ حلال و حرام کی تقسیم اور جزا و سزا کا مسئلہ ان کی نفسانی خواہشوں میں مزاحم ہے اور کہتے ہیں کہ شریعت کی پابندی سے ہماری آزادی میں خلل پڑتا ہے۔ سبحان اللہ قانون شریعت کی پابندی تو ان کی آزادی میں مخل ہے لیکن قانون حکومت کی پابندی ان کی آزادی میں مخل نہیں حالانکہ قانونی پابندیاں شرعی پابندیوں سے کہیں زیادہ اور سخت ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ بغیر قانون الٰہی کے پابندی کے

---

(۱) یہاں تک کہ وہ بکھرا ہوا غبار بن کر رہ جائیں گے۔ (واقعہ/۶)
(۲) اور پہاڑوں کو چلایا جائے گا تو وہ ریت کے سراب کی شکل اختیار کرلیں گے۔ (نبا/۲۰)
(۳) جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کردیا جائے گا۔ (فجر/۲۱)

کمالات انسانی اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تحصیل ناممکن ہے۔کما قال تعالیٰ:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثاً وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ.[۱]

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى.[۲]

عقیدۂ ششم

حساب وکتاب اور میزان اعمال اور وزن اعمال حق ہے اس پر ایمان لانا فرض ہے یعنی قیامت کے دن مردوں کا قبروں سے زندہ ہوکر اٹھنا اور حساب وکتاب کیلئے ایک میدان میں جمع ہونا اور اعمال ناموں کا دائیں بائیں ہاتھ میں اڑ کر آنا اور برے اور بھلے اعمال کے تولنے کے لئے میزان کا رکھے جانا سب حق ہے اس پر ایمان لانا فرض ہے قیامت کے روز ایک میزان (ترازو) ہوگی جس میں اللہ کی قدرت سے بندوں کے اعمال تولے جائیں گے تاکہ اس کے ذریعہ برائیوں اور بھلائیوں کی مقدار اور کمی بیشی معلوم ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کا عدل خوب ظاہر ہوجائے اور لوگ اپنی آنکھوں سے اپنے اعمال کو تلتا ہوا دیکھ لیں۔اس ترازو کا نام میزان اعمال ہے جس کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ.[۳]

اور یہ ترازو حقیقی ترازو ہے جس کے دو پلڑے ہیں اور ایک ڈنڈی ہے۔نیکیوں کا پلہ عرش کے دائیں جانب جنت کے سامنے ہوگا اور برائیوں کا پلہ عرش کے بائیں جانب دوزخ کے مقابل ہوگا وزن میں اگر نیکیوں کا پلہ بھاری رہا تو یہ نجات کی علامت ہوگی اور اگر ہلکا ہوا تو خسارہ کی علامت ہوگی۔حساب وکتاب کے بعد اعمال نامہ اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے نیکوں کے دائیں ہاتھ میں اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں۔

---

(۱) بھلا کیا تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ہم نے تمہیں یونہی بے مقصد پیدا کردیا اور تمہیں واپس ہمارے پاس نہیں لایا جائے گا؟ (مومنون/۱۱۵)

(۲) کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ (قیامہ/۳۶)

(۳) اور ہم قیامت کے دن ایسی ترازویں لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گیں۔(انبیاء/۴۷)

اور حساب کے معنی مختلف اور متفرق مقداروں کے جمع کرنے اور ان کی حد اور نہایت کا اندازہ لگانے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ سریع الحساب ہے وہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے وہ اپنی قدرت سے بندوں کے اعمال اور ان کے آثار کی مقدار کو ظاہر کردے گا۔

بہرحال وزن اعمال حق ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے باقی اس کی کیفیت اللہ کے سپرد کرنی چاہیئے۔ ملائکہ جب بندوں کے اعمال پیش کریں گے تو بدکردار انکار کریں گے کہ یہ کام ہم نے نہیں کیے تو بحکم خداوندی ان کے اعضاء اور جوارح اور گوشت اور پوست اور زمین ان کی بدکرداری کی شہادت دیں گے اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہو جائے گی۔

فائدہ

قیامت کے دن عام لوگوں سے حساب ہوگا مگر انبیاء کرام سے کوئی حساب نہ ہوگا اور علیٰ ہذا سابقین اور مقربین سے حساب نہ ہوگا اور ان ستر ہزار سے بھی حساب نہ ہوگا جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے خبر دی ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوں گے اور ان سب کے سرخیل ابوبکر صدیق ہوں گے ان سے بھی کوئی حساب و کتاب نہ ہوگا جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا

کلھم یحاسبون الا ابابکر

یعنی سب سے حساب ہوگا مگر ابوبکر حساب سے مستثنیٰ ہیں۔

(دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم صفحہ ۴ جلد ۲)

عقیدۂ ہفتم

پل صراط حق ہے وہ ایک پل ہوگا جس کو دوزخ کی پشت پر قائم کریں گے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا وزنِ اعمال کے بعد سب لوگوں کو اس پر سے گزرنے کا حکم ہوگا ''وَاِنْ مِنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا ''(۱) مومن اس پل سے عبور کرکے بہشت

(۱) اور تم میں سے کوئی نہیں ہے جس کا اس (دوزخ) پر گذر نہ ہو۔ (مریم/۷۱)

میں جائیں گے اور کافر پھسل پھسل کر دوزخ میں گریں گے تفصیل کے لئے اتحاف شرح احیاء العلوم صفحہ ۳۸ و ۳۹ جلد ۲ دیکھئے۔ علامہ زبیدی شرح احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ پل صراط کا بال سے زیادہ باریک ہونا اور تلوار سے زیادہ تیز ہونا صحیح مسلم میں ابوسعید خدری سے اور مسند احمد میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور علاوہ ازیں انس بن مالک اور عبداللہ بن مسعود اور سلمان فارسی سے بھی منقول ہے اور معتزلہ پل صراط کے اور عامہ خلائق کے اس پر سے عبور و مرور کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسی باریک چیز پر چلنا اور اس پر سے گزرنا ناممکن ہے۔

اہل حق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے بندوں کو ایسی باریک چیز پر سے گذارنے پر بھی قادر ہے "وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ "[1] اور عالم آخرت کی تو ہر چیز عجیب و غریب ہے اور وہم وخیال سے بلند اور برتر ہے۔ عالم آخرت کی چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے جو خدا پرندوں کو ہوا میں چلانے اور اڑانے پر قادر ہے وہ ایک ایسے باریک پل پر چلانے پر بھی قادر ہے، پل صراط بہر حال ہوا سے زیادہ مستحکم ہے اور عقلاً اس پر سے گذرنا جائز اور ممکن ہے محال نہیں۔ لیکن یہ روایت اور یہ کیفیت جس میں پل صراط کا بال سے زیادہ باریک ہونا آیا ہے وہ روایت درجہ تواتر کو نہیں پہنچی لہٰذا پل صراط پر تو ایمان لانا ضروری ہے مگر اس کیفیت خاصہ پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم صفحہ ۲۲۰ جلد ۲۔ ومسامرہ شرح مسایرہ صفحہ ۲۸۴ اور شرح عقیدہ سفارینیہ صفحہ ۱۸۳ جلد ۲، اور اضاءۃ الدجنۃ فی شرح عقائد اہل السنۃ صفحہ ۱۲۴ وصفحہ ۱۲۵۔

اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ صراط کا راستہ محسوس ہوگا اور لوگ اس کو بچشم سر دیکھیں گے تمام انبیاء سابقین نے اور پھر آخر میں خاتم النبیین محمد ﷺ نے اس کی خبر دی ہے اور اس خبر کو ایسا صاف اور واضح اور صریح بیان کیا ہے جس میں کسی شک اور شبہہ اور تاویل کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا امت پر فرض ہے کہ وہ پل صراط کو حقیقۃً اور حسی طور پر اس کو مانے اور اس کی تصدیق کرے کہ وہ حقیقۃً ایک راستہ ہے جس سے قیامت کے دن گذرنے کا حکم ہوگا۔ جو شخص جس درجہ دنیا میں صراطِ مستقیم یعنی راہِ اسلام پر قائم رہا اسی درجہ وہ بآسانی پل صراط

(۱) اور یہ کام اللہ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ (فاطر/ ۱۷)

سے گزر سکے گا۔ اور بعض لوگ پل صراط کے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہونے کو تسلیم نہیں کرتے اور ان احادیث کی کہ جن میں پل صراط کا بال سے زیادہ باریک ہونا اور تلوار سے زیادہ تیز ہونا آیا ہے یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس قسم کی احادیث سے مراد یہ ہے کہ پل صراط پر سے گزرنا اس قدر مشکل ہے جیسے کسی ایسی چیز سے گزرنا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہو، مشکل ہے، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پل صراط عریض (چوڑا) ہوگا اور اس میں دو راستے ہوں گے ایک دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب اہل سعادت اور اصحابِ یمین دائیں طرف سے گزریں گے اور اصحابِ شمال بائیں جانب سے، بہر حال پل صراط حق ہے جس پر ہر مومن کو ایمان لانا ضروری ہے مگر پل صراط کی یہ باریکی درجہ تواتر کو نہیں پہنچی اس لئے پل صراط کی اس خاص کیفیت اور اس خاص صفت پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

عقیدۂ ہشتم

بہشت جو مومنوں کے آرام کے لئے ہے اور دوزخ جو کافروں کے عذاب کے لئے تیار کی گئی ہے دونوں حق ہیں اور موجود ہیں اور دونوں پیدا ہو چکی ہیں اور اب دونوں موجود ہیں اور ہمیشہ باقی رہیں گی کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ لوگ حساب و کتاب کے بعد اور پل صراط سے گزرنے کے بعد جب مومن بہشت میں جائیں گے تو وہاں ہمیشہ کے لئے آرام سے رہیں گے اور کبھی وہاں سے نہیں نکالے جائیں گے۔ ایسے ہی کافر جب دوزخ میں جائیں گے تو ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہ ہوگی:

وَلَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ.

نہ ان کا عذاب ہلکا ہوگا اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔

بہر حال جنت و جہنم کا ثواب اور عذاب ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا جیسا کہ نصوص قطعیہ اور صریحہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے اس لئے کہ مسلمان کا اور کافر کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر وہ دس ہزار برس بھی زندہ رہے تو مومن اپنے ایمان پر قائم رہے گا اور کافر اپنے کفر پر قائم رہے گا تو چونکہ ہر ایک کی نیت اور اس کا اعتقاد دائمی تھا اس

لئے ہر ایک کی جزا اور سزا دائمی ہوگی۔ دیکھو نہایۃ الاقدام صفحہ ۴۷۶ للامام الشہرستانیؒ

بہر حال جنت اور جہنم دونوں موجود ہیں اور پیدا ہو چکی ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم ابھی موجود نہیں بلکہ بعد میں پیدا کی جائیں گی، وہ جاہل اور نادان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے بارہ میں یہ فرمایا ہے:

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ.

کہ جنت متقین کے لئے تیار ہو چکی ہے، اور جہنم کے بارے میں یہ فرمایا ہے:

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ.

اے مسلمانو آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار ہو چکی ہے۔

معلوم ہوا کہ جنت اور جہنم دونوں تیار ہو چکی ہیں اور فی الحال موجود ہیں۔ نیز اگر جنت موجود نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت آدم کو یہ حکم نہ دیتے:

يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ.

اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں جا کر رہو۔

سکونت کا حکم موجود چیز میں ہو سکتا ہے نہ کہ معدوم چیز میں۔

فائدہ

جنت ساتویں آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى. (۱)

اور جنت کی چھت عرش رحمٰن ہے اور جہنم ساتویں زمین میں ہے۔ تفصیل کے لئے شرح عقیدہ سفارینیہ از صفحہ ۲۲۷ تا صفحہ ۲۲۹ جلد دوم دیکھئے۔

کائنات عالم ابدی تو ہو سکتی ہیں مگر ازلی نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے کہ کائناتِ عالم حادث ہیں عدم سے وجود میں آئی ہیں لہٰذا ان کے وجود کے لئے ابتدا کا ہونا ضروری ہے۔

---

(۱) اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس (فرشتے) کو ایک اور مرتبہ دیکھا ہے، اس بیر کے درخت کے پاس جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے اس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ (نجم/۱۳، ۱۴، ۱۵)

لہٰذا کائنات عالم کا ازلی ہونا تو ناممکن اور محال ہے البتہ ان کا ابدی ہونا ممکن ہے جیسے جنت اور جہنم۔ اس لئے کہ جس محدث اور موجد نے اس حادث کو عدم سے نکال کر وجود عطا کیا ہے وہ جب تک چاہے اپنے عطیہ وجود اور عطاء فرمودہ لباسِ ہستی کو حادث کے پاس رہنے دے اور اس سے اپنا عطیہ نہ چھینے، معطی کے رحم وکرم پر ہے کہ جب تک چاہے اپنا عطا کردہ لباس عاریت واپس نہ لے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اہل اسلام کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ یہ عالم ایک بار فنا ہو جائے گا اور معدوم ہونے کے بعد پھر موجود کیا جائے گا اور حساب وکتاب کے بعد بنی آدم جنت اور دوزخ میں ابدالآباد تک رہیں گے اور یہ امر اہل کتاب کے نزدیک بھی مسلم ہے اور یہ جنت اور جہنم کا دوام اور بقاء اور اہل جنت اور اہل دوزخ کا خلود اور دوام ان کا ذاتی امر نہ ہوگا بلکہ خدا تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہوگا کہ وہ اگر چاہے تو ان کے خلود اور دوام کو یک لخت ختم کر دے اور یہ درحقیقت بقاء اور دوام نہیں بلکہ ابقاء ہے یعنی اپنے ارادہ سے ان چیزوں کے وجود کو باقی رکھنا ہے اور بقاء اور ابقاء میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ جنت اور جہنم کا بقاء خدا کے ارادہ اور مشیت پر ہے ورنہ ہر ممکن اور ہر حادث اپنی ذات سے قابل فناء ہے جنت اور جہنم کا بقاء اور دوام ذاتی نہیں بلکہ خداوند عالم کی مشیت کے تابع ہے۔

غرض یہ کہ جنت اور جہنم کی ابدیت یعنی ان کا ابدالآباد تک رہنا خدا تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے۔ حاصل کلام یہ کہ کائنات کا ازلی ہونا تو قطعاً اور عقلاً ناممکن اور محال ہے اس لئے کہ حادث کا ازلی ہونا عقلاً محال اور ناممکن ہے۔ البتہ ان کا اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ابدی ہونا عقلاً ممکن ہے اس لئے کہ حدوث اور پیدائش ایک قسم کی حرکت ہے جس کے لئے ابتدا کا ہونا ضروری ہے مگر حرکت کے لئے عقلاً انتہا ضروری نہیں۔ لہٰذا کائنات کے حدوث اور پیدائش کے لئے ابتدا ضروری ہوگی اور وہ پہلی حرکت زمانہ ماضی کی جانب میں بلاشبہ محدود اور متناہی ہوگی۔ البتہ انتہا کی جانب اس کا غیر متناہی ہونا عقلاً ممکن ہے کہ جو وجود اس حادث کو ابتداً محدث کی طرف سے ملا ہے وہ موجد اور محدث کے محض ارادہ اور مشیت سے ملا ہے۔ اسی طرح اگر وہ خدا کی مشیت سے غیر محدود اور غیر متناہی زمانہ تک جاری اور باقی رہے اور وہ معطی وجود جب تک چاہے اس سے اپنے عطیہ واپس نہ لے تو یہ بھی ممکن ہے حق جل شانہ کا دوام اور بقاء اور ازلیت اس کا وصف ذاتی ہے اور خدا تعالیٰ

کے وجود کا فنا اور زوال عقلاً محال ہے، اور جنت اور جہنم کا دوام اور بقاء خداوند عالم کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے وہ اگر چاہے تو سب کو فنا کر سکتا ہے جس طرح عمر کی درازی اس کے اختیار میں ہے اسی طرح وجود کی طولانی اور درازی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

عقیدۂ نہم

اعراف حق ہے۔ اعراف اس مقام کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہوگا۔ اس پر جو لوگ ہوں گے وہ اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کو دیکھیں گے اور ان سے کلام کریں گے جن کا مفصل قصہ قرآن کریم کے اس رکوع میں مذکور ہے

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ.[1]

جمہور علماء کے نزدیک یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی حسنات اور سیئات برابر ہوں گی بعد چندے ان کو بھی جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا۔

عقیدۂ دہم

حوض کوثر حق اور ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے قیامت کے دن حوض کوثر کا وعدہ فرمایا ہے۔ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ[2] آنحضرت ﷺ مومنوں کو سخت پیاس کی حالت میں اس حوض سے پانی پلائیں گے۔ اہل ایمان اس حوض کا پانی پل صراط سے اترنے کے بعد اور جنت میں داخل ہونے سے پیشتر پئیں گے جو کوئی اس میں سے ایک گھونٹ پانی پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ ہر پیغمبر کو اس کے مرتبہ کے موافق ایک حوض ملے گی اور آنحضرت ﷺ کو جو حوض ملے گی اس کا نام کوثر ہے۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم صفحہ ۳۹ جلد ۲

---

(۱) اور اعراف پر (یعنی اس آڑ کی بلندیوں پر) کچھ لوگ ہوں گے جو ہر گروہ کے لوگوں کو ان کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے۔ (اعراف/۴۶)

(۲) (اے پیغمبر!) یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دی ہے۔ (کوثر/۱)

عقیدۂ یازدہم

قیامت کے دن انبیاء کرام اور عباد صالحین کی شفاعت حق ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے اذن سے اول انبیاء کرام گنہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے اور پھر علماء اور پھر شہداء اور پھر عباد صالحین اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق بارگاہِ خداوندی میں قصورواروں، اور گنہگاروں کے لئے سفارش کریں گے اور عرض ومعروض کریں گے۔ اس کے مرتبہ کے مطابق سفارش منظور ہوگی۔ حتیٰ کہ دوزخ میں کوئی ایمان دار باقی نہ رہے گا۔ بہرحال قیامت کے دن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور عباد صالحین کی شفاعت حق ہے۔ دیکھو مسامرہ بشرح المسایرہ صفحہ ۲۵۷ وشرح عقیدہ سفارینیہ صفحہ ۲۰۰ جلد ۲۔

مگر قیامت کے دن اول شفاعت کا دروازہ حضور پُر نور ﷺ کھلوائیں گے۔ نفخہ ثانیہ کے بعد جب تمام مخلوق میدان حشر میں حیران وپریشان کھڑی ہوگی اور اس دن کی شدت اور ہول سے گھبرا اٹھے گی تو اس وقت تمام مخلوق اول حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جاوے گی اور پھر حضرت نوح علیہ السلام اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پھر حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاوے گی اور شفاعت کی درخواست کرے گی سب عذر کریں گے اخیر میں تمام مخلوق آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگی اور آپ سے شفاعت کی درخواست کرے گی کہ حساب وکتاب شروع ہو جائے اور ہم کو اس ہول اور پریشانی سے اور انتظار کی تکلیف سے نجات ملے آپ فرمائیں گے کہ ہاں میں ہوں اس کام کے لئے اور کھڑے ہو جائیں گے اور سراپردہ عزت وجلال میں حاضر ہو کر اور سربسجود ہو کر عرض ومعروض کریں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آئے گا کہ:

''اے ہمارے حبیب سجدہ سے سر اٹھاؤ اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی اور مانگو تم کو عطا کیا جائے گا اور کہو تمہارا کہا سنا جائے گا۔''

اس شفاعت کا نام شفاعتِ کبریٰ ہے اور اس مقام کا نام مقام محمود ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً۔ [1]

اس وقت خاتم النبیین شفاعت کے لئے کھڑے ہوں گے اور آپ کی شفاعت سے حساب و کتاب شروع ہو جائے گا۔ یہ شفاعتِ کبریٰ حضور پُر نور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے، جو عام و خاص سب کے لئے ہوگی اور اس سے مقصود تعجیلِ حساب ہوگا تا کہ انتظار کی تکلیف ختم ہو جائے اس کے بعد آنحضرت ﷺ مختلف قسم کے لوگوں کے لئے مختلف قسم کی شفاعتیں فرمائیں گے مثلاً رفع درجات کے لئے کہ کسی کا درجہ بلند کر دیا جائے یا کسی گنہگار کی مغفرت کر دی جائے یا کسی کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے۔ اس قسم کی شفاعتیں دیگر انبیاء کرام اور علماء اور صلحاء کے لئے بھی ثابت ہیں مگر شفاعتِ کبریٰ صرف آنحضرت ﷺ کے لئے مخصوص ہے اور اسی مقام کا نام مقام محمود ہے کوئی دوسرا اس میں آپ کا شریک نہیں۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم صفحہ ۴۱ جلد ۲

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی

یعنی قیامت کے دن میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے لئے ہوگی۔

شفاعت میں گناہ کبیرہ کی قید اس لئے لگائی کہ گناہ صغیرہ تو اللہ تعالیٰ خود ہی بخش دیں گے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَائِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَ نُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلاً کَرِیْماً۔ [2]

یعنی اگر تم گناہ کبیرہ سے بچتے رہو گے اور اس سے پرہیز رکھو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تم کو عزت اور کرامت کی جگہ میں یعنی جنت میں داخل کریں گے۔

---

(۱) امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود تک پہنچائے گا۔ (بنی اسرائیل/۷۹)

(۲) اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے۔ اور تم کو ایک باعزت جگہ داخلہ کر دیں گے۔ (نساء/۳۱)

عقیدۂ دوازدہم

مومنوں کا بہشت میں اپنے پروردگار کو بے جہت اور بے مقابلہ اور بے کیفیت اور بے احاطہ دیکھنا حق ہے۔ آخرت کی اس رویت اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے کہ اہل ایمان بہشت میں حق تعالیٰ شانہ کو بغیر حجاب کے دیکھیں گے مگر اس کی کیفیت اور مثال نہیں بتلائی جاسکتی۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی رویت بے چون و چگون ہوگی، گرفتاران چون و چگوں اس کی حقیقت کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ سمجھا سکتے ہیں۔ سوائے ایمان لانے کے کوئی چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھتا ہے اور ہم مکان اور جہت میں ہیں اور اللہ جہت اور مکان سے پاک ہے۔ اسی طرح اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو جنت میں دیکھیں گے۔ دیکھنے والے تو مکان اور جہت میں ہوں گے اور جس خدا کو دیکھیں گے وہ مکان اور جہت سے بالا اور برتر ہوگا۔

فلاسفہ اور معتزلہ اور تمام بدعتی گروہوں پر افسوس ہے کہ جو حرمان اور کوری باطن کی وجہ سے دیدار خداوندی کا انکار کرتے ہیں اور اس نعمت و کرامت پر ایمان لانے کی دولت سے محروم ہیں اور جنت میں دیدار خداوندی کی لذت اور کرامت کے بعد اہل ایمان کو پروانۂ رضامندی و خوشنودی عطا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اعلان فرمائیں گے کہ اے اہل ایمان میں تم سے راضی ہوا اور اب کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَر.[1]

فائدہ:

دار قطنی میں آنحضرت ﷺ سے روایت ہے کہ اہل ایمان مرد ہر جمعہ کو اللہ کے دیدار پُرانوار سے مشرف ہوں گے اور اہل ایمان عورتیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن دیدار سے مشرف ہوں گی۔ شرح عقیدۂ سفاریدیہ صفحہ ۲۳۷ جلد ۲۔

---

(۱) اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو سب سے بڑی چیز ہے۔ (توبہ/۷۲)

عقائد متعلقہ بہ علاماتِ قیامت

قیامت کی علامتیں جن کی مخبر صادق نے خبر دی ہے وہ سب حق ہیں ان میں کسی قسم کا خلاف نہیں، مثلاً قیامت کے قریب (۱) آفتاب خلاف عادت بجائے مشرق کے مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا۔ (۲) امام مہدی ظاہر ہوں گے۔ (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ (۴) دجال نکل آئے گا۔ (۵) یاجوج و ماجوج ظاہر ہوں گے۔ (۶) دابۃ الارض زمین سے نکلے گا۔ (۷) اور ایک دھواں نمودار ہوگا جو تمام لوگوں کو گھیر لے گا اور یہ دھواں چالیس روز تک رہے گا جس سے کافر نشہ بازوں کی طرح ہو جائیں گے اور مومن مبتلائے زکام کی طرح ہو جائیں گے۔ اور آخیری علامت ایک آگ ہے جو عدن سے نکلے گی اس کے بعد قیامت قائم ہوگی۔ یہ قیامت کی وہ علامتیں ہیں جو احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہیں ان پر ایمان لانا فرض ہے اور یہ سب باتیں عقلاً ممکن ہیں اور مخبر صادق نے ان کے وقوع کی خبر دی ہے لہٰذا عقلاً بھی ان چیزوں کا ماننا لازم اور ضروری ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا اور آسمان سے ان کا اترنا ممکن ہے آخر فرشتے دن رات آسمان سے اترتے اور چڑھتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر اترنا قرآن سے ثابت ہے۔

اور علیٰ ہذا دابۃ الارض کا خروج بھی بلاشبہ عقلاً ممکن ہے۔ صدہا کیڑے مکوڑے زمین میں اور پتھروں میں پیدا ہو جاتے ہیں اور حضرت صالح علیہ السلام کے لئے ایک ناقہ کا صخرہ سے یکایک پیدا ہو جانے کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور علیٰ ہذا طلوع آفتاب جس طرح مشرق سے ممکن ہے اسی طرح اس کا طلوع مغرب سے بھی ممکن ہے آج تک کسی عقلی اور قطعی دلیل سے یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ آفتاب کا مشرق سے یا کسی خاص نقطہ افق سے طلوع تو عقلاً لازم اور ضروری ہے اور اس کے خلاف عقلاً محال ہے۔ قیامت کے علاماتِ کبریٰ میں سے ایک علامت یاجوج و ماجوج کا خروج وظہور ہے یاجوج و ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ ذوالقرنین نے ایک سد سدید اور دیوار شدید بنا کر ان کے خروج کا راستہ بند کر دیا ہے اور اس نے اس دیوار آہنی بنانے کے بعد یہ کہا تھا کہ

جب وعدہ ربی آئے گا تو یہ سدِ سدید پارہ پارہ ہو جائے گی اور حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ وعدہ ربی سے ذوالقرنین کی مراد قیامت اور قربِ قیامت ہے۔قرآن مجید میں خروج یاجوج وماجوج کا اور سد ذوالقرنین کے پارہ پارہ ہو جانے کا ذکر اجمالاً آیا ہے اور احادیث میں مفصل طور پر اس کا ذکر آیا ہے کہ قیامت کے قریب یاجوج وماجوج اس آہنی دیوار کو توڑ کر اپنی سرزمین سے نکل پڑیں گے۔

لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ خروج یاجوج و ماجوج پر ایمان لائے کہ وہ قیامت کے قریب اس سد کو توڑ کر نکل پڑیں گے علماء جغرافیہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تمام زمین کو چھان مارا لیکن ہمیں کہیں یاجوج وماجوج کا پتہ نہ لگا اور نہ ہمیں اس دیوار کا پتہ چلا۔ اس شبہ کے جواب میں عصر حاضر کے مولفین نے اس دیوار کے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں دنیا کی پانچ بڑی بڑی دیواروں کا ذکر کیا ہے مگر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں قوم یاجوج وماجوج اور دیوار ذوالقرنین کے جو اوصاف بتلائے گئے ہیں مجموعی طور پر وہ اوصاف ان قوموں اور ان دیواروں پر منطبق نہیں ہوتے جن کا یہ مصنفین نام لے رہے ہیں ان مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض ان کے خیالات ہیں اور ان کے خیالات کی بنا پر آیاتِ قرآنیہ اور احادیث صحیحہ اور صریحہ کا انکار یا ان میں تاویل جائز نہیں رہا علماء جغرافیہ کا یہ کہنا کہ ہم نے ساری زمین کو چھان ڈالا مگر ہم کو اس آہنی دیوار کا اور اس قوم کا کہیں پتہ نہیں ملا اس کا صحیح جواب وہ ہے کہ جو علامہ الوسی نے تفسیر روح المعانی میں اور علامہ حسین جسر طرابلسی نے حصون حمیدیہ از صفحہ ۱۵۸ تا صفحہ ۱۶۱ میں دیا ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ علماء جغرافیہ کا یہ دعویٰ کہ ہم نے تمام زمین کو دیکھ ڈالا ہے اور کوئی جگہ ہم سے باقی نہیں رہی امر مسلم نہیں اور یہ دعویٰ نہایت عظیم ہے کہ ہم نے تمام بر و بحر اور خشکی اور تری کا احاطہ کر لیا ہے عقل اس دعوے کے تسلیم پر آمادہ نہیں۔ کیا یہ امر عقلاً جائز نہیں کہ جس طرح اب سے پانچ سو برس پہلے تک ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا تھا۔ اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جہاں تک ہماری رسائی نہ ہوئی ہو اور چند روز کے بعد ہماری وہاں تک رسائی ہو سکے یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں۔

علماء جغرافیہ نے زبان سے تو کہہ دیا کہ ہم نے تمام زمین کو دیکھ ڈالا ہے اور کوئی

حصہ زمین کا ہم سے بچا نہیں رہا لیکن ذرا اس پر غور نہیں کیا کہ ان کا قدم آباد سرزمین سے بہت کم آگے بڑھا ہے اور اطراف زمین میں بہت سے پہاڑ اور بیابان ایسے موجود ہیں کہ وہاں تک علماء جغرافیہ کی رسائی نہیں ہوئی خصوصاً شمال کی طرف برفانی پہاڑوں کے پیچھے اور منطقہ باردہ کی جانب میں بہت سی سرزمین موجود ہے جہاں آج تک رسائی نہیں ہوسکی جیسا کہ خود اہل جغرافیہ کا بیان ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ انہیں اطراف میں یہ قومیں آباد ہوں۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سد ذوالقرنین شمال کی جانب واقع ہے اور جو لوگ نقشہ زمین سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ سائبیریا کے بعد شمال کی طرف بہت برفانی پہاڑ ہیں جو بارہ مہینے برف سے ڈھکے رہتے ہیں اور اس زمین میں کوئی ان پر سے نہیں گذر سکتا اور ان پہاڑوں کے اس طرف زمین بھی موجود ہے جو منتہائے ارض تک چلی گئی ہے پس یہ امر ممکن ہے کہ ان برفانی پہاڑوں کے پیچھے کوئی پست زمین ہو اور پستی کی وجہ سے وہاں برف اتنی کم رہتی ہو کہ آدمی رہتے ہوں اور وہیں یاجوج و ماجوج آباد ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں جس کو اب ہزار ہا سال گذر چکے ہیں آباد زمین اور ارض یاجوج و ماجوج کے درمیان ان پہاڑوں میں ہوکر کسی وادی کے ذریعہ کوئی راستہ ہو اور اس راستہ سے یاجوج و ماجوج برفانی پہاڑوں سے اس طرف آکر آس پاس کی قوموں کو قتل و غارت کرتے ہوں اور یہ دیکھ کر ذوالقرنین نے اس وادی کو سد آہنی سے بند کر دیا ہو اور پہاڑوں کی پرلی طرف بھی ان کو بند کر دیا ہو اور دوسری طرف بلند برفانی پہاڑوں کے ناقابل صعود ہونے کی وجہ سے ان کے لئے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہا ہو اور پھر آسمانی حوادث اور مسلسل برف باری کی وجہ سے وہ وادی بالکل بند ہوگئی ہو جس راستہ سے وہ باہر آیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ وادی بلند ہوتے ہوتے برفانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے جا ملی ہو اور اس کا نام و نشان مٹ گیا ہو۔ پھر جب قیامت کا زمانہ قریب آئے تو جوی حوادث کی وجہ سے وہ برف پگھل جائے اور یاجوج و ماجوج کو سد ذوالقرنین کے توڑنے کا موقع مل جائے اور سد کو توڑ کر یہ قومیں پھر اسی وادی سے یا کسی اور راستہ سے آباد دنیا کی طرف نکل پڑیں۔ بہر حال یہ باتیں بلاشبہ ممکن ہیں اور قدرتِ خداوندی کے تحت داخل ہیں جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اور تحقیقات جدیدہ کے ذریعہ سے بر و بحر کی وہ عجیب و غریب چیزیں

منکشف ہو رہی ہیں جن کو سن کر دنیا حیران ہے جو نہ کسی نے سنی اور نہ دیکھی۔

پس اہل جغرافیہ کا یہ دعویٰ کہ ہم نے خشکی اور تری کے تمام اکتشافات مکمل کر لئے ہیں کیسے قابل سماعت ہو سکتا ہے۔ بہر حال مخبر صادق نے جس قوم کے خروج کی اور جس دیوار کے ٹوٹنے کی خبر دی ہے اور اس کے اوصاف کی خبر دی ہے وہ حق ہے اور اس کی تصدیق ہم پر لازم اور فرض ہے۔ اہل جغرافیہ کے بے دلیل دعووں سے اس کی تکذیب اور انکار جائز نہیں ہم پر واجب ہے کہ اس کی تصدیق کریں اور یقین رکھیں کہ خدا اور اس کے رسول نے جو خبر دی ہے وہ یقیناً بلاشبہ اپنے وقت پر ظاہر ہوگی وقت کا انتظار کریں اور مشککین اور منکرین کے کہنے سے اپنا ایمان نہ خراب کریں۔

اور بعض کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ یاجوج و ماجوج فلاں جگہ رہتے ہیں اور فلاں فلاں اموی اور عباسی خلیفہ کے معتمد نے جا کر سد ذوالقرنین کو دیکھا تھا اور وہ ایسی اور ایسی ہے، یہ سب قصہ تراشوں کی خرافات ہیں ہرگز ہرگز قابل اعتبار و اعتماد ہیں۔ یہ تمام تفصیل علامہ حسین جسر طرابلسی کی تصنیف لطیف حصون حمیدیہ میں از صفحہ ۱۵۸ تا صفحہ ۱۶۱ مذکور ہے اور تفسیر روح المعانی میں اجمالاً مذکور ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے بیان القرآن میں اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی نے اپنی تفسیر میں علامہ آلوسی بغدادی کے جواب کو اختیار کیا ہے اور اس ناچیز نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں سورہ کہف کی تفسیر میں اسی جواب کو اختیار کیا ہے اور دنیا کے پانچ بڑی بڑی دیواروں کا ذکر کر کے بتلایا ہے کہ قرآن و حدیث میں سد ذوالقرنین کے جو اوصاف وارد ہوئے ہیں وہ مجموعی طور پر ان میں سے کسی دیوار پر منطبق نہیں ہوتے۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

عقائد متعلقہ بہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱) مقام صحابہ کرام

تمام انسانوں میں انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل اور اکمل اور بزرگ ترین صحابہ کرام ہے جن کی تعریف سے قرآن اور حدیث بھرا پڑا ہے۔ صحبت نبوی کی برکت سے اور نزول وحی اور ملائکہ کی آمد ورفت کی برکت سے ان کے دل ایسے روشن ہو گئے تھے کہ گویا کہ انہوں نے آخرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اور ان کے اس باطنی یقین اور معرفت کی بنا پر ان کا ایمان شہودی اور عیانی ہو گیا تھا۔ جو فضیلت صحابہ کرام کو حاصل ہوئی وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کے جمال بے مثال کو دیکھا اور آپ پر ایمان لائے اور جان و مال سے آپ کی مدد کی اور آپ کی خاطر خویش اور اقارب اور وطن کو ترک کیا اور چار دانگ عالم میں آپ کے دین کا ڈنکا بجایا اور کفر وشرک کا سر قلم کیا۔ ان سب سے اللہ راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہوئے اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ صحابہ کرام کا طرۂ امتیاز ہے۔

تمام صحابہ کرام، ابرار اور متقی اور پرہیزگار اور عادل اور ثقہ اور اعلیٰ درجہ کے ولی تھے۔ معاذ اللہ صحابہ کرام نہ کافر تھے اور نہ منافق تھے، بلکہ اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان والاسلام تھے ان کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا کوئی شخص ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن اور حدیث اور شریعت محمدیہ پر ایمان لانا اور اس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا ساری دنیا پر فرض اور لازم ہے اور شریعت محمدیہ کا علم دنیا کو صحابہ کرام کے ذریعہ سے ہوا۔ ہمارے اور نبی اکرم کے درمیان صحابہ کرام واسطہ ہیں اگر صحابہ کرام کا واسطہ نہ ہوتا تو ہم کو نہ قرآن کا علم ہوتا اور نہ آپ کی شریعت کا علم ہوتا۔ حتیٰ کہ آپ کی نبوت ورسالت کا بھی علم نہ ہوتا۔ صحابہ کرام آپ کی نبوت ورسالت کے گواہ ہیں۔ عدالت میں بیٹی اور داماد اور نواسہ کی گواہی معتبر نہیں۔ صحابہ

کرام کی محبت ایمان ہے اور ان سے بغض اور نفرت نفاق ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے میرے اصحاب کو برا کہا اس نے مجھ کو برا کہا اور جس نے مجھ کو برا کہا اس نے اللہ کو برا کہا، اور جو اللہ کو برا کہے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور تمام مخلوق کی لعنت ہے۔

(۲) ازواجِ مطہرات اور اہل بیت کی محبت اور احترام

تمام ازواج مطہرات سے اور تمام اہل بیت سے محبت فرض ہے اور آپ کی چاروں صاحبزادیوں، حضرت فاطمہ اور حضرت زینب اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم سب سے محبت فرض ہے اور ان سب کا احترام فرض ہے اور ان سب کی محبت ایمان ہے اور ان سے بغض اور نفرت کفر اور نفاق ہے قرآن کریم میں ازواج مطہرات کو امہات المومنین فرمایا اور اہل بیت پر اپنی خاص لطف اور عنایت کا ذکر فرمایا لہٰذا ازواج مطہرات اور اہل بیت سب کا احترام اور سب کی محبت فرض اور لازم ہے۔

(۳) ترتیب خلافت راشدہ

صحابہ میں سب سے اول مرتبہ خلفاء راشدین کا ہے جن میں سب سے افضل واکمل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے بلاکسی تردد اور تامل کے رسول اللہ کی تصدیق کی اور از اول تا آخر آپ کے یار غار اور رفیق و مددگار رہے۔ اور پھر حضرت عمر فاروق ہیں جن کے اسلام میں داخل ہونے سے حق اور باطل کا فرق واضح ہوا اور اسلام کو عزت اور قوت حاصل ہوئی۔ صدیق اکبر کے بعد مرتبہ فاروق اعظم کا ہے جو بسا اوقات نزول وحی سے پہلے ہی اپنی نورِ فراست سے حق اور باطل کا فرق پہچان لیتے تھے اور پھر اسی کے موافق وحی نازل ہوتی تھی جو موافقات عمر کے نام سے مشہور ہیں اور وہ تقریباً پندرہ ہیں اور پھر حضرت عثمان ذی النورین کا مرتبہ ہے جن کو اللہ کے رسول نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں دیں اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مرتبہ ہے۔ قرابت نسبی میں اگرچہ حضرت علی اوروں سے بڑھے ہوئے تھے مگر تقرب اور مرتبہ کے اعتبار سے خلفاء ثلاثہ ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ قرابتِ نسبی کی نسبت صوری اور ظاہری ہے اور تقرب کی نسبت

معنوی اور باطنی ہے اور خلافت نبوت کا دارو مدار قرابت نسبی پر نہیں بلکہ تقرب الی اللہ پر ہے۔ ان حضرات کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب پر ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تمام صحابہ نے بالاتفاق ابوبکر کے ہاتھ پر نہایت خوشی سے بیعت کی کیونکہ ابوبکر کے پاس نہ تو کوئی مال و دولت تھی کہ اس کی طمع اور لالچ پر لوگوں نے بیعت کی ہو اور نہ آپ شیر خدا تھے کہ آپ کی تلوار کا خوف ہوتا اور نہ آپ کا قبیلہ ایسا تھا کہ جس کا لوگوں کو ڈر ہوتا، محض آپ کے فضل و کمال کی بناء پر آپ کو خلیفہ بنایا اور دل و جان سے آپ کے مطیع ہوئے اور سب کے سب آپ کو یا خلیفۂ رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے اور یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جس بات پر صحابہ کا اتفاق ہو وہ خطا نہیں ہوسکتی، دل و جان سے سب آپ کے مطیع رہے یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کا درجہ ہے جن کو حضرت ابوبکر نے اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا۔ سب لوگوں نے بالاتفاق ان کی خلافت کو قبول کیا اور ابوبکر کی اس نامزدگی کو تمام صحابہ نے دل و جان سے قبول کیا اور بلا تردد سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور شہادت تک تمام مسلمان ان سے خوش رہے اور کسی شخص نے ان کی وفات تک ان کی خلافت پر نکتہ چینی نہیں کی۔

حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت کے وقت خلافت کو چھ آدمیوں میں دائر کر دیا تھا۔ حضرت عثمان اور علی اور طلحہ اور زبیر اور سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ پھر ان سب نے معاملہ عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے پر چھوڑ دیا کہ وہ جس کو چاہیں خلیفہ مقرر کریں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے صحابہ سے مشورہ کیا تمام صحابہ نے بالاتفاق بلاکسی اختلاف کے حضرت عثمان کو حضرت علی اور دیگر صحابہ سے افضل سمجھ کر خلافت کے لئے پسند کیا اور سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور لوگوں نے ان کو امیر المومنین کہا۔ اپنی شہادت تک نہایت عمدگی سے خلافت کا کام انجام دیتے رہے اور تمام صحابہ کرام ان سے راضی رہے۔ صحابہ کرام میں سے کسی شخص نے ان کی خلافت پر نکتہ چینی نہیں کی۔

حضرت عثمان کے بعد درجہ حضرت علی کا ہے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد مہاجرین اور انصار کے اتفاق سے آپ خلیفہ مقرر ہوئے اور تمام مہاجرین و انصار نے بلاکسی جبر و اکراہ کے اور بلاکسی خوف کے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی جس میں حضرت علی کی

رغبت اور خواہش کو دخل نہیں تھا بلکہ مہاجرین وانصار کے اصرار سے حضرت علی نے خلافت کو قبول کیا۔ بہرحال حضرت علی کی خلافت بھی سب کے اتفاق اور اجماع سے منعقد ہوئی جیسا کہ ابوبکر صدیق کی خلافت سقیفہ بنی ساعدہ میں سب کے اتفاق سے منعقد ہوئی تھی۔ دیکھو شرح عقیدہ سفارینیہ صفحہ ۳۳۱ جلد ۲۔ پھر حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن خلیفہ ہوئے۔ تھوڑی مدت خلیفہ رہے اور تیس سال کے اختتام پر جب راشدہ کی مدت پوری ہوگئی تو حضرت معاویہ کے حق میں برضا ورغبت خلافت سے دستبردار ہو گئے۔

(۴) مشاجراتِ صحابہ

صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات اور نزاعات پیش آئے جیسے جنگ جمل اور صفین، ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہئے۔ اور ہوا وہوس اور حب و جاہ وریاست اور طلب رفعت ومنزلت سے ان کو دور سمجھنا چاہئے کیونکہ صحبت خیر البشر کی وجہ سے ان کا تزکیہ ہو چکا تھا اور ان کے نفوس خصائل رذیلہ سے پاک ہو چکے تھے اور حرص اور کینہ سے صاف ہو چکے تھے اور اگر ان میں صلح تھی تو حق کے لئے تھی اور اگر کوئی جھگڑا تھا تو وہ بھی حق کے لئے تھا۔ ہر گروہ نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا۔

صحابہ کرام کا مقام ہزاراں ہزار جنید وشبلی سے کہیں بلند ہے۔ خدا تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور ان کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا جس کا آیات قرآنیہ میں بار بار اعلان فرمایا، مگر باوجود اس قرب اور ولایت کے صحابہ کرام انبیاء کرام کی طرح معصوم نہ تھے۔ فرشتے نہ تھے بشر تھے۔ بمقتضائے بشریت ان میں کچھ اختلافات پیش آئے لیکن ان کا یہ اختلاف اور نزاع حق کے لئے تھا۔ ہر گروہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا پس جو ان میں مصیب ہے اس کا دوہرا اجر ہے اور جو مخطی ہے اس کو ایک درجہ کا اجر ہے۔ پس مصیب کی طرح مخطی بھی ماجور ہے فرق درجات کا ہے۔ اور اگر بالفرض مخطی ماجور بھی نہ ہو تو معذور تو بلاشبہ ہے اور بلاشبہ طعن اور ملامت سے دور ہے۔ ملامت کی ذرہ برابر گنجائش نہیں چہ جائیکہ ان کو کفر اور فسق کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی ہے یہ نہ کافر ہیں اور نہ فاسق

ہیں۔ کیونکہ یہ نزاع ان کے نزدیک ایک تاویل پر مبنی تھا۔ جو کفر اور فسق سے منع کرتی ہے۔ البتہ اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ ان لڑائی جھگڑوں میں حق حضرت امیرؓ کی جانب تھا اور ان کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطا، خطا اجتہادی تھی اور خطا اجتہادی پر طعن و ملامت جائز نہیں۔ صحابہ کرام سب کے سب عدول اور ثقات ہیں اور سب کی روایتیں مقبول ہیں اور حضرت امیرؓ کے موافق اور مخالفوں کی روایات، صدق اور وثوق میں سب برابر ہیں۔ اس لڑائی جھگڑے کے باعث کسی پر جرح نہیں ہوئی۔ پس سب کو دوست جاننا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من احبھم فبحبی احبھم و من ابغضھم فببغضی ابغضھم.

یعنی جس نے صحابہ کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا اور جن نے ان سے بغض رکھا اس نے گویا میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا۔

مطلب یہ ہے کہ میرے اصحاب سے محبت رکھنا مجھ سے محبت رکھنا ہے اور ان سے بغض رکھنا مجھ سے بغض رکھنا ہے۔ ان بزرگواروں کی تعظیم و توقیر میں حضرت سید البشر ﷺ کی تعظیم و توقیر ہے اور ان کی بے قدری میں رسول اللہ ﷺ کی بے قدری ہے۔ دیکھو مکتوب ۶۷ از دفتر دوم و مکتوب ۱۷، از دفتر سوم از مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ

غرض یہ کہ حضرت خیر البشر ﷺ کی محبت کے حقوق کو مدنظر رکھ کر تمام اصحاب کرام سے محبت کرنا اور ان کو نیکی سے یاد کرنا فرض ہے۔ ہم سب سے محبت کے لئے مامور ہیں اور ان سے بغض رکھنے والے سے دور بھاگتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ کرام سے بغض اور نفرت کا اثر آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے لیکن محق کو محق کہتے ہیں اور مخطی کو مخطی کہتے ہیں یعنی حضرت امیر رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر ہے۔ اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔ دیکھو مکتوب ۲۶۶۔ از دفتر اول از مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کا خیر اور بھلائی کے ساتھ ذکر کریں اور جس طرح خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے ان کی تعریف و توصیف کی ہے اسی طرح ان کی تعریف و توصیف کریں اور جو نزاع کہ حضرت

امیر معاویہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مابین واقع ہوا اس کی بنا اجتہاد پر تھی۔ امامت اور خلافت کے استحقاق میں کوئی نزاع اور اختلاف نہ تھا اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت علی نے یہ گمان کیا کہ اگر حضرت عثمان غنی کے قاتلوں کو ان لوگوں کے سپرد کر دیا جائے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ خلافت کا معاملہ بالکل ہی درہم برہم ہو جائے گا۔ بایں لحاظ کہ ان کے قبائل بہت ہیں اور وہ لشکر میں ملے جلے ہیں اس لئے ان کے سپرد کرنے میں حضرت علی نے تاخیر کو خیر سمجھا اور اچھا جانا اور حضرت امیر معاویہ نے یہ سمجھا کہ باوجود اتنے بڑے قصور کے ان کے بارہ میں تاخیر خلاف مصلحت ہے اس تاخیر سے ان کو اور جرات ہو جائے گی اور پہلے سے زیادہ یہ لوگ کشت و خون پر آمادہ ہو جائیں گے گویا کہ اس طرح کی تاخیر ان لوگوں کو خلفاء اور حکام کے مقابلہ پر ابھارنے کے مرادف ہوگی۔ دونوں حضرات مجتہد تھے اور اجتہاد کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مصیب یعنی صواب کو پہنچنے والا ایک ہی ہوتا ہے اور اہل علم میں سے یہ کسی کا قول نہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خطا پر تھے۔ دیکھو احیاء العلوم واتحاف شرح احیاء العلوم صفحہ ۲۲۳ جلد ۲

(۵)

جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی[۱] کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مخالفین خطا پر تھے مگر وہ خطا اجتہادی تھی۔ اس پر طعن و تشنیع اور لب کشائی ناجائز ہے بلکہ سکوت واجب ہے۔

---

(۱) قالوا ای اهل السنة والجماعة بامامة علی فی وقته و قالوا بتصویب علی فی حروبه بالبصرة و بصفین و نهروان کذا فی کتاب الفرق بین الفرق صفحه ۳۵۰ للاستاذ عبد القاهر البغدادی.

(۶)

حضرت طلحہ[۱] اور حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ نے جو حضرت علی کے ساتھ اختلاف کیا تو ان کا مقصد محض اصلاح تھی بعد میں سب تائب ہوئے اور نادم ہوئے اور سب اہل ایمان اور اہل جنت سے میں نبی کریم ﷺ نے ان سب کے ایمان کی خبر دی ہے اور یہ سب حضرات بیعۃ الرضوان میں شریک تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہوا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ[۲].......... الی آخر الآيات.

تفصیل کے لئے کتاب اصول الدین للامام عبدالقاہر البغدادی دیکھیں از صفحہ ۲۸۶ تا صفحہ ۲۹۱

(۷) خلاصہ کلام

یہ کہ تمام صحابہ سے بلاتفریق کے اور تمام اہل بیت سے محبت رکھنا اور دل وجان سے ان کی عظمت اور ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے جیسا کہ قرآن وحدیث اس حکم سے بھرا پڑا ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ تاریخی کتابوں کو دیکھ کر جن کی کوئی سند نہیں۔ صحابہ سے بدگمان نہ ہوں اور بدگمان ہوکر اپنا ایمان خراب نہ کریں۔ قرآن وحدیث میں جو آ گیا وہ حق ہے اور تاریخی کتابوں میں جو ہے وہ ظنی بھی نہیں بلکہ افواہ کا درجہ ہے اور بے سند افواہوں سے احکام خداوندی میں شک کرنا گمراہی اور بے عقلی ہے۔

---

(۱) قال الاستاذ عبد القاهر البغدادی قالوا. ای اهل السنة والجماعة، بان طلحة والزبير تا باور جعا عن قتال علی لکن الزبير قتله عمرو بن جزموز بوادی السباع بعد منصرفه من الحرب وان عائشه قصدت الاصلاح بين الفريقين فغلبها بنو ضبة والازد علی رايها و قاتلوا عليا دون اذنها حتی کان من الامر ما کان. کذا فی کتاب الفرق بين الفرق صفحه ۳۵۰

(۲) یقیناً اللہ ان مومنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت سے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا۔ (فتح / ۱۸)

ایمان اور اسلام

ایمان کے لغوی معنی تصدیق قلبی کے ہیں۔ یعنی دل سے کسی بات کو حق اور صدق سمجھنا اور اصطلاح شریعت میں ان تمام دینی امور کی تصدیق قلبی کو کہتے ہیں جو دین محمدی سے بطریق ضرورت وتواتر ہم تک پہنچے ہیں دل وجان سے ان تمام امور دین کو جو نبی کے ذریعہ ہم کو بطریق تواتر پہنچے ہیں نبی کے بھروسہ پر مان لینے کا نام ایمان ہے۔ ایمان کے لئے تمام امور دین کا ماننا ضروری ہے ایک دو کا ماننا کافی نہیں اور محض زبانی اقرار کافی نہیں جب تک دل سے اس کی تصدیق نہ کرے۔ کما قال تعالیٰ:

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ. (۱)

غرض یہ کہ ایمان کی حقیقت تو تصدیق قلبی ہے اور اقرار زبانی بمنزلہ جز کے ہے باقی اعمال صالحہ، وہ نفس ایمان کی حقیقت سے خارج ہیں مگر ایمان کیلئے لازم ہیں بغیر ان کے ایمان کامل نہیں ہوتا اور اقرار زبانی بھی ایمان کی شرط ہے لیکن وقت مجبوری سقوط کا احتمال رکھتا ہے۔

ایمان کی شرط

ایمان کی اہم شرط کفر اور کافری اور کفر کے لوازم اور خصائص سے تبری اور بیزاری کرنا ہے۔ کفر اور کافری سے تبری اور بیزاری تصدیق قلبی کی علامت ہے۔

اسلام:

اسلام کے لغوی معنی گردن جھکا دینے اور تابعداری کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں خدا کے احکام کو شریعت محمدیہ کے مطابق بجالانے کا نام اسلام ہے۔

---

(۱) اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں بڑی تیزی دکھا رہے ہیں وہ تمہیں غم میں مبتلا نہ کرے یعنی ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے زبان سے تو کہہ دیا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں مگر ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ (مائدہ/۴۱)

فائدہ[1]:

ایمان اور اسلام کی حقیقت اگرچہ علیحدہ علیحدہ ہے مگر دونوں باہم لازم وملزوم ہیں جیسے ظہر اور بطن آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ ظہر بغیر بطن کے اور بطن بغیر ظہر کے موجود نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح اسلام بغیر ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے متحقق نہیں ہوسکتا۔ دیکھو اصول الدین لصدر الاسلام البزدوی صفحہ ۱۵۴

کفر

کفر شریعت میں ایمان کی ضد ہے۔ایمان کے معنی ماننے کے ہیں اور کفر کے معنی نہ ماننے کے ہیں جن باتوں کا ایمان میں ماننا ضروری ہے ان میں کسی بات کا نہ ماننا یہ کفر ہے۔ ایمان میں دینِ محمدی کی تمام باتوں کا ماننا ضروری ہے اور کفر میں سب باتوں کا انکار ضروری نہیں۔دین محمدی کی جو باتیں بطریق تواتر ثابت ہیں ان میں سے اگر کسی ایک بات کا بھی انکار کردے تو کافر ہوجائے گا۔

مراتب کفر

کفر کا اصل دارومدار تکذیب اور انکار پر ہے کہ شریعت اور دین کی قطعی باتوں میں کسی ایک بات کی تکذیب کردینے کا نام کفر ہے۔مگر تکذیب کے مراتب ہیں اور ہر مرتبہ کے احکام ہیں۔

---

(۱) قال اهل السنة و الجماعة الايمان لاينفصل عن الاسلام والاسلام من الايمان من كان مومنا كان مسلما ومن كان مسلما كان مومنا وان كان الايمان غير الاسلام لغة كالبطن لايتصور بدون الظهر الظهر بدون البطن وان كان غيرين فان الايمان هو التصديق والاسلام هو الانقياد فمن كان مصدقا لله تعالىٰ ورسوله كان مسلما منقادا لله ولرسوله ومن كان منقاد اله و لرسوله كان مصدقا وعند المعتزلة والروافض ينفصل احدهما عن الاخر كذا فى كتاب اصول الدين للبزودى صفحه ۵۴

پہلا مرتبہ:

دھریہ (منکرین خدا) کی تکذیب کا ہے جو سرے سے خدا ہی سے انکار کر بیٹھے ہیں اور عالم کو قدیم مانتے ہیں اور انہی کے قریب قریب فلاسفہ کا گروہ ہے جو برائے نام خدا کا قائل ہے لیکن وہ خدا تعالیٰ کو خالق نہیں جانتا بلکہ اس کو واجب الوجود اور عالم کی علت تامہ مانتا ہے اور رہولی اور عالم کو قدیم مانتا ہے اور حشر ونشر کا منکر ہے اور علی ہذا جو گروہ کواکب اور نجوم کو قدیم اور اس عالم میں موثر مانتا ہے وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

دوسرا مرتبہ:

براہمہ منکرین نبوت کا ہے جو خدا کے تو قائل ہیں مگر نبوت کے بالکل قائل نہیں۔

تیسرا مرتبہ:

یہود اور نصاریٰ کا ہے جو خدا کے بھی قائل ہیں اور مطلق نبوت و رسالت کے بھی قائل ہیں مگر آنحضرت ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں۔

چوتھا مرتبہ:

مشرکین کا ہے جو توحید کے منکر ہیں اور شرک بت پرستی میں مبتلا ہیں۔ جیسے نصاریٰ اور ہندو کہ حضرت مسیح کو اور اپنے اوتاروں کو معبود مانتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ حضرت مسیح کو اور اوتاروں کو خدا کے برابر نہیں سمجھتے لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کا کسی جسم میں حلول کر جانا اور اس کے ساتھ متحد ہو جانا جائز ہے۔ اس فرقہ کو فرقہ حلولیہ اور اتحادیہ کہتے ہیں۔

پانچواں مرتبہ:

ان لوگوں کی تکذیب کا ہے جو خدا کے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے اور دین اسلام کے تو قائل ہیں مگر نصوص شریعت کے ایسے عجیب وغریب معانی بیان کرتے ہیں جو عہد صحابہ سے لے کر اب تک کسی کے حاشیہ خیال میں نہیں گزرے۔ اصطلاح شریعت میں

ایسے شخص کو ملحد اور زندیق کہتے ہیں کہ لفظ تو اسلام کا بولتا ہے مگر اس کے معنی کفر ہوتے ہیں اول کے چار مرتبے صریح کفر ہیں اور یہ پانچواں مرتبہ جس کا نام الحاد اور زندقہ ہے درحقیقت یہ نفاق کی ایک قسم ہے اور ایسا شخص بلاشبہ منافق ہے اور یہودی اور نصرانی سے بدتر ہے۔ اس لئے کہ یہودی اور نصرانی جو تکذیب کرتا ہے وہ صاف طور پر کرتا ہے جھوٹ نہیں بولتا اور منافق جھوٹ بولتا ہے۔ زبان سے تو اسلام ظاہر کرتا ہے اور اندر کفر چھپا ہوا ہے۔

لَعۡنَةَ اللہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ. (۱)

عقیدہ

اسلامی اخوت (یعنی اسلامی برادری) حق ہے بحق ایمان واسلام روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو دینی اور اسلامی بھائی سمجھنا فرض اور لازم ہے۔ کما قال تعالیٰ:

انما المومنون اخوۃ. المسلم اخو المسلم.

اور روئے زمین کے کافروں کو اپنا دشمن سمجھنا فرض ہے اور ان سے موالات دوستانہ تعلقات رکھنا حرام ہے۔ کما قال تعالیٰ:

اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا. (۲)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡکٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ. (۳) وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ. (۴)

قرآن اور حدیث سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد دین وملت پر ہے وطن اور زبان پر نہیں ایمان اور اسلام کے رابطہ اور تعلق کی بنا پر تمام مسلمان ایک قوم ہیں اور کافر دوسری قوم ہیں شریعت کے احکام اسی ایمان اور کفر کی تقسیم پر دائر ہیں۔ خاص کر احکام جہاد وہ تو صراحۃً ایمان اور کفر کی تقسیم پر مبنی ہیں۔

---

(۱) جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ (۲) یقیناً کافر لوگ تمہارے دشمن ہیں۔ (نساء/۱۰۱)

(۳) اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔ (نساء/۱۴۴)

(۴) اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہیں میں سے ہوگا۔ (مائدہ/۵۱)

فتنہ قومیت متحدہ

ایک ملک کے باشندے اور ایک زبان کے بولنے والے عرف زمانہ میں اگر چہ ایک قوم کہلاتے ہیں مگر شریعت مطہرہ کی نظر میں قومیت اور اخوت کا دارومدار ایمان اور کفر پر ہے شریعت کی نظر میں کافر اور مسلمان دو قومیں علیحدہ ہیں۔ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اگر چہ باپ اور بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ کافر کی نماز جنازہ نہیں اور نہ کافر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوسکتا ہے اور مسلمان کے جنازہ پر کافر کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں اور مسلمان کو کافر کے جنازہ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں صراحۃً یہ آیا ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ.(۱)

اور اگر کسی مسلمان کا باپ یا بیٹا یا بھائی یا چچا بحالت کفر مر گیا ہو تو مسلمان رشتہ دار کو اس مردہ کافر کے لئے دعا مغفرت جائز نہیں۔ کما قال تعالیٰ:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ.(۲)

شریعت نے کافروں سے جہاد کو فرض کیا اور عندالضرورت بقدر ضرورت و مصلحت کافروں سے صلح کی اجازت دی اور صلح کے معنی ترک جنگ کے ہیں نہ کہ اتحاد کے اس لئے فقہاء کرام نے صلح کا نام موادعت رکھا ہے جو وَدَعَ یَدَعُ بمعنی ترک یترک سے مشتق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اس سے لڑائی نہ کی جائے۔ قرآن کریم نے کفار کو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اسلام کا اور مسلمانوں کا دشمن بتایا ہے اور ان سے موالات اور دوستی کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے اگر چہ وہ کافر اپنے قریبی

---

(۱) اور (اے پیغمبر) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مر جائے تو تم اس پر نماز (جنازہ) مت پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ (توبہ/۸۴)

(۲) یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے اور نہ دوسرے مومنوں کو کہ وہ مشرکین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان پر یہ بات پوری طرح واضح ہو چکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں۔ (توبہ/۱۱۳)

رشتہ دار ہی ہوں پس ان احکام کے ہوتے ہوئے کافروں سے اتحاد کب جائز ہوسکتا ہے۔ اور قرآن اور حدیث میں جو کافروں سے ترک موالات کا حکم آیا ہے سو اس کی علت کفر ہے نہ کہ غیر ملکی اور پردیسی ہونا۔

رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبینا و رسولا و بالقرآن حکما واماما و بالمسلمین اخوانا و اعوانا۔(۱)

عقیدہ

اسلامی حکومت پر بشرط استطاعت و مقدرت کافروں سے جہاد فرض ہے اور بحالت مجبوری صلح جائز ہے جہاد عزیمت ہے اور صلح رخصت کا درجہ ہے۔ دیکھو شرح سیر کبیر

عقیدہ

تبلیغ دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بقدر استطاعت فرض ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکام اور شرائط کی تفصیل کے لئے امام غزالیؒ کی کتاب احیاء علوم الدین دیکھیں۔

کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی مختصر سی تشریح

اسلام کے معنی عربی زبان میں کسی کے سامنے گردن جھکا دینے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں اسلام کے معنی یہ ہیں کہ نبی آخر الزمان کی ہدایت کے مطابق اپنے خداوند کریم کے سامنے گردن جھکا دینے اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے ہیں۔ اسلام کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے جس کے دو رکن ہیں پہلا رکن توحید ہے اور

---

(۱) ہم خوش ہیں اللہ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور محمد ﷺ کو نبی مان کر اور قرآن کو حکم اور پیشوا مان کر اور مسلمانوں کو بھائی اور مددگار مان کر۔

دوسرا رکن رسالت ہے۔ لا الہ اللہ میں توحید کا بیان ہے اور محمد رسول اللہ میں رسالت کا بیان ہے بغیر توحید و رسالت کے اقرار کے آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔

لا الہ الا اللہ

لفظ الہ باعتبار اپنے ماخذ اور مصدر کے دو معنی کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ وہ ذات کہ جو اپنے جلالی و جمالی کمالات کے باعث قابل عبادت اور لائق پرستش ہو اور دوم یہ کہ وہ ذات کہ جو اپنی بے انتہا خوبیوں کے سبب سے اس کی طرف متوجہ ہونے والوں کو حیرت میں ڈال دے۔

پس اگر کلمہ لا الہ الا اللہ میں معنی اول کے اعتبار سے الہ کی نفی مراد ہو تو اس تقدیر پر کلمہ شریف کا مطلب اس طرح بیان کیا جائے گا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی ذات ایسی نہیں کہ جو اس قدر جلال و جمال اور کمال بے مثال کے ساتھ موصوف ہو جس کی بنا پر وہ معبود ہونے کے لائق ہو سکے۔ اس کے جلال و کمال کی کوئی حد اور نہایت نہیں اور اس کے جود و نوال کے کوئی غایت نہیں لہٰذا اس کے سوا کوئی قابل عبادت اور قابل پرستش نہیں اور اگر لفظ الہ سے دوسرے معنی مراد لئے ہیں تو اس لحاظ سے کلمہ توحید کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام دائرہ وجود میں اللہ کے سوا کوئی موجود ایسا نہیں کہ جو اپنے بے شمار محامد و محاسن کی وجہ سے نظارہ کرنے والوں کو ایسی حیرت میں ڈال دے کہ وہ ایسی حیرت میں پڑ کر از خود رفتہ ہو جائیں اور اس بے خودی کے عالم میں اپنی ہستی کو بھول جائیں اور اس حسن و جمال اور کمال بے مثال کے سامنے سربسجود ہو جائیں اور تہہ دل سے پروانہ کی طرح نور الانوار پر قربان ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ الہ سے مراد خواہ قابل عبادت اور لائق پرستش کے معنی مراد ہوں اور خواہ متحیر اور بے خود کرنے والے کے معنی مراد ہوں بہرصورت اس معنی کا مصداق حقیقی سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔ نہ مادہ اور طبیعت میں یہ صلاحیت ہے اور نہ نیچر اور ایتھر میں یہ لیاقت ہے کہ وہ خدا بن سکے۔ سب کا خالق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ دھر اور نیچر سب اس کے مخلوق اور مملوک ہیں اور وہی خدا ان دونوں کا خالق اور مالک ہے۔

معنی لفظ اللہ

مَعْنِیِ اَللّٰہ گُفت آں سِیْبَوِیہْ یُوْلَھُوْنَ فِی الحوائجُ ھُمْ لَدَیْہ
گفت اَلِھْنَا فِی حَوَائِجنَا اِلَیْک وَالْتَمَسْنَا ھا وَجَدنَا ھا لَدَیْک[1]
زاری کردیم یعنی بجستیم آں حاجات را یافتیم ما آنہا را از دِتو[2]

(مثنوی صفحہ ۹۷ دفتر چہارم)

سیبویہ جو صرف ونحو کا امام عالی مقام ہے اس نے کہا کہ لفظ اللہ ولہ سے مشتق ہے جس کے معنی حیرانی وسرگردانی کے ہیں اور لفظ اللہ کے یہ معنی بتائے ہیں کہ لوگ سرگردان اور حیران ہو کر اپنی حاجتوں میں بصد عجز وزاری اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے التجا کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہم اپنی حاجتوں میں تیری طرف التجا کرتے ہیں اور ان کو طلب کرتے ہیں تو تیرے پاس ان کا حل پاتے ہیں اور تیری بارگاہ سے ہماری حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور کلمہ شہادت کو کلمہ توحید اور کلمہ اخلاص بھی کہتے ہیں اور لا الہ الا اللہ کو کلمہ نفی واثبات بھی کہتے ہیں۔ لا الہ میں ان تمام معبودوں کی نفی ہے جو خدا کے سوا ہیں، یعنی کوئی اس کا شریک اور سہیم نہیں اور کوئی اس کے مثل اور مانند نہیں اور کوئی اس کے سوا صانع اور مدبر عالم نہیں اور کوئی اس کا شبیہہ اور نظیر نہیں اور الا اللہ اثبات ہے یعنی وہ موجود برحق ہے اور معبود برحق اللہ ہے اور تمام صفات کمال میں یکتا اور یگانہ ہے اور تمام چیزوں کا مدبر اور ان میں متصرف ہے۔ لفظ اللہ ان تمام معانی کا جامع ہے جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ ان معانی کے لحاظ سے پڑھے وہ تمام انواع کفر وشرک سے پاک ہو جائے اور اہل توحید میں داخل اور شامل ہو جائے۔ اور توحید کا دارومدار پانچ چیزوں پر ہے۔

---

(۱)، (۲) سیبویہ نے اللہ کا یہ معنی بتایا کہ حاجت کے وقت اس کے سامنے فریاد کرتے ہیں۔ ہم نے فریاد کی ضرورت کے وقت تیری طرف اور ہم نے اسے تلاش کیا تو ہم نے اس کو آپ ہی کے پاس پایا۔

۱۔ اول یہ کہ خدا تعالیٰ کو تمام اسماء حسنیٰ و صفات اعلیٰ کے ساتھ حقیقۃً موصوف جانے اور ان میں ایسی تاویل نہ کرے جو حقیقت سے نکل کر مجاز کے حد میں داخل ہو جائے۔ یہ ایک قسم کی تعطیل ہے۔

۲۔ دوم یہ کہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق نہ کہے کفر اور معصیت سے اللہ کے ارادہ اور مشیت کی نفی نہ کرے یہ ایک طرح کی تشریک ہے۔

۳۔ سوم یہ کہ خدا کی صفات کو مخلوقات کی صفات پر قیاس نہ کرے جس سے خدا اور مخلوق میں مماثلت اور مشابہت ثابت ہو جائے۔ یہ ایک قسم کی تشبیہ اور تمثیل ہے۔

۴۔ چہارم یہ کہ مادہ اور روح کو قدیم نہ کہے اور یقین رکھے کہ اللہ کے سوا سب چیزیں اللہ کی مخلوق اور حادث ہیں۔ مادہ اور روح کے قدیم ماننے میں تعلیل کا شائبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم کا خالق نہیں بلکہ علت موجبہ ہے۔ جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں۔

۵۔ پنجم یہ کہ نظام کائنات اور تنوعات عالم کو طبائع اور کواکب و نجوم کی تاثیر کا نتیجہ نہ سمجھے اس سے تدبیر الٰہی میں تشریک مفہوم ہوتی ہے، امید ہے کہ جو شخص ان معانی کا لحاظ کر کے کلمہ توحید پڑھے تو اس نے توحید کا حق ادا کر دیا۔

محمد رسول اللہ

یہ کلمہ اسلام کا دوسرا رکن ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام عالم کے باشندوں کو یہ حکم ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے خالق و مالک کا رسول یعنی فرستادہ اور پیغام رساں مانیں اور جو اس نے پیغامات سنائے اور جو احکام پہنچائے ان کو حق اور صدق جان کر بے چون و چرا دل و جان سے تسلیم کریں اور سرِ مو ان میں شک نہ کریں اور تمام احکام کو واجب التعمیل جانیں اور اخلاص اور نیازمندی کے ساتھ نبی کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم جھکا دیں اور اس کی طاعت کو خدا تعالیٰ کی اطاعت جانیں۔

طاعت ومعصیت

دل وجان سے اللہ کے حکم کو بجالانے کا نام طاعت ہے اور خلافِ حکم کام کرنے کا نام معصیت ہے۔ اور جو کام خلافِ حکم خداوندی کیا جائے اس کو گناہ کہتے ہیں۔ اگر بھولے سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے اور اگر جان بوجھ کر کیا ہے تو اس پر مواخذہ اور گرفت ہوگی۔

صغائر وکبائر

گناہ دو طرح کا ہوتا ہے صغیرہ اور کبیرہ۔ کبیرہ وہ گناہ ہے کہ جس کا گناہ ہونا قطعی دلیل سے معلوم ہوا ہو یا اس پر کوئی وعید یا کوئی حد آئی ہو۔ جیسے:

۱۔ کسی کا ناحق خون کرنا۔ ۲۔ زنا کرنا، کسی پر بے وجہ زنا کی تہمت لگانا۔
۳۔ ماں باپ کو تکلیف دینا۔ ۴۔ سود کھانا۔
۵۔ شراب پینا۔ ۶۔ سور کا گوشت کھانا۔
۷۔ جادو کرنا۔ ۸۔ جہاد میں دو چند کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جانا۔
۹۔ بے عذر رمضان کے روزے نہ رکھنا۔ ۱۰۔ نماز کا بے وقت پڑھنا۔
۱۱۔ زکوٰۃ کا نہ دینا۔ ۱۲۔ جھوٹی قسم کھانا۔
۱۳۔ قطع رحمی کرنا۔ ۱۴۔ ناپنے یا تولنے میں خیانت کرنا۔
۱۵۔ مسلمانوں کے ساتھ ناحق لڑائی کرنا۔ ۱۶۔ صحابہ کرام کو برا کہنا۔
۱۷۔ رشوت لینا۔ ۱۸۔ چغلخوری کرنا۔
۱۹۔ مسلمانوں کی کافروں سے جاسوسی کرنا۔ ۲۰۔ مرد کا عورت پر ظلم کرنا۔
۲۱۔ عورت کا مرد کی اطاعت نہ کرنا۔

۲۲۔ علماء دین کی اور حافظانِ قرآن کی بلا کسی سبب اور بغیر کسی وجہ کے محض اس وجہ سے کہ یہ حافظ اور مولوی ہے اہانت کرنا گناہ کبیرہ ہے جس میں اندیشہ کفر کا ہے۔ جیسا کہ آج وبا پھیل رہی ہے کہ محض عالم دین ہونے کی وجہ سے اور محض مولوی اور ملا ہونے کی وجہ

سے اس کو ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں۔ ایسا معاملہ بلاشبہ گناہ کبیرہ ہے۔ بلکہ اندیشہ کفر کا ہے کہ کسی کو محض اس وجہ سے حقیر و ذلیل سمجھا جائے کہ یہ مولوی اور ملا ہے اور دین کا عالم ہے۔ یہ درحقیقت شریعت کی اہانت اور اس کے ساتھ تمسخر ہے اور کفر کا نشان ہے البتہ اگر کسی مولوی اور ملا سے کوئی گناہ صادر ہوتا ہوا دیکھیں تو اس جرم کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کریں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کسی شخص کو محض عالم دین ہونے کی وجہ سے حقیر سمجھنا درحقیقت دین کو حقیر سمجھنا ہے۔ دیکھو شرح فقہ اکبر للعلامۃ القاری صفحہ ۱۱۴

علماء کو نصیحت

علماء کی اہانت کا یہ مسئلہ میں نے عام مسلمانوں کی خیر خواہی اور ان کے دین کی حفاظت کی خاطر لکھا ہے کہ مسلمان ہو کر ایسا نہ کریں، باقی کسی عالم دین کو عوام سے یہ توقع رکھنا کہ وہ میری تعظیم و تکریم کریں اور جو شخص ان کی تعظیم نہ کرے اس سے ناراض ہو جائیں تو یہ بھی گناہ کبیرہ ہے اور بڑا سخت گناہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ کافروں نے پیغمبروں کے ساتھ ساتھ طرح طرح سے استہزا اور تمسخر کیا ہے مگر حضرات انبیاء نے ہمیشہ صبر کیا اور کافروں کے استہزا اور تمسخر کا کوئی جواب نہیں دیا پس اسی طرح علما کو سمجھ لینا چاہئے کہ جب ہم کو انبیاء کے علم کی میراث ملی ہے تو کفار کے تمسخر اور استہزا میں سے بھی ہم کو ضرور حصہ ملے گا۔ صبر کرنا چاہئے بلکہ شکر کرنا چاہئے کہ علم کی جو نعمت ہم کو ملی ہے اس کے مقابلہ میں بے دینوں کا تمسخر ہیچ ہے اور حق جل شانہ کے اس ارشاد:

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ. (۱)

کو پیش نظر رکھیں۔

غرض یہ کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس گناہ پر شریعت میں کوئی وعید آئی ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور جو ایسا نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔ جاننا چاہئے کہ صغیرہ اس وقت تک صغیرہ ہے کہ جب تک اس پر اصرار نہ کرے اور بار بار کرنے سے صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔

---

(۱) اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو جیسے تم ہنس رہے ہو اسی طرح ہم بھی تم پر ہنستے ہیں۔ (ہود/ ۳۸)

عقیدہ:

مومن گناہ کبیرہ کے کرنے سے ایمان سے خارج نہیں ہوجاتا، گناہ کا ارتکاب موجب فسق ہے اور گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے۔

عقیدہ:

شریعت کی اہانت اور اس کا تمسخر یعنی اس کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ تمسخر کا درجہ تکذیب اور انکار سے بڑھ کر ہے۔

۱۔ اہل سنت و جماعت کا مسلک یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوجاتا اور دائرہ کفر میں داخل نہیں ہوجاتا۔

۲۔ اور گنہگار مسلمان ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ ایک وقت آئے گا کہ گنہگار مسلمان انبیاء کرام کی شفاعت سے اور ارحم الراحمین کے رحمت سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردیئے جائیں گے۔ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا بالآخر اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا ایمان کی برکت سے کافروں کی طرح اس کو سیاہ رو نہیں کریں گے اور نہ کافروں جیسے طوق اور زنجیر اس کو ڈالیں گے۔

۳۔ کافروں اور مشرکوں کی کبھی مغفرت نہ ہوگی کافر اور مشرک ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔[1]

کافر کا عذاب دائمی اور ابدی ہے جو اس کے کفر کی جزا ہے اور اگر کوئی شخص ذرہ برابر بھی ایمان رکھتا ہے، تو اس کی جزاء دوزخ کا عذاب موقت ہے اور اس کے تمام

(۱) بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے کم تر ہر گناہ کی جس کے لئے چاہتا ہے بخشش کردیتا ہے۔ (نساء/۱۱٦)

کبیرہ گناہ اللہ کے اختیار میں ہیں چاہے ان کو بخش دے اور چاہے ان پر عذاب دے۔ دوزخ کا دائمی عذاب کفر کے ساتھ مخصوص ہے۔

۴۔ مومن سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ اور استغفار کرے اور اللہ کے لطف اور عنایت سے اور اس کے فضل اور رحمت سے قبول ہونے کی امید رکھے۔

۵۔ ایمان، خوف اور رجاء کے درمیان ہے۔

اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْم. (۱)

جب تک زندہ رہے تو چاہئے کہ خوف غالب رہے اور اخیر وقت میں چاہئے کہ رجا (امید) غالب رہے۔

الحمدللہ کہ اس وقت یہ رسالہ توبہ اور خوف اور رجاء کے بیان پر ختم ہوا۔ اے اللہ یہ ناچیز اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور آپ کے جود و کرم سے عفو کا طالب ہے اور بصد ہزار عجز و زاری یہ التماس ہے کہ اس ناچیز کو اور اس کی اولاد کو اور اس کے اہل و عیال کو اور خویش و اقارب کو اور احباب و اصحاب کو ان عقائد حقہ پر مرتے دم تک قائم رکھ۔ آمین اور تیری رحمت پر امید لگائے ہوئے ہوں بغیر تیرے فضل و رحمت کے سب ہیچ ہے۔

اللھم ثبتنا علی عقائد اھل السنة والجماعة و امتنا علیھا و احشرنا معھم و فی زمرتھم۔ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا و ھب لنا من لدنک رحمة انک انت الوھاب. وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و علی اله و اصحابه اجمعین و علینا معھم یا ارحم الراحمین۔

محمد ادریس کان اللہ لہ وکان ہو للہ آمین

۸/ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ جامعہ اشرفیہ لاہور

---

(۱) یہ بات بھی جان رکھو کہ اللہ عذاب دینے میں سخت ہے اور یہ بھی کہ اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (مائدہ/۹۸)

قدیم نسخے کا پہلا صفحہ

برادر عزیز احمد عزیزی مولوی اشرف محمود سلمہ اللہ تعالیٰ



از محمد ادریس غفراللہ لہ

قَالَ اللہُ تَعَالٰی

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ

الحمد للہ کہ دریں زمان میمنت اقتران کتاب مستطاب مسمّٰی بہ

عقائد الاسلام

حصّہ اوّل

مشتمل بر تحقیق عقائد اسلامیہ بادلّہ عقلیہ و نقلیہ و ابطال
شبہات واعتراضات ملاحدہ و فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ

مؤلّفہ

حضرت مولانا حافظ محمّد ادریس کاندھلوی حفظہ اللہ تعالیٰ ودام فیضہ آمین
شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور

از

مکتبہ عثمانیہ۔ جامعہ اشرفیہ، مسلم ٹاؤن لاہور

(شائع کردہ شد، للہ الحمد والمنّۃ)